

لا تَقْرَأَنَّ فِي قِصَصِهِمْ عِلْمَ الْآلِ الْأُولَىٰ

17395

17395

۲۹۷۵۹۹۲۷

۱۸۵

تاریخ المشائیر

از

علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلیمان منصف لوی

پشاور ریاست پٹیالہ و صنف حرمہ للعالمین

باہتمام
PANJAB
UNIVERSITY
LIBRARY,
ARABIC SECTION

Dated

منصف سلیمان مکین لاهور

قیمت بے جلد غیر

مجلد

فہرست مضامین تاریخ المشاہیر

نمبر صفحہ	حالات	نمبر شمارہ	نمبر صفحہ	حالات	نمبر شمارہ
۹۲	حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان	۲۲	۱	ویساچہ	۱
۱۰۱	حجاج بن یوسف ثقفی	۲۵	۵	آئمہ و علماء	
۱۰۶	معتد علی اشد آخر ملوک حیرہ	۲۶	۵	امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت	۲
۱۱۳	ملک شاہ سلجوقی	۲۷	۱۰	امام مالک بن انس	۳
۱۱۷	طغرل بک بانی خاندان سلجوقیہ	۲۸	۱۲	امام محمد بن ادریس شافعی	۴
۱۲۱	ابن تومرت مہدی الہری	۲۹	۲۲	امام احمد بن حنبل	۵
۱۲۷	ضحاک بن قیس احنف	۳۰	۲۶	تیسرہ برصالحات آئمہ اربعہ	۶
۱۳۲	ابن کلس وزیر	۳۱	۳۱	حضرت سعید بن جبیر	۷
۱۳۷	ابوالطاهر محمد بن بقیہ وزیر	۳۳	۳۵	حضرت امام موسیٰ کاظم	۸
۱۴۱	نظام الملک	۳۳	۳۷	لیقوب بن داؤد سلمی	۹
۱۴۵	جعفر برکی	۳۴	۴۳	حضرت ابو یقوب یوسف بن یحییٰ	۱۰
۱۵۳	یحییٰ بن خالد برکی	۳۵	۴۵	حضرت یحییٰ بن یحییٰ اندلسی	۱۱
۱۵۸	یحییٰ بن ہبیرہ وزیر	۳۶	۴۸	امام جبائی	۱۲
۱۶۲	معن بن زائدہ شیبانی	۳۷	۴۹	امام غزالی	۱۳
۱۶۷	شیخ ابو الفیض فیضی فیاضی	۳۸	۵۳	امام فخر الدین رازی	۱۴
۱۸۲	عبد الحمید کاتب	۳۹	۵۶	امام محمد قاسم صاحب قاموس	۱۵
۱۹۰	ابوبکر محمد بن زکریا رازی	۴۰	۵۹	علامہ القناری	۱۶
۱۹۲	قاضی القضاة		۶۱	امام احمد بن اسماعیل کورانی	۱۷
۱۹۲	قاضی شریح	۴۱	۶۶	علامہ مصباح الدین المعروف بہ خواجہ زادہ	۱۸
۱۹۵	امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ	۴۲	۷۱	مشائخ و اصفیاء	
۱۹۹	قاضی ابو عبد اللہ احمد بن ابی داؤد	۴۳	۷۱	حضرت ابویسحاق رومی	۱۹
۲۰۳	مفتی صدر الدین صدر الصدور	۴۴	۷۳	حضرت بشر حافی	۲۰
۲۰۷	حسان بن ثابت	۴۵	۷۵	حضرت ابو عبد اللہ جریر بن اسد محاسبی	۲۱
۲۱۱	ابو فراس ہمام فرزدق	۴۶	۷۹	امام الاولیاء عبد القادر جیلانی	۲۲
۲۱۶	مہیشم بن عدی بختری ثعلبی	۴۷	۸۷	سقا شمس الدین	۲۳
۲۱۹	ابو ولانہ	۴۸	۹۲	ملوک و وزراء	

نوٹ: مصنف کتاب کی دیگر تصانیف کی تفصیل آخری صفحات ۲۲۵ و ۲۲۶ پر ملاحظہ فرمائیے۔ منیجر

۲۶۶۹۹۲۲
س ۱۵ ت

۱۷۳۹۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِحَمْدِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الَّذِیْ تَعَزَّ بِالنُّقْلِ وَاللَّحْمِ وَكُتِبَ الْمَوْتُ وَالْفَنَاءُ عَلٰی جَمِیْعِ
الْاَنَامِ وَالصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلٰی جَسَدِهِ وَرَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ اَفْضَلِ الْاَنْبِیَاءِ وَاَقَامَ الْاَصْفِیَاءِ
اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ فَصَلِّ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَاَزْوَاجِهِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ
وَاٰصْحَابِهِ وَاَعْتَابِهِ وَاَسْرِهِ

مخدومی قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری پبشرشن حج ریاست پٹیاہ و مصنف
رحمۃ للعالمین کے نام نامی و اسم گرامی سے غالباً ملک کا پچھو پچھو واقف ہے کیونکہ آپ مشرقی
ہند کے وہ مایہ ناز و زندہ ہیں جنکی تاریخی خدمات پر ہم مدتوں نازاں رہیں گے اور دوسروں پر
بجا فخر کر سکیں گے۔

صاحب مدوح نے رحمۃ للعالمین کھکر تاریخی دنیا پر جو احسان عظیم کیا اور جس محنت شاقہ
سے یہ مواد ہتیا کر کے سیرت نبویہ میں ایک نئی طرح ڈالی اور نئی نئی معلومات ہم پہنچائیں اگر ہم
سب مل کر بھی اس کا شکر تہ ادا کریں تو رحمۃ للعالمین کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے
سا رحمۃ للعالمین ہی وہ ایک مقبول کتاب ہے جسے تاریخی حیثیت میں نہ صرف مستند مانا گیا بلکہ
اطراف عالم میں اسے قبولیت کا جامہ پہنا یا گیا اور منجانب اللہ اسے وہ شرف حاصل ہوا ہو
اب تک کسی اردو کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔

رحمۃ للعالمین ہی وہ کتاب ہے جسے جامع عثمانیہ دکن جامعہ غیبیہ بھاولپور دارالعلوم دیوبند
دارالعلوم ندوۃ العلماء بمبئیہ دہلی وغیرہ نے نصاب میں داخل کیا ہے اور قریباً تمام اسلامیہ لائبریری
سکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔

رحمۃ للعالمین ہی وہ کتاب ہے جسکی صحت و برتری کے بڑے بڑے عالم محدث مورخ اور فلاسفر
بھی قائل ہیں اور سب اہل علم اپنی اپنی لائبریریوں میں اس کا رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور دوسروں کو
بھی اس کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے ہیں۔

اسی رحمۃ للعالمین کے مصنف کی یہ ایک اور تاریخی کتاب ہے جو آپ کے پیش کی جا رہی ہے اور اسی سے آپ اسکی خوبیوں کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔

بزرگان دین کے یہ تاریخی حالات اگرچہ آج سے بہت عرصہ پہلے یعنی ۱۸۹۹ء میں اخبار وکیل کیلئے لکھے گئے جو وقتاً فوقتاً اس میں چھپتے رہے مگر کتابی صورت میں مدون ہو کر آج ہی شائع ہو رہے ہیں اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک نئی تاریخی چیز ہے جو صاحب ممدوح کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔ ۱۸۹۹ء میں جب منشی غلام محمد صاحب مرحوم مالک اخبار وکیل نے اپنے اخبار میں تصاویر کا سلسلہ شروع کیا تو قاضی صاحب نے انہیں لکھا کہ آپ تصاویر شائع نہ کریں اگر مضامین کی قلت ہو تو میں ہر ہفتہ مشاہیر اسلام کی سوانحیں لکھ کر بھیج دیا کرو لگا وہ چھاپے تاکہ قوم ان سے مستفیض ہو۔ منشی صاحب مرحوم نے قاضی صاحب کے مشورہ کو پسند فرمایا اور یہ سلسلہ اخبار میں شروع ہو گیا۔ جو ملک میں نہایت پسندیدگی و قبولیت کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔

اب جبکہ وکیل کا کوئی پرچہ بھی کسی کے پاس نہیں تو کارکنان مسلمان پٹی ہوئے یہ فوری سمجھا کہ جہاں تک جلد ممکن ہو سکے اس کو ہر بے بہا کو دستبرد زمانہ سے بچا کر کتابی صورت میں لانا چاہیے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محفوظ رہے چنانچہ وہ سب حالات جو اخبار کے لئے نہایت اختصار سے لکھے گئے تھے جمع کر لئے گئے اور چند مشاہیر کے مزید حالات لکھنے کیلئے قاضی صاحب موصوف سے درخواست کی گئی جو قبول ہوئی اور چنانچہ ہی دنوں میں یہ اچھی خاصی کتاب تیار ہو گئی۔ اس کتاب سے ملک و قوم کو جس قدر منفعت حاصل ہو گئی ہے وہ ظاہر ہے کیونکہ ہمیشہ قوموں کو بیدار و ہشیار کرنے کیلئے بزرگان قوم ہی کا تذکرہ کام آتا ہے اور یہ چیز انسانی فطرت میں کچھ اس طرح داخل ہو گئی ہے کہ اسے فطرت ثانیہ کہا جائے تو بجا ہے۔

قرآن کریم نے بھی اسی اصول کے ماتحت سابقہ اقوام اور انبیائے کرام کے حالات بیان کیے ہیں تاکہ مسلمان ان سے سبق و موعظت حاصل کریں اور اپنی زندگی کو بہتر بہتر بنانے کی کوشش کریں اس کتاب میں بھی اسی لئے بزرگان دین پیشوا یا ان ملت اور شاہان اسلام کے حالات جمع کئے گئے ہیں کہ قارئین کرام ان سے متمتع ہو سکیں انکی سوانح حیات سے سبق حاصل کریں اور انکے کارناموں پر بنظر امعان غور کریں۔

چونکہ انسان کی تعلیم و تربیت کیلئے بہترین ذریعہ خود اسی کے افراد جنس کے حالات ہو سکتے ہیں اور انسان کے سامنے انسانی زندگی ہی بہترین نمونہ انسانییت کا بن سکتی ہے اس لئے

اسلاف کے حالات اور تاریخ کا مطالعہ اور بھی بہانے لئے زیادہ ضروری ہے کہ ہم ان سے سبق لے کر اپنی زندگی سنوار سکیں۔

مشاہیر کے حالات جہاں پھیلی نسلوں کیلئے تذکرہ ہیں وہاں سبق حاصل کرنے والوں کیلئے تبصرہ بھی ہیں کہ وہ ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر غور کریں اور ان کے نشیب و فراز کو اچھی طرح دیکھیں پھر خذ ما صفا و دغ ما کدر کے اصول پر اچھی اچھی باتیں اخذ کر لیں اور ان پر عمل کی کوشش کریں کیونکہ قرآن حکیم نے بھی آیہ کریمہ ذِکْرُ لَکَ وِلِقَوْمِکَ مِنْ اِسی طرف اشارہ کیا ہے۔

پس آپ جب اس کتاب کا مطالعہ کریں تو کسی شخص کے حالات پڑھنے کے بعد کتاب بند کر کے چند منٹ تک غور فرمائیں کہ اس شخص کے حالات میں کونسی نئی بات معلوم ہوئی اگر یہ شخص صفا حمیدہ اور اوصاف جمیدہ کا مالک تھا تو کیا ان اوصاف کا کوئی حصہ مجھ میں بھی ہے؟ اور اگر اس میں کوئی ایسی عادت تھی جو قابل نفرت ہو اور جسے وقایع نگار نے نمایاں طور پر آشکار کر دیا ہو تو کیا وہی عادت خود مجھ پر بھی تو حکمران نہیں؟

امید ہے کہ اس تدبیر سے مکارم اخلاق کے حصول کا ایک جذبہ پیدا ہو جائے جو صحیح معنوں میں اخلاقی و روحانی ارتقا کا خضر راہ بن سکے یا اپنی قوت ارادی میں اتنی قوت و طاقت پیدا کرے کہ وہ عادت بد کا مقابلہ کر سکے اور یہی امر بالآخر تزکیہ نفس کا سبب اور تصفیہ قلب کا موجب ہو جائے۔

آج کل ناول نویسی اور ناول خوانی کا بڑا زور ہے بعض پڑھنے والے کسی ناول کو اخلاقی یا تاریخی سمجھ کر نیک نیتی سے اس کا مطالعہ مفید خیال کرتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ صاف دلوں کیلئے یہ کس قدر ضرر رساں ہیں!

ناول کی داستان کو سحر نگار مصنف حد درجہ مؤثر بنا نیکی سعی کرتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناول خواں کو واقعات صحیحہ اور تواریخ اہلیہ کے مطالعہ سے کچھ دلچسپی نہیں رہتی مذاق بگڑ جاتا ہے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے اور جذبات و احساسات انسانی پڑمردہ ہو جاتے ہیں اور یہ ایک ضرر عظیم ہے

ناول میں نیک و بد صفات کو ایسے مبالغہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ اہلی نیکی یا بدی کی کوئی قدر و قیمت یا اہمیت دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور پڑھنے والا محض خوش وقتی

کے طور پر دل لگی سمجھ کر زبان کے چٹخاؤں ہی میں رہ جاتا ہے۔
 مگر بحالات اس کے تاریخ کا مطالعہ ہر حیثیت سے مفید ہے کیونکہ وہ قومی روایات کا مجموعہ ہوتا
 ہے پس ناول چھوڑ کر ہمیشہ تاریخ پڑھو جو واقعات ہیں، حقائق ہیں اور ہماری ہی جیسے انسانوں کی
 زندگی کا آئینہ ہیں یہی حالات ہمارے لئے ایک بہترین واعظ ہیں اعلیٰ ترین شیریں اور
 کامل ترین استاد ہیں ہر انسان اپنے آپ کو اس نمونہ کے مطابق ترقی دے سکتا ہے اور اس کے
 مطالعہ ہی سے ہر بڑے نمونہ سے بچ سکتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے اور اسلاف کے حالات کو بغور پڑھنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہے
 کہ اپنے اسلاف کی ترقیات کا دور ہمارے سامنے آجاتا ہے اور ہمیں صحیح طور پر یہ اندازہ لگانے
 کا موقع مل جاتا ہے کہ ہم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے؟ وہ کونسے عیوب و نقائص میں جنکی
 بدولت ہمیں یہ روز بد دیکھنے پڑے؟ اور وہ کونسے اسباب و علل ہیں جو ہمارے اس نجات
 و افلاس کا موجب ہوئے۔

الغرض جب اس نقطہ نگاہ سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پھر خود بخود انسان ترقی کی طر
 قدم اٹھانے لگتا ہے اس کے مردہ جذبات زندہ ہو جاتے ہیں اس میں اسلامی روح کا روبرو
 ہو جاتی ہے اور اسکے سینہ میں قومی جوش موجزن ہو جاتا ہے۔
 خصوصاً جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ میرے اسلاف کی ترقی کا انحصار محض میثاق
 بنانی کے مطابق ایمان اور عمل صالح کی پابندی پر موقوف تھا اور اسی کی بدولت وہ دینی
 عزت اور دنیوی رفعت پر فائز المرام تھے اور آج ہماری مذلت کا سب سے بڑا باعث انہیں شروط
 کا فقدان ہے تو وہ اٹھتا ہے اس نقص اور کمی کو محسوس کرتا ہے خود اپنی اصلاح کرتا
 ہے اور دوسروں کی اصلاح کے درپے ہو جاتا ہے۔

پس یہ فوائد محض تاریخ کے مطالعہ اور اسلاف کے حالات پڑھنے ہی سے حاصل ہو سکتے
 ہیں اور اسی مقصد کو پورا کرنے کیلئے "تاریخ المشاہیر" شائع کی جا رہی ہے امید ہے آپ
 خود اس سے متمتع ہونگے اور دوسروں کو بھی ترغیب دلا کر اسکی اشاعت بڑھائینگے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَّشَاءُ إِلَى سَوَاءٍ السَّبِيلِ

مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی
 صاحب المدینہ اسلامیہ پبلسنگھ

لاہور، ۱۹۱۸ء

انور و علماء

امام ابو حنیفہ ثمان بن ثابت رحمہ اللہ علیہ

نسب | ثمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ بن

بیان کیا گیا ہے۔ کہ زوطی بنو تیمم اللعابین ثعلبہ کے مملوک تھے پھر آزاد ہوئے۔ لہذا بنو تیمم اللعابین ثعلبہ کے ساتھ انکو حق رولاج حاصل ہے۔

خطیب بغدادی نے اسی لئے حضرت امام کو ابو حنیفہ الثیمی کے پتہ سے معین کیا ہے۔
ثابت اسلام میں پیدا ہوئے۔ مگر ان کا سزا ولادت تاریخ میں نہیں ملتا بعض نے اس خاندان کا نکاس کابل بعض نے بابل بعض نے ترمذ بعض نے انبار سے بتایا ہے۔

ولادت و وفات | امام صاحب کی ولادت ۸۰ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔ اسی شہر میں آپ نے تکمیل علوم قرآنی منصفور عباسی نے ان کو حکماً کوفہ چھوڑنے

اور بغداد لہرنے پر مجبور کیا ۱۵۰ھ کو بمابہ رجب (بقول بعض بمابہ شعبان) انتقال فرمایا۔

استفاوہ و واقوہ | حاد بن سلیمان سے فقہ حاصل کی۔ عطاء بن ابی رباح اور ابو اسحق سبیعی
مخارب بن دثار۔ شیشم بن حبیب الصراف۔ محمد بن المنکدر۔ نافع مولیٰ عبد اللہ

ابن عمر اور ہشام بن عوفہ اور شاک بن حرب سے سماع حاصل کیا۔ ان سے روایت عبد احد
ابن مبارک اور وکیع بن الجراح اور قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ کرتے ہیں۔

اوصاف جسمانیہ | امام صاحب عالم۔ صاحب عمل۔ زاہد۔ عابد۔ صاحب ورع و تقویٰ تھے
خضوع خشوع الی اللہ کی حالت اکثر طاری رہتی تھی۔

انکار حکومت اور اہل علم | امام صاحب ابھی کوفہ ہی میں تھے کہ مروان بن محمد اموی کے
گورنر عراقین یزید بن عمرو بن ہبیرۃ الفزاری نے ان کو

قاضی بننے پر مجبور کیا۔ امام صاحب نے انکار کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ شو تازیانے دش

دس کے حساب لگائے جائیں۔ یہ سزا انہوں نے صبر کے ساتھ برداشت کر لی۔ مگر قہقہوں کو منظور نہ فرمایا۔

پھر جب حکومت عباسیہ قائم ہو گئی تو منصور عباسی نے اُن کو قاضی بنا نا چاہا۔ اور آپ نے انکار کر دیا۔ منصور نے حلفیہ کہا۔ کہ تم کو قاضی بنا پڑیگا۔ امام ابوحنیفہ نے بھی حلفیہ انکار کر دیا۔ منصور کا صاحب ربیع بن یونس تھا۔ اور اُسکی کچھ لاگ ڈانٹ امام صاحب سے ہتی تھی۔ وہ بولا ابوحنیفہ ہوش کرو۔ امیر المؤمنین بحلف فرماتے ہیں۔ اور تم پھر بھی انکار کئے جاتے ہو۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ ہاں امیر المؤمنین اپنی حلف کا کفارہ باسانی ادا فرما سکتے ہیں۔ مجھے غریب کو تو کفارہ دینا بھی مشکل ہے۔

ربیع کا بیان ہے۔ کہ دوران گفتگو میں منصور نے کہا تھا۔ کہ تم ہی اس منصب کیلئے شایاں ہو۔ امام صاحب نے کہا۔ ہرگز نہیں منصور بولا۔ کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا۔ لو اب تو آپ ہی نے فیصلہ کر دیا۔ جو شخص جھوٹا ہے وہ قاضی کیونکر بنایا جا سکتا ہے امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ربیع نے منصور سے کہا۔ کہ ابوحنیفہ تو آپکے جد بزرگوار عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مخالف ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حلف علی الیمین کا استثناء ایک دو روز کے بعد بھی جائز ہے۔ اور ابوحنیفہ کہتا ہے کہ نہیں استثناء ہو تو یمین کیساتھ ساتھ ہو۔ تاخیر کے بعد استثناء نہیں ہو سکتا۔ منصور نے ان کی طرف دیکھا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا۔ ربیع کہتا ہے۔ کہ اہل عساکر جو اقرار بیعت خلیفہ کے سامنے کرتے ہیں۔ اُسکی پابندی اُن پر واجب نہیں۔ منصور نے پوچھا۔ یہ کیونکر کہا اس لئے کہ حضور کے سامنے حلف کر لیا۔ اور گھر پہنچ کر انشاء اللہ کہہ لیا۔ منصور ہنس پڑا۔ کہا ربیع تم ابوحنیفہ سے چھینٹنے کیا کرو۔

ربیع نے دربار سے باہر نکل کر کہا۔ ابوحنیفہ آج تو تم نے مجھے قتل ہی کر دیا تھا۔ امام صاحب نے کہا۔ نہیں یہ ارادہ تو تمہارا تھا۔ میں نے اپنی جان بچائی۔ اور تمکو بھی بچایا۔ ایسا ہی واقعہ ابو العباس طوسی کیساتھ ہوں۔ وہ امام صاحب کا مخالف تھا۔ اس نے منصور کے سامنے پوچھا کہ اے ابوحنیفہ امیر المؤمنین ایک شخص کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔ جسکا بظاہر کوئی قصور نہیں۔ تمہاری اس بارہ میں کیا رائے ہے؟ امام نے کہا

کہ امیر المؤمنین کا حکم مبینی برحق ہوتا ہے یا مبینی بر باطل۔ طوسی کو کہنا پڑا۔ کہ مبینی برحق۔ امام نے کہا۔ پھر نقاذ حق کے متعلق تم کو سوال کی کیا ضرورت پڑی۔

عبد اشد بن رجاہ کہتے ہیں۔ کوفہ میں ایک شخص امام ابوحنیفہ کا ہمساہ تھا۔ دن کو دکان پر کام کرتا۔ رات کو شراب کباب اور راگ و سرود میں پورا کرتا۔ امام صاحب تہجد میں ہوتے اور وہ برابر چلایا کرتا۔ اور یہ شعر پڑھا کرتا۔

أَضَاعُونِي وَأَيْ فَنِي أَضَاعُوا لِيَوْمَ كِيَهْتِ قَسِيكًا دِيغَرِ

ایک رات امام صاحب کو اُسکی آواز نہ سنائی دی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ پو لیس میں گرفتار ہے۔ امام صاحب فوراً حاکم شہر کے پاس پہنچے۔ امیر نے امام کو دیکھا۔ تو خیر مقدم کیلئے چند افسر بھیجے۔ اور کہا کہ اُن کو تالیبِ فرخ سوار لانا وہیں چاہتا ہوں کہ اُنکا خچر میرے فرخ پر گامزن ہو۔

الغرض امام صاحب کے اس ادب و احترام کے بعد امیر نے تشریف آوری کیوجہ دریافت کی آپ نے اپنے ہمساہ کی گرفتاری کا حال سنایا۔ اور رہائی کی سفارش کی۔ امیر نے حکم دیا۔ کہ اُس رات جتنے ملازم گرفتار کئے گئے ہیں۔ سب کو چھوڑ دیا جائے۔ امام صاحب اس ہمساہ کو رہائی دلا کر گھر کو چلے۔ راہ میں پوچھا۔ کیوں بھائی ہم نے تجھے صنائع تو نہیں ہونے دیا۔ وہ بولا۔ جزاک اللہ۔ آپ نے مجھ جیسے گنہگار کو بچا لیا۔ بعد ازاں وہ اپنے افعال سے تائب ہو گیا۔ اور اُسکی حالت درست ہو گئی۔

جعفر بن ربیع کا قول ہے میں چند سال تک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لہرا۔ وہ بہت کم گو۔ اور سکوت پسند تھے۔

ابراہیم بن عکرمہ کہتے ہیں۔ میں نے ابوحنیفہؒ جیسا اورع و افقہ کوئی نہیں دیکھا۔ امام سفیان بن عیینہ کہتے ہیں۔ میں نے مکہ میں ابوحنیفہؒ سے زیادہ لفل پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ امام وکیع کہتے ہیں۔ ابوحنیفہؒ عظیم الامانہ تھے اور راہ خدا میں ہر چیز کے اشار پر تیار ہو جاتے تھے۔ سچ کے مقابلہ میں تلواروں کا نشانہ بن جانا اُن کو آسان تھا۔

عبد اشد بن مبارک نے ایک روز فرمایا۔ کہ ابوحنیفہؒ تو آت (نشان) تھے۔ ایک شخص

۱۲ لوگوں نے مجھ کو اُن سے کھو دیا اور کیسے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آیا۔ ۱۲ خادم

بولے۔ نیکی میں یا بدی میں؟ ابن المبارک نے فرمایا۔ چپ رہو۔ لفظ آیت کا استعمال شیر میں
 کیا جاتا ہے۔ اور لفظ غائت کا استعمال شیر میں ہوتا ہے۔ مجھے یہ آیت قرآنی بھی یاد نہیں
 وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً۔

مسعر بن کدام کہتے ہیں مجھے کوفہ کے صرف دو شخصوں پر حسد آتا ہے۔ فقہ میں ابو حنیفہ
 پر۔ اور زید میں حسن بن صالح پر۔

ابو نعیم کہتے ہیں۔ ابو حنیفہ خوب رو۔ خوش لباس۔ پاکیزہ نگہت۔ کثیر الکرام اور
 ہمدرد انسان تھے۔

قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں۔ ابو حنیفہ نہ بہت لالچے تھے نہ نالٹے تھے۔ ان کا قد
 درمیانہ تھا وہ خوش گو اور شیریں سخن تھے۔

روح بن عبادہ کہتے ہیں میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جب امام ابو حنیفہ کے
 انتقال کی خبر انکوئی سنتے ہی اِقَالَہ پڑھا۔ اور غمناک ہو گئے۔ اور پھر فرمایا۔ اے کیا
 علم اُٹھ گیا ہے؟

ابو یوسف بن عیاش کہتے ہیں۔ کہ سفیان ثوری کا بھائی مر گیا۔ ابو حنیفہ تشریت کے لئے
 آئے۔ سفیان نے آگے بڑھ کر ان کا اکرام کیا اور خود ان کے سامنے ہو کر بیٹھے۔ جب ابو حنیفہ
 چلے گئے۔ تو لوگوں نے کہا۔ آج تو آپ نے عجیب حرکت کی۔ انہوں نے کہا۔ کہ یہ شخص
 علم کے اونچے درجے پر ہے اچھا اگر میں ان کا اکرام بوجہ علم نہ کرتا۔ تو بوجہ سن تو ضرور کرتا۔ اور
 اگر سن و سال کا لحاظ بھی نہ کرتا۔ تو فقہ کا پاس تو ضرور کرتا۔ اور اگر فقہ کا پاس نہ کرتا تو ان کی
 ورع کا اکرام تو ضرور کرتا۔

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں۔ یمنے سفیان ثوری سے ذکر کیا کہ ابو حنیفہ غیبت سے
 کتنی دور ہیں۔ یمنے نہیں سنا۔ کہ انہوں نے کبھی کسی دشمن کی غیبت بھی کی ہو۔ وہ بولا
 ایسا دانشمند انسان اپنی نیکیوں کو کیونکر برباد کر سکتا ہے۔

دکھ فرماتے ہیں میں ایک روز ابو حنیفہ سے ملنے گیا۔ دیکھا سر بجیب و متفکر بیٹھے

نہیں۔ پھر سر اٹھایا۔ تو یہ شعر پڑھے۔

اِنَّ يَحْسَدُوْنِي قَائِي غَيْرِ لِيْهِمْ . تَبْلِيْ مِنَ النَّاسِ اَهْلُ الْفَضْلِ قَدْ حَسَدُوْا

۱۲۰۱۲ میں اپنے حاسدوں کو علامت نہیں کرتا اس لئے کہ مجھ سے پہلے بہت سے اہل فضل حسد کئے جا چکے ہیں۔

فَدَامَ لِي وَلَهُمْ مَا بِي وَمَا بِهِمْ وَمَاتَ أَكْثَرُ نَاغِيظًا يَبْدَأُ بِجِدِّهَا
 ایک روز ابن عاشر کے سامنے امام ابوحنیفہ کا ذکر ہوا غالباً انداز بیان کچھ شایان شان
 نہ تھا۔ تو انہوں نے یہ شعر پڑھ کر بتایا۔

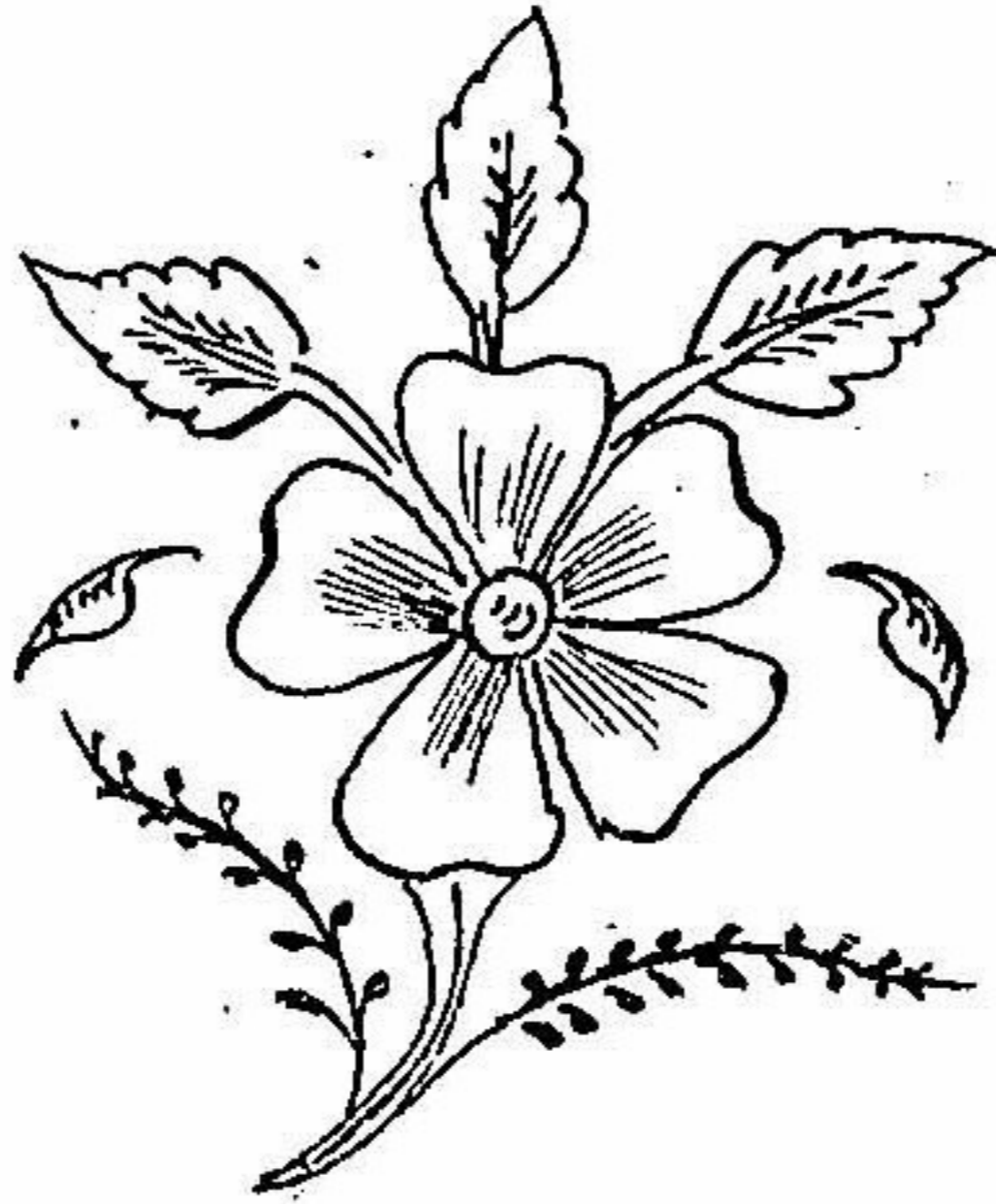
أَقْلُوا عَلَيكُمْ وَيَحْكُمُوا أَبَابَكُمْ
 مِنَ النَّوْمِ أَوْ سَدِّ الْمَكَانِ الَّذِي سَدُّوا

امام صاحب کی قبر پر تہہ الپ ارسال کے عہد میں ابو سعید خوارزمی وزیر سلطنت نے
 ۴۵۹ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ قبل ازیں قبر مبارک بالکل خام تھی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
 رحمۃً واسعةً

واضح ہو کہ الفاظ ذیل کو جملہ محدثین نے وضعی بیان کیا ہے۔
 جو بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کئے جاتے ہیں اِنَّ فِيْ اُمَّتِيْ رَجُلًا يُقَالُ
 لَهُ اَبُو حَنِيفَةَ هُوَ سِرَاجُ الْاُمَّةِ۔ خطیب بغدادی نے اس کے موضوع ہونے کو مشرحاً
 بیان کیا ہے۔ فقط

تاریخ ولادت و وفات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ابوحنیفہ زاد اندر سال نیک
 سال رحلت بہت محل بے بہا
 ۵۸۰
 ۱۵۰ھ



۱۵ میرے اور ان کے درمیان ہمیشہ کینہ کی آگ شعلہ زن رہی تا آنکہ اکثر اسی سبب سے مر گئے۔ خادم
 ۱۶ تھ ہو تم پر تم ایک دوسرے کو ملامت نہ کیا کرد وہ کام کر دو جو تم سے پہلے لوگوں نے کئے۔ خادم
 ۱۷ میری امت میں ایک شخص ہو گا جسے ابوحنیفہ کہیں گے وہ میری امت کا چراغ ہو گا۔ خادم

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ امام الجفر

مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عامر بن عمرو بن الحارث بن عیمان بن خثیل بن عمرو بن الحارث بن حریث ذی الصبح - اصبحی المدنی -

اپنی عبادت کثرت - آپ کا سلسلہ نسب یثرب بن قحطان سے جا ملتا ہے اور اس قبیلہ کے بزرگ زیادہ ترین پر مسلط و قابض ہیں۔

حجیمہ - لاناقد - سفید و سرخ - بزرگ سر - مقدم سر کے بال ندرت - ہنانت قیمتی اور صفات ایساں زیب تن فرمایا کرتے جلتی شارب (موتھونے کے منڈانے) کو ناپسند کرتے - سفید ریش کبھی رنگ نہیں لگایا۔

ولادت و وفات - ۹۰ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۰۰ھ میں اول ۱۷۹ھ میں وفات
اشی سال کی عمر پائی۔

اساتذہ - نافع مولیٰ ابن عمر - محمد بن المنکدر ابو الزبیر زہری - عبد اللہ بن دینار -
ابو حازم - ربیعۃ الراعی وغیرہم

تلامذہ (۱) امام شافعی (۲) امام ابن اعین (۳) امام عبد الرحمن بن مہدی (۴) امام سفیان ثوری (۵) اوزاعی (۶) امام عبد اللہ بن مبارک (۷) امام لیث بن سعد امام مصر (۸) ابن علیہ (۹) ابن

وہب (۱۰) ابراہیم بن ہیمن (۱۱) قصبی (۱۲) عبد اللہ بن یوسف (۱۳) عبد اللہ بن نافع (۱۴) امام
یحیی القطان (۱۵) معن بن عیسے (۱۶) عبد الرحمن بن القاسم (۱۷) ابو عاصم نبیل (۱۸) روح بن

عبادہ (۱۹) ولید بن مسلم (۲۰) ابو عامر عقدی (۲۱) یحییٰ بن یحییٰ (۲۲) یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر
(۲۳) امام عبد الرحمن العاقل امام اندلس - اور خلائق کثیر - کہ ہر ایک شاگرد بجائے خود اپنی اپنی جگہ

امام شمار ہوتا تھا۔ (۲۴) امام زہری جو ان کے فخر الاساتذہ میں سے ہیں۔ اور یحییٰ انصاری
جو امام مالک کے مشہور استاذ ہیں ان دونوں نے بھی امام مالک سے روایت حدیث کی ہے

الغرض جملہ ائمہ دین اور علمائے حدیث کا امام مالک کی امامت و جلالت اور سیادت و
تجلیل و توقیر اجماع ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ابن المدینی اور ابن معین کا متفقہ قول ہے کہ اصحاب زہری میں

سب سے زیادہ جتد امام مالکؒ ہیں۔

وہب بن خالد کہتے ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان کوئی شخص امام مالکؒ سے بڑھ کر

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مامون نہیں

صحیح ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے یُوْتِيكَ أَنْ تَضْرِبَ النَّاسَ رِبَاطَ الْمَطِيِّ فِي

طَلَبِ الْعِلْمِ فَلَا يَجِدُونَ عَالِمًا أَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِينَةِ (قال الترمذی حدیث

حسن) امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ اس حدیث کا مصداق امام مالکؒ بن انس ہے

تعظیم حدیث۔ امام معن بن عیسے کہتے ہیں کہ جب امام مالکؒ روایت حدیث کے

نشست فرمانے کا ارادہ کرتے تو غسل کرتے اور جسم و لباس کو غطر لگاتے۔ اور اگر ان کی

مجلس میں کوئی شخص بول اٹھتا تو یہ آت تلاوت فرمایا کرتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (رأى إيمان والوایا اپنی آواز

کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)

امام مالکؒ فرمایا کرتے کہ حدیث نبوی کے وقت بولنا گویا خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ساتھ چلا تے۔

رواۃ حدیث کے متعلق احتیاط۔ جبیب وراق کہتے ہیں میں نے امام مالکؒ سے تین اشخاص

کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ان سے کوئی روایت کیوں نہیں لی۔ امام صاحبؒ گردن جھکا کر

بیٹھ گئے پھر سر اٹھایا تو فرمایا۔ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

جبیب! میں نے اس مسجد نبوی میں ستر شیوخ ایسے دیکھے ہیں جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ

سے ملتے والے تھے۔ تابعین سے بھی روایت کرتے تھے۔ لیکن ہم حدیث کو اہل حدیث

ہی سے لیا کرتے ہیں۔

عبد اللہ بن یوسف نے خلف بن عمرو سے روایت کی ہے کہ میں امام مالکؒ کی خدمت

میں حاضر تھا۔ اتنے میں ابن کثیر قاری المدینہ آگئے اور انہوں نے امام کی خدمت میں

ایک رقعہ پیش کیا۔ امام مالکؒ نے رقعہ پڑھا۔ اور جانماز کے نیچے رکھ دیا۔ لوگ روانہ ہو گئے

تو میں نے بھی چلنے کا ارادہ کیا۔ فرمایا۔ خلف تم ذرا اٹھو۔ پھر وہ رقعہ مجھے نکال کر دیا۔ اس

15 ایک زمانہ ایسا آیا کہ لوگ دور دراز سے سفر کر کے مدینہ طیبہ میں آتے تھے اور یہیں سے دین لے لیتے تھے

کیونکہ مدینہ سے بڑھ کر زیادہ عالم اور کہیں نہ ہوگا۔ ظہم

میں لکھا ہوا تھا۔

”یعنی خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا گیا کہ آپ رسول اللہ میں حضور بیٹھے ہوئے ہیں اور حضور کے سامنے بہت ہجوم ہے۔ کوئی عرض کر رہا ہے یا رسول اللہ مجھے کچھ عنایت ہو جائے۔ کوئی کہہ رہا ہے حضور میرے لئے بھی کچھ حکم ہو جائے۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ ”یعنی اپنے منبر کے تلے بہت بڑا خزانہ جمع کر دیا ہے اور میں مالک کو حکم دیدیا ہے کہ وہ تم کو تقسیم کر دے۔ اب تم مالک کے پاس جاؤ۔ لوگ حضور کے سامنے کسے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کہہ رہا ہے۔ مالک دیکھیں کیا کرے گا۔ کوئی کہہ رہا ہے کہ جو حکم نبوی ہے اسی کی تعمیل کریگا“

امام مالک رقعہ پڑھے جانے کے بعد رونے لگے۔ وہ روتے ہی رہے اور میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔

قعنبی کہتے ہیں کہ میں حماد بن زید امام بصرہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ جب ان کو امام مالک کی خبر وفات ملی۔ وہ بولے۔ اللہ تعالیٰ مالک پر رحم فرمائے وہ اپنی نظیر نہیں چھوڑ گئے۔ ابن وہب کہتے ہیں۔ امام مالک کی ہمیشہ سے دریافت کیا گیا کہ مالک کا شغل گھر میں کیا ہوتا ہے۔ کہا ”تلاوت قرآن“۔

محمد بن رُحیم کہتے ہیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور عرض کیا کہ بعض مسئلہ میں مالک اور لیت کا اختلاف ہوتا ہے۔ وہاں کیا کیا جائے فرمایا

مَا لَكَ - مَا لَكَ - مَا لَكَ دَرَجَتِي يَحْنِي اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ - یعنی میرے دادا ابراہیم علیہ السلام کا ورثہ مالک کو مالک کو مالک کو ملا ہے۔

بکر کہتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بہشت میں داخل ہو گیا ہوں۔ مجھے وہاں اوزاعی اور سفیان ثوری ملے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مالک کہاں ہیں۔ دونوں بولے مالک کہاں۔ مالک تو بہت بلندی پر ہیں۔ مالک کہاں۔ وہ تو بہت اونچے ہیں۔ مالک کہاں ہیں۔ وہ تو اٹھلے گئے ہیں۔ اوپر کو اشارہ کرتے کرتے انکی ٹوپیاں بھی گر گئیں۔

رولقی نے اپنی کتاب سبیل السنۃ المشرقہ میں لکھا ہے کہ مالک کے اساتذہ میں تین سوتالیسی۔ اور چھ شیعہ تابعین ہیں۔ پھر انہوں نے روایت انہی لوگوں سے کی ہے جو بصرہ میں زیادہ برگزیدہ اور بشرط روایت کے زیادہ پابند اور فقہ والے تھے۔

اہستاء و محن۔ طلاق ٹکرہ کے بائے میں امام مالکؒ کا فتویٰ حاکم مدینہ کی مرضی کے خلاف تھا۔ حاکم نے ان کو گرفتار کیا۔ اور سٹر کوڑے لگوائے۔ اور اونٹ پر بٹھلا کر ان کی تشہیر کرائی۔ اور ان کے دونوں بازوؤں کو اتنا کھینچوایا کہ دونوں ہاتھ موڑتے سے اتر گئے۔ اس کے بعد وہ نماز میں ہاتھ نہ پاندہ سکتے تھے۔ ابن جوزی نے اس واقعہ کو ۱۳۷ھ کا بتایا ہے اس وقت امام کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

ابو محمد جعفر بن احمد بن حسین سراج نے ان کی وفات پر اشعار ذیل میں دردِ دل کا اظہار کیا ہے۔

سقی جدنا ضم البقیع لما لك	من المزن مرعا والسحاب مبراق
امام موطاہ الذی طبقت به	اقالیم فی الدنیا فاساح و افاق
اقام به شرع النبی محمد	لہ حذر من ان یضام و اشفاق
لہ سند عال صحیح و ہیبتہ	فلنکل منہ حین یروید اطراق
و اصحاب صدق کلہم علم فضل	بہم انہم ان انت ساءت حذاق
ولو لم یکن الا ابن ادریس و جدہ	کفاه الا ان السعادة اس راق

تاریخ ولادت و وفات امام مالک رحمہ اللہ

مالک زیدہ عباد امام	از جہاں رفت و یافت مطلق نام
۹۵ھ	۱۴۹ھ

دیگر

آئیکہ الدین بہت میلادش	مالک ست آن امام حق آئیں
۹۵ھ	۱۴۹ھ



امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی رحمہ اللہ علیہ

سلسلہ نسب - محمد بن ادریس نام - اور ابو عبد اللہ کنیت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے -
 محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شاذان بن سائب بن عبید بن عبد بن یزید بن ہاشم
 بن مطلب بن عبد مناف القرشی المطلبی الشافعی الحجازی الملکی۔

ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد مناف میں شامل ہو جاتا ہے
 اور صحیح بخاری میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ ارشاد نبوی موجود ہے اِنَّمَا بُنِيَ
 الْمَطْلَبُ وَبَنُو هَاشِمٍ هُنَا وَفَا حِدًا مَطْلَبِي اور ہاشمی دو نو ایک ہی چیز ہیں۔
 آپ کی والدہ مکرمہ قبیلہ ازد سے ہیں۔ ترمذی میں بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ ارشاد
 نبوی موجود ہے اَلْاَزْدُ اَسْرُنَا اللهُ فِي الْاَرْضِ نِسْرٍ۔ نیز ترمذی میں بروایت ابی ہریرہ یہ لفظ بھی ارشاد
 نبوی سے ہیں وَالْاِمَانَةُ فِي الْاَزْدِ اِنْ رَوَايَاتٍ سے ثابت ہے کہ امام شافعی شرافت حسب
 و نسب میں درجہ اول پر ہیں۔

ولادت و وفات۔ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اسی سال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا
 انتقال ہوا تھا۔ لوگوں نے میثاق سے کہا ہے کہ ہر دو آدمہ کا یوم ولادت و یوم وفات ایک ہی
 تھا۔ امام بیہقی نے اسے باطل بتلایا ہے۔ ایام حمل میں ان کی والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے
 شکم سے مشتری پیدا ہوا ہے۔

ارض مقدسہ کے شہر غزہ (یا عسقلان) میں پیدا ہوئے۔ اور دو سال کے تھے جب مکہ مکرمہ میں
 لائے گئے۔ ۲ سال کی عمر تھی جب مصر میں ۳۰ رجب ۲۰۴ھ کو بعد نماز مغرب شب جمعہ
 کو وفات پائی اور بروز جمعہ بعد عصر مدفون ہوئے۔ اَللّٰهُمَّ اَرْقُ دَرَجَتَهُ وَاَدْخِلْهُ فِي عِبَادِكَ
 الصَّالِحِيْنَ

امام ربیع کا قول ہے کہ میں نے اسی شب خواب میں دیکھا کہ آدم علیہ السلام کا انتقال
 ہو گیا۔ مجھے تعبیر یہ بتلانی گئی کہ دنیا کے سب سے بڑے عالم کا انتقال ہو گا۔ کچھ مدت
 کے بعد ہم کو خبر مل گئی کہ امام شافعی فوت ہو گئے۔ معبر نے وجہ تعبیر اس آیت کریمہ کو
 بتلایا تھا۔ اَعْلَمَ اَدَمَ مَا لَاسْمَاءُ كَلِمًا

تعلیم ادب ایام العرب و شہر بچپن سے نکلتے ہی امام شافعی نے علم ادب اور ایام العرب اور شکر کی طرقت میلان خاطر کا اظہار کیا۔ بعد ازاں مسلم بن خالد زنجی امام مکہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل فقہ میں مصروف ہو گئے۔ بعد ازاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچے اور وقت انکی عمر ۳۳ سال کی تھی۔ اور کتاب موطا کو انہوں نے مکہ ہی میں حفظ کر لیا۔ فقہ امام مالک ان کے علم و فہم و علو نسب کی وجہ سے ان کی خاص عزت فرمایا کرتے تھے۔ امام مالک سے تکمیل کے بعد وہ یمن تشریف لیگئے۔ اور وہاں لوگ ان کے علوم سے بہت مستفیض ہوئے۔ یمن سے وہ عراق میں پہنچے اور وہاں امام محمد بن حسن سے وہ مشہور مناظرات کئے جو کتب شافعیہ میں تفصیلاً موجود ہیں۔

عراق میں عبد الرحمن بن مہدی امام الحدیث کی درخواست پر انہوں نے علم اصول پر ایک کتاب لکھی جس کا نام الرسالۃ ہے۔ ائمہ اہل عصر اس کتاب کو پڑھا کرتے اور حیرت و سرت سے معمور ہو جاتے۔

مزنی کہتے ہیں۔ میں نے اس کتاب کو پانسو بار پڑھا ہے اور ہر دفعہ فائدہ جدیدہ حاصل کیا ہے۔ جن دنوں امام شافعی عراق میں ٹہرے ہوئے تھے اپنی ایام میں ان کی جدالت شان اور امامت فی العلم مسلمہ ہو گئی۔ لوگ اپنے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر اتباع شافعی کرنے لگے اور جملہ اساتذہ کو چھوڑ کر انہی کے حلقہ درس میں حاضر ہونے لگے۔

انہوں نے اپنی مشہور کتاب الحجۃ بھی عراق ہی میں تصنیف کی جسے احمد بن حنبل اور ابو ثور اور زعفرانی اور کرابیسی روایت کرتے ہیں۔ ۱۹۹ء میں امام شافعی مصر جا پہنچے اور وہیں انہوں نے مذہب تحقیق جدید کی کتب کو قلم بند کیا۔ اصول الفقہ۔ کتاب القسام کتاب الجزیہ۔ کتاب قتال اهل البغی بھی مصر ہی میں تصنیف فرمائیں۔

ان دنوں امام شافعی کی شہرت بدرتالباں کی طرح عالم اسلام پر نور افکن تھی۔ شام و یمن اور عراق اور جملہ نواحی و امصار کے علماء انکی خدمت میں مبصر پہنچ رہے تھے۔

سیلمان بن ربیع کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے شمار کیا کہ امام شافعی کے دروازے پر ۹۰۰ سواریاں اہل علم کی موجود تھیں۔

مختصر احوال شافعی۔ یہ آغوش مادر ہی میں تھے کہ یتیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ابجد العلوم کا در یتیم بنا دیا۔

یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں سب سے پیشتر کتاب لکھی۔
یہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے حذاق متقین سے مناظرے کئے۔ اور ائمہ میرزین کی نصیحت
پر بغور دیکھا۔ مذاہب متقدمین کی تنقید کی۔ اور پھر ایک ایسا طریقہ جامعہ کتاب و سنت اور اجماع
و قیاس کے متعلق ملخص کیا جو ان سے پیشتر نامعلوم تھا۔ استنباط کتاب و سنت میں ان کا درجہ
بہت بلند ہے اور نسخ و منسوخ حدیث میں ان کا علم کامل ہے۔ مجمل و مبین اور خاص و عام وغیر
تقائیم خطاب میں انہوں نے ایسے ایسے عوارف بیان کئے جسے پہلے بیان نہ کیا گیا تھا۔
لغت نحو و ادب کی امامت۔ عبد الملک بن ہشام کا ہولخت و نحو میں امام عصر تسلیم کئے گئے
ہیں۔ قول ہے کہ الشافعی حجة في اللغة۔

ابن ہشام مشکلات لغت کا حل امام شافعی ہی سے کیا کرتے تھے۔
ابو عبید امام لغت کہتے ہیں شافعی ان بزرگوں میں سے ہیں جن سے لغت سیکھنا چاہیے۔
ایوب بن سوید امام لغت کہا کرتے کہ لغت شافعی سے سیکھو۔
ابو عثمان مازنی کہتے ہیں کہ شافعی نحو میں حجت ہیں۔
اشعری کہتے ہیں کہ شعرائے ہزلیں کے اشعار کی صحت میں نے محمد بن ادریس (الشافعی) سے
کی تھی۔ جب وہ مکہ میں بچہ ہی تھے۔
محمد بن عبد اللہ بن عبد احکم کہتے ہیں میں نے شافعی سے سنا کہ ان کو ۳۰۰ شعرائے
قدیم کے اشعار یاد ہیں۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں اشعار ہذیل اور ان کے ایام و وقائع کا علم میں نے اپنے چچا مصعب سے
سیکھا تھا اور کہتے تھے کہ میں نے یہ شافعی سے سیکھے تھے اور یہ سب انکو زبانی یاد تھے
فقہ و حدیث میں امامت۔ محمد بن حسن (تلمیذ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں الحدیث
اب شافعی کی زبان سے بولنے لگے ہیں۔

حسن بن محمد عفرانی کہتے ہیں اصحاب حدیث خواب میں تھے شافعی انکو بیدار کیا۔
امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ جو کوئی شخص قلم و دوات ہاتھ میں لیتا ہے اُسکی گردن پر
شافعی کا بار منت ہے۔

امام شافعی ۵۰ سال کے تھے جب ان کے استاد امام و مفتی اہل مکہ مسلم بن خالد نے کہہ دیا تھا
کہ ابو عبید اللہ اب تم فتویٰ دیا کرو۔ بخدا کہ تم فتویٰ دینے کے قابل ہو گئے ہو۔

صحابہ ائدیت و اہل الحدیث کا لقب متبحرین پر امام شافعی ہی کے عہد میں اشاعت پذیر ہوا
عراق میں امام شافعی کا لقب "ناصر الحدیث" مسلم تھا۔

آمام نووی کہتے ہیں کہ حدیث شریف ان عالم کونیش یمنہ طباقی الارض بلکہا کا مسعد
مستقدمین و متاخرین نے امام شافعی ہی کو بتایا ہے

ابو نعیم نے تفصیل کیساتھ حدیث بالا کو امام شافعی پر منطبق کیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے
کہ امام احمد بن حنبل کا مذہب بھی اس حدیث کے مطابقت میں تھا۔

آمام الامم ابن خزیمہ سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی ایسی بھی سنت صحیحہ ہے جس کا ذکر شافعی نے
اپنی تصنیفات میں کیا ہوا ہوں۔ نہ جواب دیا نہیں

سخاوت شافعی۔ حمیدی کہتے ہیں۔ شافعی ہمسایہ سے کہ میں آئے تو ان کے پاس دس
ہزار دینار تھے۔ انہوں نے مکہ سے باہر اپنا خیمہ لگایا۔ اور باب حاجات جلتے تھے۔ اور سب

مراد لیکر آتے تھے۔ الفرض شہر میں اس وقت داخل ہوتے جب کل رقم صرف ہو گئی
بوٹی کہتے ہیں زبیدہ خاتون امام شافعی کیلئے بڑی بڑی قیمت کے خلعت مسریر بھیجا

کرتی تھی اور شافعی ان کو تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔
تبع کہتے ہیں امام شافعی بازار میں سوار چلے جا رہے تھے ہاتھ سے چابک گر گیا۔ ایک شخص

نے اٹھایا۔ گروسے صاف کیا اور امام کو دیدیا۔ شافعی نے نوکر سے فرمایا۔ جتنے روپیہ تیرے ساتھیوں
وہا سے دیدے۔

ابوسعید کہتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا میں نے ایک لونڈی خرید لی ہے جو کھانا عمدہ تیار کرتی ہے
شیرینی بناتی ہے۔ تمہارا جی بس پیڑ کے کھانا نیکو چاہے۔ فرمائش کر دیا کرو۔

مناقب شافعی۔ امام ابو ثور کہتے ہیں اگر کسی کا دونوں ہونے ہو کہ اس نے محمد بن اور یس بیسا علم
و فصاحت اور معرفت و ثبات و فہم میں کوئی دوسرا شخص کسی دیکھا ہے تو وہ بھوٹا ہے۔

ابوعبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ شافعی اسے بڑھ کر میں نے کوئی مکمل شخص نہیں دیکھا۔
امام احمد بن حنبل کے فرزند عبد اللہ کہتے ہیں میں نے والد بزرگوار سے پوچھا تھا کہ شافعی کیسا

شخص تھا جس کے لئے آپ ہر نماز میں دعا کرتے ہیں۔ فرمایا امام شافعی کی مثال نور شید اور
صحت جیسی ہے کیا کوئی ان دونوں سے بڑھ کر ہو سکتا ہے۔ یا ان دونوں کا کچھ بدل ہی ہے۔

توسانیف کتاب الامم۔ پندرہ جلدوں میں ہے۔ (۲) جامع کبیر مزی۔ (۳) جامع صغیر مزی

- (۱) مختصر بیچ (۵) مختصر بولسپی (۶) کتاب الحرفہ (۷) کتاب الحجۃ (۸) الرسالہ (۹) الامالی (۱۰) الاما
 (۱۱) مسند شافعی وغیرہ۔ اور بہت سی کتابیں ہیں۔ قاضی الامام ابو محمد حسن بن محمد فرزدی نے انکی
 تعداد ۱۱۳ بتلائی ہے۔ یہ کتابیں تفسیر حدیث فقہ وادب اور تاریخ پر مشتمل ہیں
- اقوال و اشارات۔ انما ناولہ سے طلب علم بہتر ہے۔
- ۲۔ جو شخص طالب دنیا ہے اُسے بھی علم سیکھنا چاہیے اور جو شخص خواہاں آخرت ہے اُسے بھی
 علم سیکھنا چاہیے۔
- ۳۔ اوائے فرائض کے بعد قرب الہی کے حصول کا سب سے افضل طریقہ تحصیل علم ہے۔
- ۴۔ علم کا مزہ اُس کو آتا ہے جس نے تنگدستی میں علم سیکھا ہو۔ فرمایا۔ طالب علمی میں میری یہ حالت
 تھی کہ مجھے کاغذ بمشکل دستیاب ہوا کرتا۔
- ۵۔ طالب علم کو گہرے فکر و وقت ہم سے علم سیکھنا چاہیے تاکہ علم کی باریک باریکی کو مزے محروم
 نہ ہو۔ جو شخص محبت علم نہیں اُسے دوست مت بناؤ۔
- ۶۔ علم کی زینت فصیح اور علم ہیں۔
- ۸۔ عالم کیلئے سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے جس شے سے زہد کا حکم دیا۔ وہ اُسکا
 راعتیب ہو۔ اور جس شے سے رغبت کا حکم دیا وہ اسی میں زہد کرے۔
- ۹۔ علماء کا فقر اختیاری ہوتا ہے اور جہاں کی تنگدستی اضطراری ہوتی ہے۔
- ۱۰۔ علم میں نمود و ریاء کا نتیجہ سنگدلی اور کینہ توڑی ہے۔
- ۱۱۔ افسوس۔ لوگ اس سورہ قرآنیہ سے کس قدر بے خبر ہیں۔ وَالْأَعْرَابُ أَكَلَتْ لُحْمًا عُثْرِيًّا۔
- ۱۲۔ کہا کرتے تھے میں نے غسل جمعہ بھی ترک نہیں کیا سفر ہوا حضر۔
- ۱۳۔ کہا کرتے ہیں اشدکی قسم کبھی نہیں کھائی نہ پتی نہ بھوئی۔
- ۱۴۔ کہا کرتے کہ ۶ سال سے میں نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ ایک روایت میں اسل کا لفظ ہے
- ۱۵۔ فرمایا کرتے زائد از ضرورت دنیا کی تلاش ایک عذاب ہے جو اہل توحید پر دنیا میں مسلط کیا جاتا ہے۔
- ۱۶۔ جس پر محبت دنیا غالب ہے وہ اہل دنیا کا غلام ہے۔
- ۱۷۔ اُن سے پوچھا گیا کہ آپ ابھی مضبوط ہیں پھر ہر وقت عصا لیکر کیوں چلتے ہیں فرمایا
 اس لئے کہ یاد ہے کہ میں مسافر ہوں۔
- ۱۸۔ فرمایا دنیا و آخرت کی پہنودی ان پنجگانہ خصال میں ہے (۱) استغناء نفس (۲) ایذا رسانی سے

نفرت (۳) کسب جلال (۴) لزوم تقویٰ (۵) جملہ حالات میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد۔

۱۹۔ فرمایا۔ ناداری و تنگدستی سے میں کبھی پریشان نہیں ہوا

۲۰۔ ربیع کو بطور نصیحت فرمایا۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو روشن فرمادے تو اسے لازم ہے کہ (الف) غیر ضروری گفتگو سے بچا کرے (ب) معاصی سے دور رہے۔ (ج) کوئی ایسا عمل کیا کرے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو نہ ہو۔

۲۱۔ غیر ضروری کلام سے بچو۔ تکلم کے بعد تمہاری گفتگو تمہاری مالک بن جاتی ہے پہلے وہ تمہاری مملوک تھی۔

۲۲۔ تم اپنی مساعی سے سب کو خوش نہیں کر سکتے لہذا عمل میں صرف اخلاص کے خواہاں رہو۔

۲۳۔ انسان کی تادیب و تربیت و خوشی کی تادیب و تربیت سے زیادہ کٹھن ہے۔

۲۴۔ عاقل وہ ہے جسکی عقل اسے فعل مذموم سے روک لے۔

۲۵۔ اگر میں آجکل بھی شعر کہتا کرتا تو مروّت کا مرثیہ لکھتا۔

۲۶۔ مروّت کے اربعہ عناصر یہ ہیں (۱) حسن الخلق (۲) سخا (۳) تواضع (۴) ایثار

۲۷۔ دنیا میں انسان صرف چار خصائل سے مکمل ہو سکتا ہے دیانت۔ امانت۔ صفیانت۔ رزانت

۲۸۔ چالیس سال سے میں شادی شدہ لوگوں سے تزویج پر انکی زائے دریافت کرتا رہا۔

سب کو شاکلی ہی پایا۔

۲۹۔ صداقت محبت یہ ہے کہ عذر قبول کیا کرو۔ بوقت حاجت اس کی مدد کیا کرو۔ اور اسکی

تغزٹوں پر خاک ڈال دو۔

۳۰۔ محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ پیارے کا پیارا بھی تمکو پیارا ہو۔

۳۱۔ اجباب دلی کی مصاحبت کے برابر کوئی خوشی نہیں اور انکے فراق کے برابر کوئی الم نہیں۔

۳۲۔ وثوق محبت کی بنیاد پر کسی دوست کا حق ادا کرنے میں تقصیر نہ کیا کرو۔

۳۳۔ احسان کرنا اللہ کے قیدی بنانا ہے اور جفا کرنے والا اللہ کے آزاد چھوڑتا ہے۔

۳۴۔ جو کوئی تیرے پاس دوسرے کی غیبت کرتا ہے وہ تیری غیبت دوسرے کے پاس کرے گا

امام کے اصل لفظ کہتے مختصر اور فصیح ہیں۔ مَنْ تَمَّ لَكَ نَمَّ بِكَ۔

سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کا ترجمہ کیا ہے۔ ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمر دے بیگراں

عیب تو پیش دگراں خواہد بُرد۔

- ۳۶۶۔ تو اس قسم سے محبت پیدا ہوتی ہے اور قضا عت سے راحت ملتی ہے۔
- ۳۶۷۔ زاہد دینا اور راعب آخرت بن کر رہو۔ تم بھی نجات یافتہ لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے۔
- ۳۶۸۔ خندہ روئی سے بڑے لوگ بھی مسما حب بنتے ہیں اور ترش روئی سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ لہذا درمیانی حالت بہتر ہے۔
- ۳۶۹۔ بیحیا کی محبت قیامت کے دن باعث تنگ و عار ہوگی۔
- ۳۷۰۔ تکمیل ایمان کا حصہ تین امور پر ہے (۱) امر بالمعروف اور خود بھی اس پر عمل کرنا (۲) نہی عن المنکر اور خود بھی بچے رہنا (۳) حدود الہی کی نگہداشت۔
- ۳۷۱۔ استحقاق سے بڑھ کر کسی کی عزت کرنا خود اپنے آپ کو اتنا ہی گرا لینا ہے۔
- ۳۷۲۔ شرفاء سے میل جول رکھو۔ شریف سمجھے جاؤ گے کینہ لوگوں سے مت ملو کینہ سمجھے جاؤ گے۔
- ۳۷۳۔ کان لگا کر اچھی بات سننے والا صاحبی بن جاتا ہے (یعنی دوہرا کئے کا اہل ہو جاتا ہے) اور دل لگا کر بات سننے والا داغی بن جاتا ہے (بات کو دلفزین کر لیتا ہے) سنی بات پر عمل کرنا والا ہادی بن جاتا ہے۔
- ۳۷۴۔ بلند قدر وہ ہے جو آپ اپنے کو اونچا نہ کہنے اور اہل فضل وہ ہے جو اپنی فضیلت پر نہ اترے۔
- ۳۷۵۔ اخلاق جمیلہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسرے کے پاس کسی درمانہ کی سفارش کر دیا کرو۔
- ۳۷۶۔ کسی کی خطا پر مت ہنسو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کو خطا سے بچائیگا۔
- ۳۷۷۔ بڑی ذلت کسی شریف کا کینہ کے سامنے ذلیل بننا ہے یا مرد کا عورت کے سامنے اس کا مال اڑانے کیلئے گرا کر اٹلے۔
- ۳۷۸۔ اگر قاضی فقہہ نہیں تو وہ چور ہے۔
- ۳۷۹۔ مردانگی احرار کا زیور ہے۔
- ۵۰۔ بطلان کو اپنی زینت بناؤ الا جلد رسوا و خوار ہو جاتا ہے۔
- ۵۱۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سچ سمجھنے والا ہی نجات پاتا ہے اور دین کی حفاظت کرنا والا ہی بیداری سے بچ سکتا ہے۔
- ۵۲۔ عمل کثیر چاہیے اور اہل قصیر۔
- ۵۳۔ رزق الہی پر راضی رہو۔
- ۵۴۔ اپنے دل کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب لگائے رکھو۔

امام تمام کے سنین عمر کے برابر ۵۴۰ اقوال لکھ کر اقتصار کرتا ہوں۔

نمونہ کلام شافعی

ان الذی رزق البسار ولہ یعب
 اجدیدی کل امر شاسع
 واذا سمعت بان مجد وداحوی
 واذا سمعت بان محروما اتی
 لوکان باخیل الغنی لوجدتی
 لکن من رزق الحجامم الغنی
 ومن الدلیل علی القضاء وکونه
 حمدک ولا اجرا لغیر موفق
 واجد یفتقر کل باب منخلق
 عودا فاشهرنی ید یہ فصدق
 عام یشربہ ففاض فحقق
 بنجوم قطار السماء تعلقی
 صدان مفترقان ای تفرق
 یؤسن اللیب طیب عیش الحق

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ ابو بکر محمد بن درید صاحب المقصورہ نے ان کی وفات پر قصیدہ لکھا تھا۔ چند اشعار یہ ہیں۔

الم تر آثار ابن ادریس بعدہ
 معالہ یفنی الدہر وہی خوالد
 منا لہج فیہا للہدی متصرف
 وعول فی احکامہ وقضائہ
 فمن ینک علم الشافعی امامہ
 سلام علی قبر تظہن جسمہ
 لئن فجتنا الحادثات بشخصہ
 فاحکامہ فینا بد ودر اھر
 دلہا فی المشکلات توامع
 وتنخفض الاعلام وہی نوارع
 سوار د فیہا للرشاد شرانع
 علی ما قضی فی العجم والحق تامع
 فمرآعہ فی ساحتہ العلم واسع
 وجادات علیہ المدجنات الطوامع
 بہن لما جکمن فیہ نواجع
 واثارہ فینا بنجوم طوالع

امام شافعی شہسوار سی نیزہ بازی قادر اندازی نشانہ بازی تیرا لگتی۔ تیغ رانی میں یہ طولی رکھتے تھے۔ حدیث صحیح کے اتنے شیدا کہ احمد بن حنبل وغیرہ تلامذہ سے فرمایا کرتے کہ جب تم کو کوئی حدیث صحیح مل جائے تو مجھے مطلع کر دیا کرو۔

امام شافعی کی یہ دعا حاقہ ارباب دل میں بہت معتبر و مجرب ہے۔ اللہم یا لطیف اسدک

اللطف فی ما جزت یہ المقادیر فقط۔ تاریخ ولادت و وفات

از جہاں رفت و مقام پاک یافت
 کو کب ایمان محمد شافعی

امام احمد بن حنبل الشیبانی المرزوی

سلسلہ نسب: احمد بن محمد بن حنبل نام ابو عبد اللہ کنیت۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے ابو عبد اللہ
 احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبد اللہ بن حیان بن عبد اللہ بن انس بن
 عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن زہل بن ثعلبہ بن عطایہ بن صععب بن علی بن بکر بن وائل
 بن قاسط بن بھسب بن اقصی بن عجمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن زہاد بن معمر بن عبد مناف
 الشیبانی المرزوی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ شکم مادر میں تھے جب انکی والدہ مرو سے بغداد پہنچیں۔ بغداد ہی میں بمابہ ربیع الاول ۲۴۱ھ
 کو پیدا ہوئے۔ اور ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو جمعہ کے دن دوپہر کی وقت بغداد میں ہی انتقال فرمایا۔
 ان کا شمار اصحاب اور خواص شافعی میں ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ جب بغداد سے مصر کو روانہ
 ہونے لگے تو فرمایا کہ بغداد میں احمد بن حنبل سے بڑھ کر تقویٰ اور فقیہ میں کوئی نہیں۔ علم دین
 کیلئے مکہ مدینہ شام و تین کوفہ و بصرہ اور جزیرہ کا سفر کیا۔ اور علم حدیث کا ذخیرہ کامل جمع فرمایا
 حتیٰ کہ ایک لاکھ حدیث نوک زبان تھی۔

مشہور اساتذہ۔ امام سفیان بن عیینہ (۲) ابراہیم بن سعد (۳) یحیی القطان (۴) ہشیم
 (۵) دکیج (۶) ابن مہدی (۷) ابن علیہ (۸) عبد الرزاق بن ہمام۔

مشہور تلامذہ۔ (۱) عبد الرزاق بن ہمام جو استاد بھی ہیں۔ (۲) ابن مہدی یہ بھی استاد
 ہیں (۳) یحیی بن آدم (۴) ابو الولید (۵) یزید بن ہارون (۶) علی بن المدینی (۷) امام بخاری (۸)
 امام مسلم (۹) امام ابو داؤد (۱۰) امام ذہبی (۱۱) ابو زرعة رازی (۱۲) ابو زرعة دمشقی (۱۳) ابراہیم الحزنی
 (۱۴) ابو بکر احمد بن محمد بن ہانی الطائی (۱۵) امام بقوی (۱۶) ابن ابی الدنیا (۱۷) محمد بن اسحاق الصاعقلی
 (۱۸) ابو حاتم الرازی (۱۹) احمد بن ابی الحوار (۲۰) موسیٰ بن ہارون (۲۱) حنبل بن اسحاق (۲۲) عثمان

بن سعید الدارمی وغیرہ کہ ہر ایک ان میں امام اور علم سے

فضائل و مناقب ابراہیم الحزنی کا قول ہے کہ میں نے تین بزرگ ایسے دیکھے ہیں کہ انکی
 مثل کا دیکھنا دشوار ہے۔ (۱) ابو عبید القاسم میں سمجھتا تھا کہ وہ ذی روح پہاڑ ہیں (۲) بشر بن الحارث
 میں سمجھتا تھا کہ سر سے نیچر پاؤں تک وہ عقل ہی عقل ہیں (۳) امام احمد بن حنبل۔ گویا اللہ تعالیٰ

نے علم الاولین کو جملہ انواع کے اعتبار سے ان کے اندر جمع فرمایا ہے۔

ابوسہر کا قول ہے مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دین الہی کو اس نوجوان مشرقی احمد بن حنبل کے سوا اور کسی شخص کی ذات میں آج جمع کر دیا

علی بن المدینی امام احمد کا نام لیتے تو سیدی کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔

ہفت سیمین جمیل کہتے ہیں مجھے منظور ہے کہ میری عمر گھٹا دی جائے اور اتنی ہی احمد بن حنبل کی عمر بڑھا دی جائے۔

ابوزرعہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے پاس حدیث کا تحریری ذخیرہ اتنا تھا کہ بارہ شخص ان کتابوں کو اٹھا سکتے تھے اور امام صاحب کو یہ حفظ یاد تھیں۔

ابوحاتم سے امام احمد بن حنبل اور علی بن المدینی کے متعلق سوال کیا گیا انہوں نے کہا کہ حفظ میں تو دونوں برابر برابر تھے مگر احمد تفقہ میں بڑھے ہوئے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ احمد بن حنبل اور سلیمان بن داؤد ہاشمی سے بڑھ کر ہم نے کوئی صاحب عقل و دانش نہیں دیکھا۔

صالح بن احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ میرے والد فرماتے تھے کہ میں نے پانچ حج کئے۔ ان میں سے تین پا پیادہ کئے تھے۔

میں نے کہا کہ احمد بن حنبل جیسی اچھی نماز پڑھنے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔

ابوحاتم کہتے ہیں کہ جسے امام احمد سے محبت ہے وہ ضرور اہل سنت و اجماعت ہے۔

ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ زہد و تقویٰ اور علم و عمل میں امام احمد بن حنبل کا کوئی مقابل نہ تھا۔

ابوداؤد سجستانی کا قول ہے کہ میں نے دو سو مشائخ حدیث کو دیکھا اور ان سے ملا مگر امام

احمد بن حنبل کے مانند کسی کو نہ پایا۔

ابتلا و ثبوت۔ خلق قرآن کا مسد انہی کے عہد میں تکلیف سلطنت بغداد اس مسد کی ترویج

و اشاعت کی حامی تھی۔ امام احمد بن حنبل نے اس کا سخت انکار کیا۔ اور اس انکار کی وجہ سے

ان کو سخت ترین مصائب برداشت کرنے پڑے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھ کر لیاں۔ اور پاؤں

میں بیڑیاں ڈھالی گئیں اور اسی حالت میں دو سو میل سے زیادہ پیادہ پا سفر کرایا گیا تا زیانہ

لگائے گئے۔ ذلت و رسوائی کے سب طریقے ختم کئے گئے۔ لیکن امام ہمام نے ایسے صبر

و استقامت کے نمونے دکھائے کہ ظالم ظالم کرتے کرتے تھک گئے۔ یہ واقعہ ماہ رمضان ۲۲۰ھ

کا ہے۔ اس زمانہ میں بشر حافی بڑے زاہد و عابد تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ امام احمد کی سفارش میں لب کشائی کیوں نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ میں خود کو ان مصائب کا متحمل نہیں پاسکتا احمد کا صبر تو انبیاء کا سہ ہے۔

زہد و ورع آپ جہاں علوم فقہ و حدیث میں متقدم و پیشوا تھے وہاں زہد و عبادت اور اتقا کے طریقہ اور اس کے طرز روش میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا اپنے استغنا اور توکل میں ایسی ایسی ثابت قدمی دکھائی ہے کہ اسکی مثال بہت ہی کم ملیگی۔

محمد بن موسیٰ کہتے ہیں کہ حسن بن عبدالعزیز کو ترکہ میں ایک لاکھ دینار ملے جو مصر سے بغداد لائے گئے اور ان میں سے وہ ہزار ہزار روپیہ کی تیس تھیلیاں امام احمد بن حنبل کے لئے لائے اور عرض کیا کہ حضرت یہ مجھ کو وجہ حلال سے ترکہ میں ملی ہیں آپ اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ کیلئے قبول فرمائیے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ان کی ضرورت نہیں میرا مالک مجھے رزق سے رہا ہے جاؤ تم انہیں اپنے کام میں لاؤ۔

یہ زہد و تقویٰ کی وہ مثال ہے جو شائہی اور کہیں مل سکے اپنے ستر برس کی عمر میں کسی کسی سے سوال نہ کیا بلکہ اگر کسی نے آپکی حالت کو دیکھ کر خود بخود کچھ پیش کیا تو اسے بھی قبول نہ فرمایا اور صبر و توکل ہی میں اپنا سارا وقت بسر کر دیا۔

تصنیفات سب سے زیادہ مشہور تصنیف مسند احمد ہے جو معرفت احادیث میں عجیبانہ تسلیم کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کتاب الزہد، کتاب ناسخ منسوخ، منک کبیر اور منک صغیر کتاب الاثر ہے۔ اور تاریخ فضائل صحابہ وغیرہ کئی کتابیں ہیں جو آپ نے قلم بند فرمائیں ایک ایک کتاب کئی کئی جلدوں میں ہوتی چنانچہ جامع کبیر اکیلی ہی تیس بتیس جلدوں میں تھی۔ انتقال اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کو بھی کرامت عظمیٰ بنایا۔

ان کے جنازہ پر جو انوار و برکات دیکھی گئیں اسے دیکھ کر بیس ہزار عیسائی۔ یہودی مجوسی داخل اسلام ہوئے تھے۔

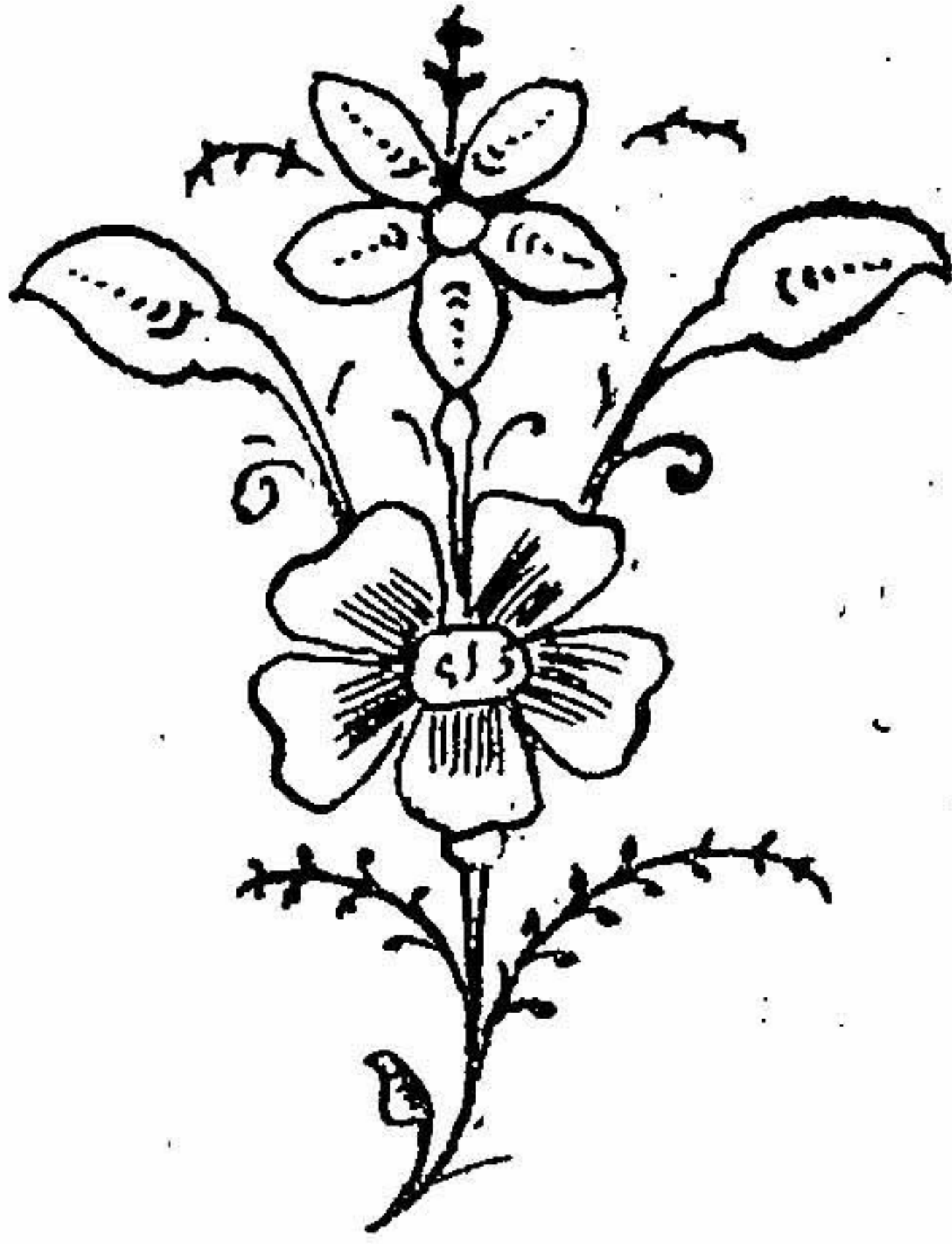
ابوزرعہ سے روایت ہے کہ خلیفہ متوکل کے حکم سے اس رقبہ اراضی کی پیمائش کی گئی جس پر مجتمع ہو کر امام کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اور پھر اس رقبہ سے تعداد نفوس کا اندازہ کیا گیا تو ۸ لاکھ ۶۰ ہزار کی تعداد نکلی اس تعداد میں ۶۰ ہزار عورتیں تھیں۔ ابراہیم حربی کہتے ہیں۔ میں نے امام احمد کی شب انتقال کو بشر حافی خواب میں دیکھے

ان کی آستینوں میں کچھ بھرا ہوا تھا۔ یسے پوچھا یہ کیا ہے۔ فرمایا کہ امام احمدؒ کی روح پر اللہ تعالیٰ نے جو ہرات نچھاور کئے تھے۔ یہ ان سے لوٹ کر لایا ہوں۔
ان کے فضائل کا حصر و شمار ہے اور خواہ کتنی ہی تفصیل سے کام لیا جائے حقیقت وہ بھی مختصر ہی رہے گی۔

صاحبزادے۔ آپکے دو صاحبزادے تھے جو بڑے عالم اور کامل تھے۔ ایک کا نام عبد
جنکی کنیت ابو عبد الرحمن تھی۔ دوسرے کا نام صالح تھا جنکی ولادت ۲۰۳ھ میں ہوئی۔ یہ
اصفہان کے قاضی تھے اور وہیں ۲۶۶ھ میں انتقال فرمایا۔ اور عبد اللہ جنہوں نے
اپنے باپ کی کتاب سند کو مرتب کیا اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا، ۷ برس کی عمر
پاکرہ جمادی الاول ۲۹۹ھ میں انتقال فرمگئے۔ فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

تاریخ ولادت و وفات امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ۲۴۱ھ
بسال فوت گتتم قلم دیں
۲۴۱ھ



تبصرہ بر حالات آمداربعہ زمہدار

آئمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال مبارکہ جس قدر اب تک تحریر کئے جا چکے ہیں وہ امام نووی کی کتاب الاسماء اور تالیف ابن خلکان سے ماخوذ ہیں۔ اور انتخاب کے وقت میں اور بھی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ حکیم الامتہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ ان الامۃ العظام کے علوم و فقہ کے متعلق بھی کچھ ایڑا کر دوں۔ حکیم الامتہ کی تحقیقات عالی انشاء اللہ تعالیٰ طالبانِ حقیقت کیلئے بصر افروز و بصیرت افزا ہو گی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ قواعد کلیہ اور اصول محکمہ کے تبیین اور علل الاحکام اور اسرار شریعہ کے اظہار میں وہ امام عالی مقام ہیں کہ اگر ان کا ظہور عہد سابقین میں ہوتا تو یقیناً ان کا منصب ایک طرف غزالی و رازی سے بڑھتا اور دوسری طرف طحاوی و بیہقی کے برابر ہوتا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ امام مالک اہل مدینہ کی مرویات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ مستند اور سند کے اعتبار سے نہایت اوثق اور فتاویٰ فاروق اور اقوال عبداللہ بن عمر بن الخطاب حضرت عائشہ صدیقہ اور فقہاء سبعہ کے علوم کے سب سے بڑھ کر عالم تھے علم روایت و فتویٰ انہی کے امثال سے قائم ہوا۔ اور حکومت شریعہ مالک کو حاصل ہو گئی انہوں نے حدیث بیان کی۔ فتویٰ دیئے۔ فائدہ پہنچایا اور تمام تر مساعی کو دین الہی میں صرف کر دیا اور انہی پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منطبق ہوا۔ یُؤشک ان یشرب الناس اکیاد الاہل یطلبون العلم فلا یجحدون احدًا اعلم من عالم المدینۃ امام ابن عیینہ اور امام عبدالرزاق بن ہمام کا مختار اس حدیث کی تفسیر میں یہی ہے۔

صحاب مالک نے انکی روایات و فتاویٰ کو جمع کیا۔ خلاصہ تیار کئے۔ اور ان کی شرح لکھیں اور اصول و دلائل پر بحثیں کیں۔ بعد ازاں یہ لوگ غریبی ممالک اور تواجی بلاد میں پھیل گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ خلق کثیر کو نفع عظیم پہنچایا۔ اس قول کی اگر حقیقت معلوم کرنا چاہو تو کتاب موطا کو غور سے دیکھو کہ اصلیت واضح ہو جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں ابراہیم نخعی اور ان کے اقوان کے مذہب پر لزوم

کرنے والے تھے۔ اس مذہب سے (الاماشاء اللہ) وہ کبھی تجاوز نہیں کرتے اور اسی مذہب سے تخریج مسائل میں عظیم الشان تھے۔ اور وجہ تخریجات میں دقیق النظر نیز فروعات پر کامل توجہ رکھنے والے تھے۔ اگر تم اس قول کی حقیقت معلوم کرنا چاہو تو امام محمدؒ کی کتاب الآثار نیز جامع عبد الرزاق نیز تصنیف ابی بکر بن ابی شیبہ سے ابراہیمؒ اور ان کے اقران کے اقوال کو چھٹا لو۔ اور مذہب ابو حنیفہ کے ساتھ ملا کر دیکھو۔ تمہرے قول بالانہی اہلیت واضح ہو جائیگی۔ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ چند مقامات کے سوا انہوں نے کبھی بھی اس طریق سے علیحدگی نہیں کی پھر ان چند مقامات میں بھی یہ التزام موجود ہے کہ فقہائے کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔ امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں مشہور ترین قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ مارون الرشید کے عہد میں قاضی بن گئے تھے اور ان کا اس عہد پر نامور ہو جانا ہی اس مذہب کے ظہور نیز عراق و خراسان و ماوراء النہر میں سی کے مطابق فیصلجات درہونیکا سبب بن گیا۔ بلحاظ تصنیف شاگردان امام میں محمد بن حسن کا درجہ خاص ہے۔ انہوں نے اچھی اچھی کتابیں لکھیں اور ہمیشہ درس بھی دیا۔ انہوں نے فقہ امام ابو حنیفہ سے اور بعد ازاں ابو یوسف سے حاصل کی تھی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالک سے موطا پڑھا۔ اور بعد ازاں خود بھی غور و فکر کیا اور اپنے مذہب کے ایک ایک مسئلہ کو مقابلہ میں جمع کیا۔ اگر دونوں میں مطابقت ہو گئی تب تو خیر ورنہ یہ تلاش کرتے کہ کیا صحابہ و تابعین میں سے کوئی بھی ان کے مذہب کے موافق ہے تو اسے لے لیتے تھے۔ لیکن اگر وہ دیکھتے تھے کہ ایک طرف تو حدیث صحیح ہے اور دوسری طرف وہ قیاس ضعیف اور تخریج لیتن ہے جس پر فقہاء کوفہ کا تو عمل ہے مگر اکثر علیہ کا عمل ان کے خلاف ہے۔ تب وہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر مذہب سلف کو لے لیتے تھے۔ صحابین کا رویہ عموماً یہ رہا ہے کہ وہ بھی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ابراہیمؒ اور ان کے اقران کے مذہب پر رہا کرتے ہیں اور اپنے اُستلوں کے خلاف یا تو اس جگہ کرتے ہیں جہاں اُستناء نے مذہب ابراہیمؒ سے کوئی مسئلہ تخریب کا نکالا ہو اور ان کو اس تخریج سے اتفاق نہ ہو۔ یا اس جگہ خلاف کرتے ہیں جہاں مسئلہ میں ابراہیمؒ اور ان کے اقران کے اقوال متعدد ہوں۔ اور صحابین ایک قول کو دوسرے قول سے زیادہ ترجیح دیتے ہوں۔

امام محمد رحمہما اللہ نے اپنی تصنیفات میں اقوال ابراہیمؒ و ابو حنیفہ و ابو یوسف کو جمع کر دیا اور اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچا ان کی تصانیف پر الصحاب ابو حنیفہ نے توجہ رکھی۔ اور

تخلیص و تقریب اور شرح و تخریج اور تائیس و استدلال سے کام لیا۔ پھر خراسان۔ اور
ماوراء النہر کی طرف پھیل گئے اور اس کا نام مذہب ابوحنیفہ رکھا گیا۔

امام شافعیؒ اس وقت اٹھے جب مالکیہ و حنفیہ کا ظہور اور اصول و فروع کی ترتیب ہو رہی
تھی۔ انہوں نے ان لوگوں کے کام میں نظر ڈالی اور پھر ان کی راہ پر چلنے سے اپنی باگ
روک لی۔ اس کا ذکر انہوں نے کتاب الام کے آغاز میں کیا ہے۔

ازاجملہ انہوں نے دیکھا کہ ہر مذاہب والے مرسل و منقطع پر بھی عمل کرتے ہیں اور ایسا
کرنے سے بہت سے نقائص پائے جاتے ہیں۔ مثلاً جب کسی حدیث کے جملہ طرق کو جمع کر لیا
جائے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ بعض مرسل روایات وہ ہیں جو بالکل بے اصل ہیں اور بعض
مرسل ایسی ہیں جو سند کے خلاف ہیں۔ لہذا امام شافعیؒ نے تجویز کیا کہ مرسل پر عمل اس وقت
کیا جائیگا جب اس میں چند شرط پائے جاتے ہیں۔ ان شرط کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب
میں کر دیا ہے۔

ازاجملہ کہ مختلفات کو جمع کرنے کے قواعد بھی ہر دو مذاہب والوں کے پاس موجود نہیں لہذا
مجتہدات میں خلل کثیر واقع ہوتا ہے۔ اس کے اصول بھی امام شافعیؒ نے بنائے اور ان کو کتاب
میں مدون کیا۔ اسول فقہ کے متعلق یہ اولین تدوین تھی اسکی مثال مندرجہ ذیل حکایت سے
واضح ہوگی۔ کہ امام شافعیؒ امام محمد بن حسنؒ کی ملاقات کو گئے۔ وہ اس وقت کہہ رہے تھے کہ اہل مدینہ
ایک گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ کر دیتے ہیں اور ایسا کرنا قرآن سے آگے بڑھ جانا ہے
امام شافعیؒ نے پوچھا۔ تو یہ آپ کو ثابت ہو چکا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ زیادہ علی قرآن
جائز نہیں۔

امام محمدؒ ہاں یہی بات ہے۔

امام شافعیؒ تب آپ نے اذکار وصیۃ لوارث والی حدیث پر کیوں عمل کیا قرآن میں تو ہے
کِتَابٌ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدٌ كُمْ الْمَوْتُ اَنْ تَرَكَ خَیْرًا وَّالْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدِیْنَ وَالْاَقْرَبِیْنَ اُولَئِیْكَ
اسکے بعد امام شافعیؒ نے اور بھی چند مسائل کا ذکر کیا حتیٰ کہ امام محمدؒ کو چپ کرنا پڑا۔
ازاجملہ بعض صحیح حدیثیں فتویٰ دینے والے تابعین تک نہ پہنچیں۔ تب انہوں نے

۱۰ وارث کیلئے وصیت جائز نہیں۔ خادم

۱۱ ہر روز والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے والدین و اقربین کیلئے وصیت کرے جبکہ وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو۔ خادم

اپنی اپنی رائے کے موافق اجتہاد کیا۔ یا عموماً کا اتباع کیا۔ یا کسی صحابی کا اقتدا کیا۔ اور فتویٰ دیدیا مگر بعد ازاں طبقہ ثالثہ رتبع تابعین کو وہ روایت تو ملی۔ مگر انہوں نے اس لئے اس پر عمل نہ کیا کہ اُنکے شہر کا عمل اور طریق اس سے مخالف تھا۔ انہوں نے اسی امر کو حدیث بالا کیلئے علت قاصدہ سمجھا۔

یا کوئی ایسی حدیث بھی ہوئی جو تبع تابعین کو تو نہیں ملی تھی مگر اس وقت ملی جبکہ اہل حدیث نے حدیث کے جملہ طرق پر گہری نگاہ ڈالی اور تلاش حدیث کیلئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور ہر ایک عالم سے استفادہ کیا۔ تب صحابی کی بیان کردہ ایسی حدیث مل گئی جسے صحابی سے ایک دوا شخصاً ہی نے روایت کیا ہے اور نئی ہذا اُن سے بھی ایک یاد دہی نے روایت کیا ہے لہذا اہل فقہ سے وہ حدیث مخفی رہی۔ اور اُن حفاظ حدیث کو مل گئی جو جملہ طرق حدیث کے جامع تھے۔

غور کرنے سے ایسی حدیثیں مل جاتی ہیں جس کے راوی سب اہل بصرہ ہیں۔ دیگر مقامات کے لوگوں کو اُن کا علم نہیں۔

ان جملہ حالات پر غور کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے اول تو یہ بات بتلائی کہ علماء صحابہ و تابعین کی روش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ مسئلہ کے متعلق حدیث کی تلاش کرتے تھے اور جب حدیث نہ ملتی تب استدلال وغیرہ سے کام لیا کرتے تھے اور بعد ازاں جب کبھی حدیث مل جاتی تب اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث کی جانب رجوع کر لیتے تھے۔ اور جب ان بزرگان کی یہ روش اور طریقہ ثابت شدہ ہے تب اُن کا کسی حدیث سے تمسک نہ کرنا خود اس حدیث کیلئے علت قاصدہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

مثال کے طور پر حدیث قلثین پر نگاہ کرو کہ یہ حدیث صحیح ہے اور طرق کثیرہ کے ساتھ مروی ہے اس کا ایک سلسلہ تو ابوالولید بن کثیر عن محمد بن جعفر بن الزبیر عن عبد اللہ والا ہے۔ دوسرا محمد بن عباد بن جعفر عن عبد اللہ بن عبد اللہ والا اور پھر یہ دونوں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ ہر دو بزرگوار ہر چند کہ ثقہ ہیں لیکن صاحبان فتویٰ میں سے نہیں جن کے پاس لوگوں کی آمد و رفت بکثرت ہو۔ لہذا یہ حدیث سعید بن مسیب کے عہد میں اور زہری کے زمانہ میں ظاہر نہ ہوئی اور مالکیہ و حنفیہ نے اس پر عمل نہ کیا۔ مگر امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا۔

حدیث خیار مجلس کی حالت بھی یہی ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور بطریق کثیرہ مروی ہوئی ہے اور صحابہ میں سے ابن عمر و ابی ہریرہ نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ مگر فقہائے سنیہ اور ان کے معاصرین کو یہ حدیث نہ ملی۔ اور مالک ابو حنیفہ نے اسی امر کو حدیث کے لئے علت قاصدہ سمجھا۔ مگر امام شافعی نے اس پر عمل فرمایا۔

دوم امام شافعی کے عہد میں اقوال صحابہ کو جمع کیا گیا تو وہ بہت مل گئے۔ ان میں باہمی اختلاف بھی تھا۔ اور ان میں سے کچھ اقوال ایسے بھی تھے جو حدیث صحیح کے مخالف تھے اس لئے کہ ان کو حدیث صحیح نہیں ملی تھی) تب امام شافعی نے اس بنیاد پر کہ ان بزرگوں کا اصول بھی رجوع الی الحدیث رہا ہے۔ حدیث پر عمل شروع کر دیا۔ اور ان اقوال کو چھوڑ دیا۔ اور صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔

از انجملہ امام شافعی نے بعض فقہاء کو دیکھا کہ وہ رائے اور قیاس کے درمیان کچھ تفاوت نہیں کرتے۔ ہاں رائے تو وہ ہے جسے شرع میں کوئی دخل نہیں اور قیاس وہ ہے جسے ثابت رکھا گیا ہے۔

رائے سے میری مراد یہ ہے کہ کسی حکم شرعی کی علت کسی خیالی حرج یا مصلحت کو قرار دیا جائے اور قیاس وہ ہے کہ کسی حکم منصوص سے علت کی تخریج کی جائے اور حکم کا مدار علیہ اسی کو ٹھہرایا جائے۔

امام شافعی نے ایسی ہی باتوں کا پورا پورا ابطال کیا۔ ابن الحاجب نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنی پسندیدگی کو شامل کرتا ہے وہ شارع بننا چاہتا ہے۔ مثلاً یتیم کا رشد کو پہنچ جمانا ایک امر مخفی ہے۔ اور فقہاء نے مظنہ رشد ۲۵ سالہ عمر کو قرار دیا ہے اور اس عمر کے بعد اسکے مال کو اسے سپرد کر دینا بہتر سمجھا ہے۔ یہی پسندیدگی ہے۔ مگر قیاس یہ ہے کہ مال کی سپردگی اس مظنہ پر نہ کی جائے۔

الغرض امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب متقدمین کی ایسی ایسی باتوں کو دیکھا تب انہوں نے فقہ کی بنیاد از سر نو رکھی اصول کی بنیادیں مضبوط کیں اور فروع کی شاخیں نکالیں کتابیں تصنیف کیں۔ اور اپنی مساعی کا فائدہ پہنچایا۔ فقہاء نے اس پر اجتماع کر لیا اور مختصر و شرح یا استدلال و تخریج کی شکلوں میں اسکا پورا اہتمام کیا۔ پھر مختلف شہروں میں لیکر پھیل گئے اور اسی کا نام مذہب شافعی ہوا۔

حضرت سعید بن جبیر

اعلام تابعین میں سے تھے۔ رنگ کے سونے تھے۔ علم حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے پڑھا تھا۔ ایک دفعہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حدیث بیان کرو۔ عرض کی آپ کی زوجہ کی میں، فرمایا۔ کیا ڈر ہے۔ میری موجودگی میں اگر ٹھیک بیان کریں گے تو بہتر۔ ورنہ میں غلطی کو درست کروں گا۔ انہوں نے قراءت بھی حضرت ابن عباسؓ ہی سے سیکھی تھی۔ اور تفسیر بھی ان سے ہی سنی تھی اور روایت بھی زیادہ تر انہیں سے کرتے ہیں۔ قراءت کی روایت ان سے منہال بن عمر اور ابو عمر بن عطاء کرتے ہیں۔

وفار بن ربیع کہتے ہیں سعید نے رمضان میں مجھ سے کہا کہ تو میرا قرآن سن۔ پھر وہاں سے قرآن مجید ختم کر کے ہی اٹھے۔

سعید کا قول ہے کہ میں نے حرم کے اندر ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا ہے۔

اسمعیل بن عبد الملک کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر ہماری امام تھے۔ ایک رات تو قراءت ابن مسعود پڑھتے۔ ایک رات قراءت زید بن ثابت۔ ایک رات کسی صحابی کی قراءت اور ایک رات کسی صحابی کی قراءت پر ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے لئے قرآن مجید کی تفسیر لکھ دیجئے۔ کہا کہ اگر میرے بدن کی ایک شق ماری جائے تو وہ مجھے گوارا ہے بجائے اس کے کہ تفسیر لکھوں۔

تجذیب کا قول ہے کہ تابعین میں سے مسائل طلاق تو سعید بن جبیر خوب جانتے تھے اور حج کو عطل اور حرام و حلال کو طاؤس اور تفسیر کو مجاہد اور ان سب میں سے جامع تر ابن جبیر تھے۔ محمد بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن جبیر اصبہان میں آئے لوگ حدیث پوچھتے تھے۔ مگر یہ کچھ نہ سنا تھے۔ پھر کوفہ میں آئے اور یہاں کوفہ میں حدیث بیان کی لوگوں نے پوچھا کہ اصبہان میں حدیث نہ سنانے کی کیا وجہ تھی۔ فرمایا جو ہر شے اس کے سامنے ہی جوہر دکھلانا چاہئے۔

کہتے ہیں کہ جب عبد الرحمن بن محمد نے عبد الملک بن مروان پر خروج کیا ہے تو ابن جبیر اسکے ساتھیوں میں تھے۔ جب عبد الرحمن قتل ہو گیا تو یہ بھاگ کر مکہ میں آگئے۔ یہاں خالد بن عبد اللہ القسری والی مکہ تھا اس نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ حجاج نے

کہا تیرا کیا نام ہے۔ کہا سعید بن جبیر۔ کہا نہیں۔ شقی بن کسیر۔ فرمایا میری ماں میرے نام کو تیری نسبت بہتر جانتی تھی (مطلب یہ کہ ماں نے سعید ہی نام رکھا ہے)۔ حجاج یولہ تیری ماں اور تو دونوں شقی ہو۔ فرمایا۔ غیب کی عالم اور ہی ذات ہے۔ تو نہیں۔

حجاج۔ دیکھ دنیا سے نکال کر میں تجھے اب بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالتا ہوں۔
سعید۔ اگر میں یقیناً سمجھ لوں کہ تجھے اتنی قدرت ہے تو میں تجھے اپنا معبود ہی بنا لوں۔
حجاج۔ تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارہ میں کیا کہتا ہے۔

سعید۔ آپ نبی الرحمتہ اور امام الہدیٰ ہیں۔

حجاج۔ تو علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بارہ میں کیا کہتا ہے وہ بہشت میں ہے یا دوزخ میں

سعید۔ مجھے بہشت یا دوزخ میں جانیکا اتفاق نہیں ہوا کہ وہاں والوں کو پہچان لیتا۔

حجاج۔ تو خلفائے کے بارہ میں کیا کہتا ہے۔

ابن جبیر۔ میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔

حجاج۔ تجھے خلفاء میں سے کون زیادہ پسند ہے۔

ابن جبیر۔ جو مالک کی رضا کا زیادہ خواستگار تھا۔

حجاج۔ ایسا کون تھا؟

سعید۔ یہ تو وہ بتا سکتا ہے جس کو ان کے باطن و ظاہر کا علم ہو۔

حجاج۔ تو میری تصدیق کو پسند کرتا ہے۔

سعید۔ اگر میں پسند کرتا تو تجھے نہ جھٹلاتا

حجاج۔ کبخت! تو بہت کیوں نہیں؟

سعید۔ جو مٹی سے بنا ہے وہ کیونکر مہنس سکتا ہے۔ کیونکہ مٹی کو آگ نے کھا لینا ہے۔

پھر حجاج نے حکم دیا کہ یا قوت و زور جدا و موتی اس کے سامنے لا کر رکھیں۔

فرمایا۔ اگر ان کو اس لئے جمع کیا ہے کہ عذاب قیامت سے تجھے نجات دلا میں تب تو خوب ہے

ورنہ یاد رکھ کہ قیامت کے دن ایک ہی جمع ہوگی کہ دودھ پلانے والیاں اپنے شیر دادہ

بچوں کو کھول جائیں گی اور دنیا میں کسی چیز کے جمع کرنے میں بھی خیر نہیں بجز اس کے جو

طیب و پاکیزہ ہو یعنی عمل۔

پھر حجاج نے بنسری اور ستار بجانیکا حکم دیا۔ ابن جبیر ان کی آواز سن کر رونے لگے

حجاج - روتا کیوں ہے۔ یہ تو فرحت کا سامان ہے۔

سعید - نہیں اندوہ کا ذریعہ ہے بتیری کی آواز سن کر مجھے نفع صور یاد آ گیا۔ اور ستارہ وہ ہے جسکی لکڑی غیر حق میں صرف ہوتی ہے۔ رہی اُسکی تاریں قیامت کو تیر ساتھ ہونگی حجاج - سعید! تجھے ہلاکت نصیب ہو۔

سعید - جو دوزخ سے بچ گیا اس کو ہلاکت نہ آئیگی۔

حجاج - اچھا تو پندرہ لے کہ تجھے کس طریق سے قتل کروں۔

سعید - بخدا جس طریق سے تو مجھے یہاں قتل کر لگا اسی طرح پر آخرت میں خدا تجھ کو قتل کر لگا

حجاج - کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے معاف کر دیا جائے

سعید - اگر عفو ہے تو اللہ کی طرف سے ہے مگر تیرے لئے رات و عذر کچھ باقی نہیں

حجاج بولا - لیجاؤ! قتل کر ڈالو۔

جب یہ سامنے سے باہر نکلے تو ہنس پڑے۔ لوگوں نے حجاج کو اطلاع دی۔ کہا پھر

لوٹا کر لاؤ۔ پوچھا ہنسا کیوں؟

سعید - میں نے تعجب کیا کہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسا دلیر ہے اور تعجب کیا کہ اللہ تعالیٰ تیرے حق میں کیسا حلیم ہے۔

کہا اچھا چمڑے پر ڈال کر قتل کر دو۔

سعید نے قبلہ رخ ہو کر کہا - اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا

وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

حجاج - اس کا رخ قبلہ کی طرف سے پھرا دو۔

سعید - فَاَیْمًا تَوَقَّأْتُمْ وَجْهَ اللّٰهِ۔

حجاج - اچھا اسکی پیشانی زمین پر رکھ دو۔

سعید مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِیْهَا نَعْبُدُكُمْ وَمِنْهَا نَخْرِجُكُمْ (الی الآیۃ)

حجاج نے کہا اچھا اسے ذبح کر دو۔ یعنی حلق کی طرف سے چھری پھیر دو۔

فرمایا میں تجھے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا

رَسُوْلُهُ وَرَأْسُ سُوْلَةٍ کَاغُوَہُ بِنَا تَابُوْنَ۔ اس شہادت کو اپنے پاس رکھنا۔ قیامت کو تجھے

ادا کرنی ہوگی اس کے بعد انہوں نے دعا کی کہ خداوند امیر سے بعد تو حجاج کو یہ تسلط نہ دے جو کہ کسیکو

قتل کر سکے۔

یہ بمبہ شعبان ۹۵ھ کو ۹۴ برس کی عمر میں شہید کئے گئے۔ اور حجاج بمبہ رمضان اسی سال مر گیا اور اُن کے بعد کسی کو قتل نہ کر سکا۔

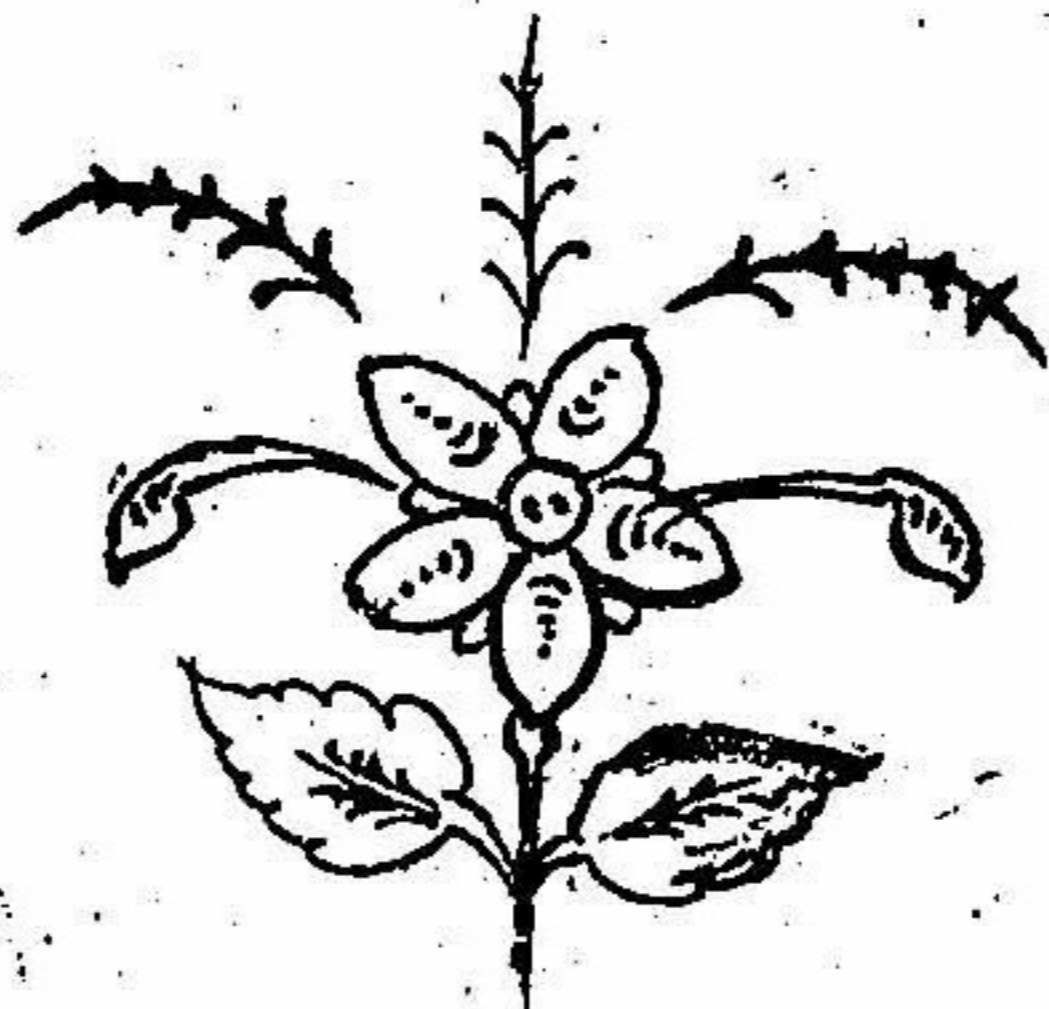
امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جب حجاج نے ابن جبیر کو قتل کیا ہے اسوقت روٹے زمین پر کوئی ایسا نہ تھا جو اُن کے علم کا محتاج نہ تھا

جب حسن بصریؒ نے سنا کہ حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کر دیا ہے تو دعا کی کہ بارالہا اس فاسق ثقیف کو سنہماں۔ پھر کہا بخلا! اگر مشرق و مغرب کے کل باشندے بھی ابن جبیر کے قتل میں شریک ہوتے تو اللہ تعالیٰ سب کو ہی دوزخ میں گراتا۔

کہتے ہیں کہ ابن جبیر کے جسم سے مرنے کے بعد خون بہت نکلا حجاج نے اطباء کو بلا کر اسکی وجہ پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ اوروں کی روح تو قتل کا نام سُکر ہی خشک ہو جاتی تھی لیکن ابن جبیر پر اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ اس لئے خون پورا نکلا جتنا نکلنا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ اُن کے قتل کے بعد ہی حجاج بیمار ہو گیا۔ بیماری میں غش آتا جب افاق ہوتا تو پکارتا کہ ابن جبیر میرا بچھا نہیں چھوڑتا۔ جب آنکھ لگتی ہے تب ہی آمو جو دہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اے دشمن خدا تو نے کس جرم میں مجھے قتل کیا؟ یہ دیکھتے ہی حجاج ڈر کر چیخ اٹھتا۔

کہتے ہیں حجاج کو اُسکی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہوا کہا جتنے لوگ اپنے قتل کئے تھے سب عوض میں ایک ایک دفعہ مجھے قتل کیا گیا۔ مگر ابن جبیر کے عوض میں میں شتر دفعہ قتل کیا گیا ہوں۔



حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام موسیٰ عبد صالحؑ کہہ کر پکارتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور اول شب سجد میں جا کر عظم الذنب عندی فلیحسن العفو من عندک یا اهل التقویٰ و یا اهل المخضرة بار بار اسی کو کہتے تھے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

سخی و جو ادبیت ہی تھے جب سن لیتے کہ فلاں شخص تنگ دست ہے تو ایک تھیلی اس کے پاس بھج دیتے۔ عموماً یہ عادت تھی کہ دو سو تین سو چار سو اشر فیول کی تھیلیاں بنا لیتے اور مدینہ منورہ

کے غزباء کو تھیلیاں ہی تقسیم فرمایا کرتے۔ مدینہ منورہ میں قیام تھا۔ مہدی خلیفہ بغداد نے بلا کر حبس میں بھج دیا۔ ایک رات کو امیر المؤمنین علی بن ابیطالب رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا

مہدی کو فرمایا ہے میں فہل عسیکم ان تو لیکم ان تفسدوا فی الارض ولتقطعوا ارحامکم (توجہ) کیا تم اگر والی بن جاؤ تو قریب ہو اس امر کے کہ زمین میں فساد کرنے لگو۔ اور رشتوں کو قطع کر دو۔

بیچ (وزیر مہدی) کہتا ہے کہ رات کو ہی میرے پاس آدمی پہنچا کہ خلیفہ بلا تے ہیں۔ میں ڈر گیا وہاں پہنچا تو دیکھا مہدی یہی آنت پڑھ رہا تھا۔ چونکہ آواز کا اچھا تھا۔ اس لئے عجب اثر معلوم ہوتا

تھا۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ موسیٰ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) کو بلاؤ۔ میں ان کو مجلس میں لے آیا۔ مہدی نے معانقہ کیا اور ان کو اپنے برابر بٹھلایا اور بیان کیا کہ بیٹے امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ

کو خواب میں دیکھا ہے۔ کیا آپ مجھ کو اطمینان دلا سکتے ہیں کہ آپ یا آپچی کوئی اولاد مجھ پر خروج نہ کریگی۔ فرمایا۔ بخدا میں نے پہلے کبھی اسکا ارادہ نہیں کیا اور نہ میری یہ شان کہ میں خروج کروں

کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر وزیر سے کہا کہ ۳ ہزار اشر فی آپ کو دو۔ اور مدینہ میں جہاں آپ کے اہل و عیال ہیں بھج دو۔

بیچ کہتا ہے کہ میں نے صبح کو ان کے سفر کی تیاری کرنی چاہی معلوم ہوا وہ روانہ ہو چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں ہارون رشید کے زمانہ تک با من و امان رہے جب ہارون رشید ۱۷۹ھ

میں عمرہ رمضان کر کے واپس بغداد کو آنے لگا تو آپ کو ساتھ لے آیا۔ اور یہاں آکر حبس میں بھج دیا۔ اور حبس ہی میں آپ نے انتقال فرمایا۔

خطیب کا یہی بیان ہے کہ ہارون رشید حج کے بعد روضہ نبویؐ کی زیارت کو گیا

روضہ مبارک پر اعیان قریش و سرداران قبیلہ اور حضرت موسیٰ کاظمؑ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہارون
رشید حاضرین پر اپنا فخر جتانے کے لئے کہا۔ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا ابْنَ عَدَمٍ
اے زور خدا! اے چچا کے بیٹے! آپ پر سلام ہو جیو!!!

حضرت موسیٰ کاظمؑ بولے السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ عَدَمٍ! آپ پر سلام ہو جیو!!!
ہارون رشید کے چہرہ کا رنگ اڑ گیا۔ اور کہا بیشک! یہ فخر پورا پورا ہے۔

مسعودی مروان الذہب میں لکھتا ہے کہ عبد اللہ خزاعی ہارون رشید کا کو تو ال تھا۔
اس کا بیان ہے کہ ہارون رشید کا آدمی رات کو ایسے وقت میرے پاس آیا کہ کبھی نہ آیا تھا۔
اور پھر مجھے کپڑے پہننے تک کی اس نے مہلت نہ دی۔ اور ساتھ ہی لے لیا۔ مجھے نہایت
خوف پیدا ہوا۔ جب میں محل کے قریب پہنچا تو ایک خادم نے دوڑ کر میرے آئینی اطلاع کی
جب اجازت ہو گئی تو میں اندر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ہارون بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے سلام کیا۔ ایک
گھڑی تک کچھ جواب نہ دیا۔ تب تو میرے ہوش جاتے رہے۔ اور بہت گھبراہٹ پیدا ہوئی
کچھ عرصہ بعد خلیفہ بولا۔ عبد اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں طلب کیا ہے۔ میں نے عرض کی
نہیں یا امیر المؤمنین۔ کہا میں نے بھی ایک حبشی کو خواب میں دیکھا جس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے
وہ کہہ رہا ہے یا تو اسی وقت موسیٰ کاظمؑ کو چھوڑ دے۔ ورنہ تجھے ابھی اس تلوار کے ساتھ قتل
کر تا ہوں۔ پس توجا اور موسیٰ کو قید سے چھوڑ دے۔ میں نے کہا کیا آپ یہ حکم دیتے ہیں۔ کہ موسیٰ
ابن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ دوں۔ کہا ہاں۔ میں نے تین دفعہ اس طرح کہنا لیا۔
تیسری دفعہ ہارون رشید نے کہا ہاں! اس وقت جا کر چھوڑ دے اور ۳۰ ہزار درہم بھی
ان کو دیدے اور میری طرف سے یہ بھی کہہ دے کہ اگر آپ یہاں ٹہرنا پسند کریں تو یہاں
ٹہریں آپ کے جملہ مصارف اور ضروریات کا میں ذمہ وار ہوں گا۔ اور اگر آپ مدینہ جانا
چاہیں تو وہاں تشریف لیجاویں۔

عبد اللہ کو تو ال کہتا ہے کہ جب میں مجلس میں پہنچا تو امام موسیٰ سے مجھے دیکھ کر کھڑے
ہو گئے۔ شاہد انہوں نے سمجھا کہ میں ان کی نسبت کوئی مکروہ حکم لے کر گیا ہوں۔
میں نے عرض کی کہ آپ خوف نہ کریں میں تو آپ کو چھوڑنے کیلئے آیا ہوں۔ پھر میں نے
عرض کی کہ آپ کے معاملہ میں میں نہایت حیران ہوں۔

فرمایا میں یہاں سویا پڑا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ فرمایا موسیٰ تو

مظلوم ہو کر زنداں میں پڑا ہے تو یہ کلمات پڑھو! پھر اسی رات یہاں سے رہائی پائیگا۔ کو تو اس نے
عرض کی میرے پدر و مادر آپ کے قربان ہوں۔ وہ کلمات تو بتلا دیجئے۔

فَرِيَا يَا سَامِعَ كُلِّ صَوْتٍ يَا سَائِقَ الْقَوَاتِ وَيَا كَارِسِي الْعِظَامِ كَمَا وَمُنْتَشِرَهَا
بَعْدَ الْمَوْتِ اسْتَأْذِنَكَ بِاسْمَائِكَ الْحَسَنِي وَبِاسْمِكَ الْأَعْظَمِ الْأَكْبَرِ الْمَخْرُوجِ مِنَ الْمَلَكُوتِ
الَّذِي كَمْ يَطْلِمُ عَلَيْهِ أَحَدٌ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ يَا حَلِيمًا إِذَا آذَاهُ لَا يَقْوَى عَلَى آيَاتِهِ يَا ذَا الْمَعْرُوفِ

الَّذِي لَا يَنْقُطُ أَبَدًا وَلَا يَحْصَى عَدَدًا قَبِيحٌ عَنِّي فِي نَفْسِي پڑھا۔ اور اس کا یہ نتیجہ یہ
ہو تو نے دیکھا۔ آپکی ولادت مدینہ میں یومہ شنبہ قبل طلوع ۱۲۹ھ (یا بقول خطیب ۱۲۸ھ)
کو ہوئی۔ اور انتقال بغداد میں ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو ہوا بعض کا بیان ہے کہ آنجناب کو زہر
دیا گیا۔ آپکی کنیت ابوالحسن۔ لقب کاظم ہے اور ائمہ اثنائے عشر میں آپ تو ہیں امام ہیں۔

تاریخ ولادت و وفات امام موسیٰ کاظمؑ

جلال دین بود موسیٰ کاظمؑ ۱۲۸ھ
تسیم پاک باشت سال رحلت۔ ۱۸۳ھ

يعقوب بن داود سلمی

يعقوب کا باپ نصر بن سيار کا (جو بنی امیہ کی طرف سے عامل نزار اسان تھا) دبیر تھا۔ اور خود
يعقوب امام حسن مجتبیٰ کے پڑپوتے ابراہیم بن عبد اللہ کا کاتب تھا۔ اہل ادب و فضل میں
مشہور اور صنوف علم کی مہارت سے بہرہ ور تھا۔ گدا گردوں میں اسکی سخاوت اور بہم نشینوں
میں اسکی فضیلت مسلمہ تھی۔

جب سید ابراہیم بن عبد اللہ کو خلیفہ منصور کیساتھ نبرد آزمائی میں شکست ملی اور وہ ۱۳۲ھ
میں گرفتار ہو گئے۔ تو يعقوب بھی پکڑا گیا۔ جینک منصور بند حیات سے آزاد نہ ہوا۔ یہ بند و
زنداں میں رہا ہے۔ منصور کے بعد مہدی خلیفہ ہوا۔ اس نے يعقوب کو نہ صرف قید سے
رہائی دی۔ بلکہ مصاحبین میں شامل کر لیا۔ روز بروز تقرب بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ معتمد علیہ بن گیا
ستارہ اقبال اوج پر تھا۔ خلیفہ نے ایک فرمان جاری کیا کہ يعقوب بن داؤد ہمارا دینی بھائی

ہے۔ مسلم بن عمر المعروف خاستر نے اسی مضمون کا قطعہ لکھا۔

قُلْ لِلَّهِ الْمُلْكُ الَّذِي جَاعَرَتْ خَلْقَتُهُ هَدْيِي إِلَيْهِ بِحَقِّ غَيْرِ مَرْدُودٍ
بِعَهْمِ الْقَدِيرِينَ عَلَى التَّقْوَى أُعْنَتِي بِهِ أَخُوكَ فِي اللَّهِ يَعْقُوبُ ابْنُ دَاوُدَ

ترجمہ۔ اس امام کی خدمت میں جسے خلافت بوجہ اس کے نہ زائل ہو نیوالے استحقاق کے حاصل ہوئی ہے یہ عرض کرو کہ آپ کا دینی بھائی یعقوب بن داؤد جسے معاون بنایا گیا ہے۔ وہ عمدہ جلیس و متقی ہمنشین ہے۔

اس فرمان کے بعد ۱۶۱ھ میں ایک اور فرمان جاری ہوا۔ کہ اضلاع میں جہاں خلیفہ کے عامل ہیں وہاں یعقوب کی طرف سے بھی ایک ایک امین مقرر کیا جائے۔ اس وقت یہ حال تھا کہ کوئی سرکاری یا غیر سرکاری کاغذ ایسا نہ ہوتا تھا۔ کہ خلیفہ کے حضور میں پیش ہوتا ہو۔ اور اسکی نقل اسی دن کی ڈاک میں یعقوب کے پاس نہ آجاتی ہو۔

ابھی تک خلیفہ کا وزیر ابو عید اللہ معاویہ تھا۔ بیچ بن یونس مصاحب خاص کی اس سے جلی ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ وزیر کی برائیاں کرتا اور خلیفہ سے عرض کیا کرتا تھا کہ جب یعقوب جیسا معتد و فاضل دربار میں موجود ہے تو ابو عید اللہ کو وزیر اعظم بنائے رکھنے سے کیا مقصود ہے۔ روز کا کہنا سننا اثر کر گیا۔ اور خلیفہ نے ابو عید اللہ کو دارالانشاء پر بد لکر یعقوب کو خلعت وزارت پہنا دیا۔ خلیفہ منصور نے اپنی وفات کے بعد خزانہ میں ۹ کروڑ ساٹھ لاکھ درم چھوڑے تھے جیتک ابو عید اللہ وزیر رہا تو جوان مہدی کو فضول خرچیوں سے روکتا رہا۔ لیکن یعقوب نے وزیر ہوتے ہی خلیفہ کو رنگ افیون میں ڈال دیا۔ اور پھر پور خزانہ ناعاقبت اندیشوں کے ہاتھ سپرد کر دیا۔ مہدی رات دن لذات شرب و سماع میں مستغرق رہتا تھا اور سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک یعقوب ہی تھا۔

اس زمانہ کے شاعر محض بھٹا ہی نہ ہوتے تھے۔ اور شعر کی بنیاد صرف بیچ و بیچ نازک خیالی پر ہی بلند نہ کی جاتی تھی۔ بلکہ شاعر ملک کی زبان سمجھا جایا کرتا۔ اور اس کا فرض ہوتا تھا کہ واقعات ملکی کو فصاحت و بلاغت کا لباس پہنا کر دربار میں سنائے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیسویں شاعروں نے اپنی جان سے تو ہاتھ اٹھالیا۔ لیکن اس فرض کی ادائیگی سے ضرور سبکدوشی حاصل کی چنانچہ بشار بن برد نے یہ قطعہ لکھا۔ جو یعقوب کے بیجا اختیارات اور اس کے باپ کے وقت سے بنی امیہ کے ساتھ اسکے میل ملاپ اور خلیفہ کی ریشہ مستی و بیجا غفلت کو بخوبی ظاہر کرتا ہے۔

بنی امیۃ ہبوا المال نو مکہوا ان الخلیفۃ یعقوب بن داؤد

صاغت خلافتک یاقوم فالقسوا خلیفۃ اللہ بین الذق والعود

خلیفہ کے بچد اسراف سے خزانہ بھی خالی ہو گیا۔ ابو حارثہ ہندی خزانچی تھا۔ اس نے ایک روز آکر مہدی کے سامنے کتجیاں پھینکیں۔ کہا حضور جب خزانہ ہی نہ رہا تو کیا ضرور ہے کہ کتجیوں کا بوجھ بھی اٹھائے پھروں۔ اب خلیفہ کی آنکھیں کھلیں اور نشہ غفلت سے بیدار ہوا۔ بولا ابو حارثہ تم کتجیاں رہنے دو۔ خزانہ بہت آئیگا۔

اس واقعہ سے خلیفہ کے دل میں یعقوب کے حسن انتظام پر شک ہونے لگا۔ یعقوب کا نجم سعادت نصف دائرہ صعود کو طے کر چکا تھا اب اسکی رفتار نصف دائرہ ہیبوط کی جانب شروع ہوئی۔ اور ایسے واقعات ظہور میں آئے لگے کہ خلیفہ کے دل میں یعقوب کی محبت و انوخت جو کچھ تھی انکی جگہ نفرت و عناد بڑھ پکڑنے لگی۔

۱۔ خلیفہ ایک سفر میں تھا۔ میل کے ایک پتھر پر ایک شعر لکھا ہوا نظر پڑا۔ پڑھا گیا تو یہ تھا۔

وَلِلّٰهِ دَرْتُكَ يَا مَهْدِيٌّ مِنْ رَجُلٍ
كَلِمَاتُكَ يَا عَقُوبُ بْنُ دَاوُدَ

مطلب یہ کہ مہدی سب طرح سے تعریف کا مستحق ہے۔ نقص صرف اس قدر ہے کہ یعقوب کو اتنا بڑھا رکھا ہے۔ خلیفہ نے کہا اسکے نیچے لکھو "تیری تیرے باپ کی ایسی تھی جب اس سفر سے واپس ہوا تو پھر اسی پتھر کے پاس آکر مہدی ٹھہر گیا اور دیر تک کچھ غور کرتا رہا۔ رمز شناس تاڑ گئے کہ شعر کا زہر اثر کر گیا۔

۲۔ پرانے اہلکار جن کو یعقوب کا بچد اقتدار گزارا تھا۔ موقع پا کر کہتے سنتے لگے کہ حضور یعقوب تو سید ابراہیم کا معتقد و معتد خاص تھا۔ جو ہمیشہ حضور کے والد کیساتھ لڑتا اور سلطنت کے خلاف جنگ کرتا رہا۔ پس اعتماد کلی اسپر بھی کیا ہو سکتا ہے۔

۳۔ ایک دفعہ یعقوب خلیفہ کی جانب اشارہ کر کے کہہ رہا تھا کہ اس شخص نے جو لاکھوں روپیہ عمارت پر لگا دیئے ہیں اس کا خزانہ پر جو تمام رخصت کی مشترکہ اخراض کیلئے ہے اس قدر کیا حق تھا۔ مہدی نے اپنے کانوں سے یہ فقرہ سن لیا۔

ان سب باتوں سے مہدی کا دل سرد ہوتا گیا۔ اب اس نے یہ ارادہ کیا کہ یعقوب کا امتحان اخلاص بھی لے اور دیکھے کہ علیویہ کی محبت اس کے دل میں ہے یا نہیں۔

(اس زمانہ میں علیویہ سے محبت رکھنا بغاوت و سلطنت کی علامت سمجھا جایا کرتا تھا۔ کیونکہ

سلطنت بنی امیہ کی بیخ و بنیاد برکنہ کرنے میں غباریہ اور علویہ دونوں متفق و مشترک تھے اور جب ان کو اکھاڑ چکے تو غباریہ نے تخت کلمہ مالک ہو کر علویہ کو پامال کرنا شروع کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہماری حکومت کو انقلاب ہو سکتا ہے۔ اور اگر ہمارے دعویٰ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شخص جواب دے سکتا ہے تو وہ علویہ ہی ہیں خدا کی قدرت دیکھو کہ جس وٹھی خیال سے انہوں نے ہمیشہ اہل قرابت سے عداوت کی وہ سلطنت کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے لیکن تاتاری ترکوں نے اگر اس بڑی سلطنت کا خاتمہ کر دیا

۴۔ الغرض مہدی خلیفہ نے ایک روز یعقوب کو باغ میں طلب کیا جس چمن میں خلیفہ بیٹھا ہوا تھا اس میں انواع و اقسام کا گلاب کھلا ہوا تھا۔ مجلس کا فرش بھی گلابی تھا۔ اور خلیفہ کا لباس بھی گلابی۔ پس پشت ایک لونڈی استادہ تھی۔ جسکے گلابی رخسار دیکھ کر پھولوں کو پسینہ آ رہا تھا۔ وہ گلبدن بھی گلابی لباس پہنے ہوئے تھی۔

خلیفہ نے کہا۔ کہو یعقوب! ہماری مجلس کیسے معلوم ہوتی ہے۔ بولا۔ نہایت ہی بارونق۔ خداوند کریم حضور کو ایسی ہی عیش و راحت میں رکھے۔ کہا یہ سب سامان تجھ کو عطا کیا۔ اور یہ کینزک بھی بلکہ اسکے ساتھ ایک لاکھ روپیہ بھی۔

پھر کہا یعقوب! میرا تجھ سے ایک کام ہے۔ مزاج شناس یعقوب کا ماتھا ٹھنکا۔ دل دھڑکا۔ کہا حضور کیا فرماتے ہیں۔ اس ناچیز سے حضور کا کیا کام ہو سکتا ہے۔ خدائے پاک مجھے حضور کے غضب سے بچائے۔

خلیفہ نے کہا کام تو ضروری ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس کے پورا کر نیکا کامل اقرار کرے عرض کی بسرو چشم کہا نہیں قسم کھاؤ۔ یعقوب نے تین دفعہ قسم کھائی۔ خلیفہ نے کہا میرے سر کو ہاتھ لگا کر قسم کھاؤ۔ یعقوب نے ایسا ہی کیا (الغرض اسکی سختگی کے بعد) مہدی نے کہا فلاں شخص علوی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اسکی طرف سے مطمئن کر دے۔

یعقوب انعام کا روپیہ مجلس کا سارا ساز و سامان اور گلرخسار کینزک کو لیکر واپس آیا۔ لونڈی کو نشست کے برابر ولے کر میں بٹھا دیا۔ اور علوی کو طلب کیا دیکھا تو وہ نہایت وانا و نہیم تھا اس نے کہا یعقوب کیا تو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے میرا قاتل ہو کر پیش ہو، حالانکہ میں قاطبہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوں۔ یعقوب نے کہا کہ تو مجھے کیا بھلائی پہنچا سکتا ہے؟ بولا اگر جان بخشی کرو گے تو دعا دوں گا۔ اور شکر گزار ہوں گا۔ یعقوب نے کہا اچھا

یہ مال بھی لے جاؤ۔ اور جدہر چاہو۔ چلے جاؤ۔ وہ بولا فلاں راستہ میرے لئے پر امن معلوم ہوتا ہے۔ ادھر ہی جاؤ لگا۔ لونڈی یہ سب باتیں سن رہی تھی اُس نے فوراً خفیہ بادشاہ کے پاس کہلا بھیجا کہ جس وزیر پر حضور اتنے مہربان ہیں کہ مجھے بھی اسی کو بخش دیا ہے اسکا چلن یہ ہے دیکھا تعجب ہے کہ خلیفہ نے رازدان کنیزک کو اسی غرض سے بھیجا ہو کہ اندرونی حالات کی اطلاع بھی ملتی ہے۔

مہدی نے فوراً گرفتاری کا حکم دیا۔ اور بیچارہ علوی گرفتار ہو کر آگیا۔ پھر یعقوب کو بلایا۔ پوچھا علوی کا کیا حال ہے۔ کہا حضور کو اس سے کچھ کھٹکا نہیں رہا۔ پوچھا کیا مر گیا۔ بولا۔ ہاں۔ کہا قسم کھاؤ۔ یعقوب نے تین دفعہ قسم کھائی۔ کہا میرے سر کو ہاتھ لگا کر قسم کھاؤ۔ یعقوب نے ایسا ہی کیا۔ مہدی نے حکم دیا کہ اس کمرہ میں جو شخص ہے اُسے پیش کرو۔ وہی علوی اور وہی مال پیش کئے گئے۔ یعقوب سپید ہو گیا۔ اُسکی زبان بند تھی اور آنکھیں کھلی بولنے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔ مہدی نے کہا تیرے واجب القتل ہونے میں تو کچھ شک نہیں رہا۔ لیکن میں قید ہی کرونگا لے جاؤ اور چاہ تاریک میں قید کرو۔

چاہ تاریک قبر سے بدتر ہوتا تھا۔ قیدی کو اس میں اتار کر اُوپر سے سر پوش لگا دیتے تھے کسی جاندار کی صورت کا نظر آنا تو کیسا کسی کی آواز بھی کانوں تک نہ جا سکتی تھی۔ بلکہ بھرا اور روشنی کو بھی وہاں جانے کیلئے کوئی راہ نہ ہوتا تھا۔ پہرہ والے سپاہی قیدی کو اوقات نماز کی اطلاع دیدیا کرتے اور روٹی پانی ایک ڈول میں رکھ کر قیدی تک پہنچا دیا کرتے۔ یہ اشد کا بندہ پندرہ سال تک اس میں قید رہا۔ اور ہاروں رشید کے حکم سے اپنی سخت جانی سے زندہ رہ کر رہائی پائی۔

یعقوب کا اپنا بیان ہے کہ بارہ سال کی قید کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص یہ شعر پڑھتا ہے۔

حَنَّا عَلٰی يُوْسُفَ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّنْ دَعْوِ حَبِيبٍ وَبَيْتٍ حَوْلَ الْخَيْمِ

خدا یوسف پر مہربان ہوا اور اُسے مصیبت ناک جگہ اور کنوئیں کے قعر سے نکال لیا۔

میں نے صبح اٹھ کر شکر کیا کہ اب ایام رہائی قریب آئے۔ لیکن ایک سال گزر گیا اور رہائی کی خبر نہ

نظر نہ آئی۔ دوسرے سال پھر خواب دیکھا کہ کوئی شخص یہ شعر پڑھ رہا ہے۔

مَعْدِي قَرِيبٌ يَّاتِي بِهٖ اَللّٰهُ اِنَّهٗ

لَكَ كُلُّ يَوْمٍ فِي خَلْقٍ تَبْدِ اَمْرٍ

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات میں سے۔ کیونکہ ہر روز اپنی ممتاز فیہ وہ ایک حکم جاری کرتا ہے۔

سبزی ایک سال گزر گیا۔ اور آزادی نہ ملی۔ اب پھر خواب دیکھا اور یہ اشعار سنے

حَسْبُكَ رَبِّ الَّذِي أَمْسَيْتَ فِيهِ
يَكُونُ وَرَاءَهُ فَجْرٌ قَرِيبٌ
فِيَا مَنْ خَافَتْ وَوَيْفَكَ عَانُ
وَيَأْتِي أَهْلَكَ النَّائِي الْغَرِيبُ

قریب ہے کہ جس مصیبت میں تو شام تک رہے گشتاںش بھی اسکے ساتھ لگی ہوئی ہے جس سے خائف
کو امن اور قیدی کو رہائی مل جائے اور بچھڑا ہوا شخص کنبہ میں پہنچ جائے۔

صبح ہوتے ہی کسی نے مجھے پکارا۔ میں سمجھا کہ پرہ والا نماز کی خبر کرتا ہے۔ پھر پکارا۔ اور چائے
میں ایک سی بھی لٹکتی نظر آئی۔ کہا رشی کو اپنی کمر سے خوب مضبوط باندھ لو۔ تمہارے لٹے باہر نکلنے کا
حکم ہو چکا ہے۔ یعنی ایسا ہی کیا۔ جب کنوئیں سے باہر نکلا تو پندرہ سال کے بعد نکلتے آفتاب
کی شعاع آنکھوں پر پڑی۔ آنکھیں چکا چونڈ میں آگئیں اور نور بصارت جاتا رہا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر
تسلیفہ کے دربار میں لے گئے۔

میں نے کہا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الْهُدَى تَحْتَ رِيسِ آوَا زَائِي كَهْنِيں مَهْدِي نَهِيں
میں نے کہا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الْهَادِي تَحْتَ رِيسِ آوَا زَائِي كَهْنِيں هَادِي نَهِيں
میں نے کہا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الرَّشِيدِ تَبِ الرَّشِيدِ نَهِيں مَجْهِي كَهْفَتُو شَرُوعِ كِي اَوْر
خارج از دنیا قیدی کو اس وقت معلوم ہوا کہ پندرہ سال کے اندر تخت کے تین مالک ہو چکے تھے۔
رشید نے کہا ہے یعقوب میرے پاس کسی شخص نے تیری شفاعت نہیں کی۔ بلکہ رات
یعنی ایک بچہ کو گود میں اٹھایا اور اسی وقت مجھے یاد آ گیا کہ کبھی تو بھی مجھے گود میں اٹھایا کرتا
تھا۔ میں تجھے رہا کرتا ہوں اور اجازت دیتا ہوں کہ جہاں چاہے وہاں سکونت اختیار کر
یعقوب نے مکہ معظمہ کو اختیار کیا اور تا وفات وہاں ہی رہا۔

کہتے ہیں یعقوب نے کنوئیں سے نکل کر جب اپنے گہرے دوستوں کا حال دریافت کیا تو
معلوم ہوا کہ اکثر مر چکے تھے۔ اس وقت یعقوب نے یہ قطعہ پڑھا۔

لِكُلِّ اِنْسَانٍ مَقْبَرٌ لَقَدْ اَتَاهُمُ
هُمُ جَيْرَةُ الْاَحْيَاءِ اَمَّا اَحْلَاهُمُ
فَهُمْ يَنْقُصُونَ وَالْقُبُورُ تَزِيدُ
فَذَانِ وَ اَمَّا اَمَلْتُ قِيَامِي

سب لوگوں کیلئے قبر تیار ہے۔ قبریں بڑھتی جائیں گی۔ اور آدمی گھٹتے جائینگے۔ مرے اگرچہ
زندہ دنگے ہمسایہ ہیں۔ اور انکی رہائش گاہ بھی ہم سے قریب ہے۔ لیکن ان سے ملاقات کر سنا
بہانت ہے۔

یعقوب کا ۱۸۳ھ ہجری میں انتقال ہوا۔ حنفیہ بن قیس بھری نے مرثیہ لکھا جو دیوان حماسہ

میں موجود ہے۔

ناظرین یعقوب کے حال سے عبرت پکڑیں۔ اور زندگی کے کج و پر بیچ راہ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ ثروت و اقدار کے نیدا۔ حکومت اختیار کے والہ کیا پسند کریں گے کہ یعقوب کا سا ہر تناک انجام اٹکے لٹے بھی ہو۔

خلافت عباسیہ کے اگرچہ علم و علماء کے سر پر احسانات کثیر ہیں لیکن تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کی وزارت ہمیشہ خطرناک انجام کے ساتھ ختم ہوتی تھی۔ ابو مسلم خراسانی (جسے ماموں رشید سکندر رومی اور اردشیر بالکان کے بعد تیسرا شخص بتایا کرتا تھا۔ جس نے عباسیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اس سلطنت کا پہلا وزیر ہوا) خاندان پرانے ابن الزیات۔ ابن مقلہ کاتب۔ ابن العمید وغیرہ کے حالات ایسے ہی دردناک واقعات سے بھر پور ہیں۔
اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخَوْفِ بَعْدَ الْكُوْدِ اَسْأَلُكَ مِنْ اَسْأَلِ الْكُوْدِ بَعْدَ اَسْأَلِ الْكُوْدِ
ترقی کے بعد تنزل خدا کی امان

حضرت ابو یوسف یوسف بن یحییٰ

ابو یعقوب جو بولطی کے نام سے مشہور ہیں۔ صاحب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اصحاب شافعیہ میں انکا وہی درجہ تھا جو داہنہاٹے تسبیح میں امام کا ہوتا ہے۔ استاد کی زندگی ہی میں ممتاز تھے۔ ان کی وفات کے بعد منبر درس و مسند فتویٰ انہیں سے فرزند ہوئی۔ امام ترمذی۔ و ابراہیم بن اسحاق حربی۔ قاسم بن مغیرہ جو بھری۔ اور احمد بن منصور مادی وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ واثق بائند کے عہد میں مسئلہ خلق قرآن کیلئے ان کو کہا گیا۔ انہوں نے انکار کیا۔ قید کر کے بغداد میں لائے گئے۔ اور قید ہی میں بند جیات سے آزاد ہوئے۔ بہائت عابد۔ متنسک۔ صالح اور زاہد تھے۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں۔ میں نے بولطی کو دیکھا۔ گردن میں طوق تھا۔ پاؤں میں بیڑی۔ بیڑی اور طوق کے درمیان بیس سیر بختہ کی ایک زنجیر اٹھنی پڑی ہوئی تھی۔ جو گردن کو جھکائے

رکھتی۔ خیر پر لٹے ہوئے سپاہی لے جا رہے تھے۔ اور وہ باہر از بلند کہتے جاتے تھے کہ افسد تعالیٰ نے مخلوق کو کُن کے ساتھ پیدا کیا۔ پس اگر کُن بھی جو کلام الہی ہے مخلوق ہے تو گویا کل مخلوق کا ایک مخلوق کی مخلوق ہے۔ بخدا میں طوق وزنجیر میں مر جاؤنگا۔ تاکہ لوگوں کو خیر ہو جائے کہ ایسے مسئلہ کیلئے طوق وزنجیر میں مرنا پسند کیا گیا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اگر میں واقع باقی کے سامنے پہنچا تو وہ میری بات کو ضرور مان لیگا۔

کہتے ہیں کہ اس ابتلاء و محنت میں اصحاب شافعی میں سے صرف یہی گرفتار ہوئے تھے اور امام شافعی نے ان کو پہلے خیر بھی دیدی تھی۔

ربیع کہتے ہیں کہ میں اور مرزنی اور بولطی امام شافعی کی خدمت میں حاضر تھے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا ربیع تو طلب حدیث میں فوت ہوگا۔ بولطی زنجیر و قید میں وفات پائیگا۔ اور مرزنی کے ساتھ اگر شیطان بھی مناظرہ کرنے آئے تو یہ اسے قطع کر دے۔

ابو اسحق شیرازی طبقات الفقہاء میں لکھتے ہیں کہ بولطی جب بند خانہ میں اذان جمعہ سنتے تو غسل کرتے۔ کپڑے بدلتے۔ اور زنداں کے دروازہ تک جاتے۔ داروغہ پوچھتا۔ کہاں کہتے داعی ربانی پکار رہا ہے۔ میں ادھر حاضر ہوتا ہوں وہ کہتا۔ نہیں ہٹ کر بیٹھو۔ بولطی یہ کہتے ہوئے لوٹ جاتے الہی تو جانتا ہے کہ میں تیرے حکم کو مانا اور انہوں نے مجھے جانیسے روکا۔ ابو الولید کہتے ہیں میں بولطی کا پہلو نشین تھا۔ رات کو جب میری آنکھ کھلی۔ اُن کو نماز پڑھتے ہی دیکھا۔ یا تلاوت قرآن مجید میں مصروف پایا۔

ربیع کہتے ہیں کہ بولطی کا امام شافعی کی مجلس میں ایک خاص درجہ تھا۔ جب کوئی سائل آتا تو فرمادیتے کہ بولطی سے سوال کرو۔ اگر وہ کہتا کہ انہوں نے یوں بتلایا ہے تو فرمادیتے کہ صحیح ہے۔ ایسا اوقات حاکم شہر فتویٰ دریافت کرتا تو آپ بولطی کی طرف اشارہ کر کے فرمادیتے کہ یہ میری زبان ہے ربیع کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں سے دلائل پیش کرنے والا میں بولطی کا سا کوئی نہیں دیکھا۔ اُن کے ہونٹہ ذکر الہی سے ہمیشہ جنبان تھے۔

ابو العباس محمد بن یعقوب الہام کہتے ہیں۔ والد بزرگوار نے مجھے خواب میں فرمایا۔ بیٹا کتاب بولطی کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ جملہ کتب میں سے اسی میں خطا کم ہے۔ (اس وقت تک صحیحین کی تدوین نہ ہوئی تھی)

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک روز میں جیل خانہ میں بولطی کو دیکھنے گیا۔ اُن کی نصف ساق تک

لوہا ہی لوہا تھا۔ اور دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔
 ایک دفعہ انہوں نے جیلخانہ سے میرے پاس لکھ کر بھیجا کہ مجھ پر بعض وقت ایسے گزر جاتے ہیں
 جب فوق وزنجیر کا وزن ذرا بھی مجھ کو معلوم نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ لوہے کو ہاتھ سے چھو کر دیکھا کرتا
 ہوں۔ بیچ جب تک وہ خطے ملے اہل حلقہ کیساتھ خوش اخلاقی کی عادت پیدا کرو۔ اور غریبوں کو
 کے ساتھ خصوصیت سے بھلائی کرو۔ کیونکہ میں نے امام شافعیؒ کو بار بار یہ شعر پڑھتے سنا ہے۔

اھین لھم نفسی لا کر مھم لھا
 ولن تکرما النفس التي لا تھینھا

اس امام کا انتقال ۲۳۳ھ کو قید و زندان بغداد میں ہوا۔ بولیط مصر میں ایک گانوں کا نام ہے
 بولیطی اسکی جانب منسوب ہیں۔

اس بزرگوار نے استقلال اور صبر بر مصائب سے یہ ثابت کر دیا کہ تعلیم محمدیہ نے کیسے علماء
 کو پیدا کیا تھا۔ اور دین محمدیہ کی اشاعت کو اہل علم نے کیسی محنتوں اور مشقتوں کو برداشت کرتے
 ہوئے دنیا میں پھیلا یا ہے۔ خداوند کریم اس وقت کے علماء کو بھی اس صفت کا اونٹ حصہ نصیب کرے

حضرت محمد بن محمد اندلسی رحمہ اللہ

بربر کے قبیلہ معمورہ میں سے ہیں قرطبہ میں سکونت اختیار کی علماء سے تحصیل علوم کر کے ۲۸ سال
 کی عمر میں مغرب کا سفر کیا۔ مصر میں لیت بن سعد اور عبدالرحمن بن وہب و عبدالرحمن بن قاسم سے
 مکہ میں سفیان بن عیینہ سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے مدینہ میں امام مالک بن انس کبیری ہجرت
 میں حاضر ہوئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو عاقل اہل اندلس کا خطاب دیا تھا۔
 انکے متعلق ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ امام مالک کی خدمت میں لوگ بیٹھے ہوئے
 تھے کسی نے باہر سے آکر کہا ہاتھی آیا۔ ہاتھی آیا۔ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا۔ اس لئے سب آدمی
 ہاتھی دیکھنے کیواسطے باہر چلے گئے۔ یہی بیٹھے رہے۔ امام مالک نے پوچھا کہ ہاتھی تو اندلس
 میں بھی نہیں ہوتا۔ پھر کیوں تم باہر نہ گئے۔ کہاں جناب میں مغرب سے چل کر یہاں تک اس لئے
 آیا ہوں کہ آپکے چہرہ مبارک کو دیکھا کروں۔ اور جناب کی عمدہ خصائل و عادات کو سیکھوں
 میں یہاں اس لئے نہیں آیا کہ ایسی علم خیز مجلس کو چھوڑ کر گلی کوچوں میں ہاتھی دیکھا کروں

امام رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو پسند کیا اور انہیں "عادل اہل الماندلس" کا خطاب دیا۔
 تعلیم پانے کے بعد جب آندلس کو لوٹ کر گئے تو وہاں رئیس العلماء تسلیم کئے گئے۔ امام مالک
 کا مذہب اس ملک میں ان ہی کی وجہ سے پھیلا۔ اور خود ان سے بیحد و شمار خلقت نے استفادہ
 علی اٹھایا۔ اور خلق کثیر نے روایت احادیث کی چنانچہ موطا کی جملہ روایتوں میں سے زیادہ مشہور
 اور زیادہ پسندیدہ یحییٰ بن یحییٰ کی ہی روایت ہے۔

یہ فاضل اپنی فصیلت و امامت کیساتھ امرائے وقت کی نگاہوں میں جلیل القدر تھا۔ حالانکہ
 انہوں نے اپنے زہد اور ترک دنیا اور اشتغال علوم کی وجہ سے کوئی منصب سلطنت میں منظور نہیں کیا
 تاہم ان کا اعزاز و اکرام شاہی دربار اور امراء کیار کے ہاں بڑے بڑے فاضلوں سے بڑھ کر تھا۔
 ابن حزم آندلسی کا قول ہے کہ دونوں ہوں کی اشاعت حکومت کی امداد سے ہوئی ہے۔

(۱) مذہب حنفیہ جسکی اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قاضی ابو یوسف ہارون رشید کے عہد میں قاضی
 القضاة ہو گئے تھے۔ وہ حنفیہ مذہب کے مطابق فتویٰ دینے اور ماتحت قاضیوں کو بھی اسی کے
 مطابق فتویٰ دینے کیلئے پابند کرتے۔ اور اسی کو قاضی بناتے جو مذہب حنفیہ کے مطابق فتویٰ
 دینے کا عہد کرتا۔ تمام سلطنت میں تھوڑے عرصہ کے اندر ہی اندر اس مذہب کے فتاویٰ پھیل گئے۔
 (۲) مذہب مالکیہ کیونکہ یحییٰ بن یحییٰ کا سلطان پر اثر تھا۔ اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی شخص
 قاضی نہ بنایا جاتا تھا۔ یہ ہمیشہ مالکیہ مذہب کے علماء کو پسند کیا کرتے۔ جب علماء نے دیکھا کہ عہد
 تب ہی مل سکتے ہیں جب یحییٰ سفارش کریں تو سب کے سب مالکی مذہب پر چلنے لگے۔

احمد بن ابو الفیاض لکھتے ہیں کہ میں امیر عبدالرحمن اموی سلطان آندلس کی خدمت میں حاضر
 تھا۔ سلطان نے فقہاء کو طلب کیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ کہا میں حالت روزہ میں اپنی بیوی
 کے ساتھ ہمبستر ہو گیا ہوں۔ اسوقت غلبہ محبت میں نفس رک نہیں سکا۔ اب نادم ہوں۔ صورت
 تو یہ کیا ہے؟ یحییٰ بن یحییٰ نے کہا دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے چاہئیں۔ یحییٰ کے بعد پھر کسی
 فقیہ کی جرأت نہ پڑی جو آگے کچھ بولتا جب دربار سے باہر نکلے تو لوگوں نے کہا کہ آج اپنے
 امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ کیوں نہ دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو کفارہ کی تینوں
 صورتیں برابر ہیں۔ خواہ کوئی روزہ رکھے۔ خواہ غلام آزاد کرے۔ خواہ مسکینوں کو کھانا کھلائے
 کہا اگر ہم سلطان کیلئے بھی یہ دروازہ کھول دیں۔ تو اس کے لئے ایک معمولی بات ہو جاوے گی
 کہ ایسے روزمرہ روزہ توڑ لیا کرے۔ اور غلام آزاد کر دیا کرے۔ یا کھانا کھلا دیا کرے۔ اسی لئے

یعنے اس کے لئے وہ صورت تجویز کی جو نہایت سخت ہے اور جس میں اس کے نفس شہوانی کی اصلاح متصور ہے۔

کہتے ہیں کہ جب ینہ سے تعلیم پا کر واپس وطن کو جاتے ہوئے مصر پہنچے تو وہاں عبدالرحمن بن قاسم کے پاس ایک تصنیف دیکھی جس کو انہوں نے امام مالک سے ہی حاصل کیا تھا۔ ان کو شوق ہوا کہ یہ حصہ بھی خاص استاد سے ہی حاصل کروں۔ وہاں سے پھر لوٹ کر مدینہ آئے۔ استاد کو مرض الموت میں بیمار پایا۔ بیماری میں خدمت کرتے رہے اور نماز جنازہ کے بعد واپس آئے۔

محمد بن خمر کا قول ہے کہ فقیہ اندلس تو عیسیٰ بن دینار ہے۔ اور عالم اندلس عبدالملک بن حبیب اور عاقل اندلس یحییٰ بن یحییٰ ہے۔

احمد بن خالد کا قول ہے کہ جب سے اندلس میں اسلام داخل ہوا ہے۔ اس وقت سے لیکر آج تک جو عزت و عظمت یحییٰ کو حاصل ہوئی ہے وہ اور کسی عالم کو حاصل نہیں ہوئی۔

ابن نشکوال نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ متحاب الدعوة تھے۔ اور شہرت و برخاست عادات اطوار میں انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے آپ کا نمونہ بنا رکھا تھا۔ یحییٰ خود بیان کرتے ہیں کہ میں لیث بن سعد کی رکاب تھام کر ان کے ساتھ چلا اُنکے غلام نے مجھے ہٹانا چاہا۔ انہوں نے فرمایا کہ مت ہٹاؤ۔ پھر فرمایا کہ یحییٰ اہل علم اسی طرح تیری خدمت کریں گے۔ چنانچہ وہی دیکھ لیا۔

انہوں نے ۲۲ رجب ۲۲۴ھ ہجری کو وفات پائی۔ قرطبہ کے باہر مدفون ہوئے انہی قبر پر دعاء استسقاء کی جایا کرتی تھی۔

ناظرین اس بزرگ امام کے حال کو دیکھو۔ کہ طلب علم میں کہاں سے کہاں تک سفر کیا اور پھر کس قدر اہل ملک کو تعلیم و تدریس سے فائدہ پہنچایا۔ یا وجود اس کے پھر طالب دنیا ہوئے۔ بلکہ دنیا داروں کو اگلے بھی تو صرف ترقی تعلیم اور اشاعت دین کے لئے جب تک ہماری قوم میں اس نمونہ کے علماء پیدا نہیں ہوتے۔ اس وقت تک ترقی محال ہے۔

امام حبیبی

نام محمد عبدالوہاب کنیت ابوعلی ہے۔ ان کا نسب حضرت عثمان غنی کے غلام حمران سے جا ملتا ہے۔ معتزلہ کے بڑے اماموں میں سے ہیں۔ علم کلام کے امام تھے اور یہ علم انہوں نے ابو یوسف یعقوب بن عبداللہ الشام البصری (جو بصرہ میں رئیس معتزلہ تھا) سے پڑھا تھا۔ مذہب اعتزال میں ان کے مقولے مشہور ہیں شیخ ابوالحسن اشعری جو اہلسنت کے علم کلام میں امام ہیں انہیں کے شاگرد تھے۔

کہتے ہیں ایک دن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے جبائی سے پوچھا کہ تین بھائیوں میں سے ایک تو مومن متقی نیکو ہے۔ ایک کافر فاسق شقی ہے۔ اور ایک صنغری ہے جس میں فوت ہو گیا ہے۔ ان تینوں کا آخرت میں کیا حال ہو گا۔ جبائی نے کہا زاہد کیلئے درجات ہیں کافر کیلئے درکات اور صنغیر اہل سلامت میں ہے۔ اشعری نے کہا اگر صنغیر یہ چاہے کہ میں مومن کے درجات تک پہنچ جاؤں اُسکے لئے ممکن ہو گا؟ جبائی نے کہا نہیں کیونکہ اُسے کہہ دیا جائیگا کہ تیرا بھائی ان مدارج پر طاعات کثیرہ کی وجہ سے پہنچا ہے۔ چونکہ تیرے پاس یہ سرمایہ حاصل نہیں اس لئے تو اس درجہ کو نہیں پاسکتا۔

اشعری نے کہا کہ اگر وہ صنغیر پچھری کہے خداوند اس میں میرا کیا قصور ہے تو نے مجھ کو دنیا میں رہنے نہ دیا اور طاعت بجالائی قدرت ہی نہ بخشی۔ جبائی بولے اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ میں جانتا تھا کہ اگر تو دنیا میں رہتا اور عمر پاتا تو عسیان کرتا۔ اور حق عذاب الیم ہو جاتا۔ اس لئے تیرے حق میں یہی مصلحت تھی۔ اشعری نے کہا اچھا اگر اُس کا کافر بھائی عرض کرے کہ الہ العالمین! تو اُس کا حال بھی جانتا تھا اور میرا بھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تو نے اُسکی مصلحت کو مرعی رکھا اور میری بھلائی کو نظر انداز کر دیا۔ جبائی نے کہا تو تو دیوانہ ہے۔ اشعری نے کہا نہیں۔ یہ کہو کہ شیخ کا گدھا اس گھاٹی پر چڑھ نہیں سکتا۔ جبائی چپ رہ گئے۔

اس مناظرہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسکو چاہا اپنی رحمت سے مخصوص فرمایا اور جسکو چاہا عذاب کا مورد قرار دیا۔ افعال الہی کسی غرض کیلئے معلل نہیں ہیں۔
فخر الدین رازی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس مناظرہ کے بعد اشعری نے مجلس جبائی کو چھوڑ دیا اور اپنے اعتراضات کرنے شروع کئے۔ حتیٰ کہ آپس میں وحشت عظیم ہو گئی۔

ایک دفعہ جبائی ایک جگہ وعظ کرنے تھے۔ اشعری بھی چھپکر جا بیٹھے۔ ایک بڑھیلا سے کہنے لگے میں تم کو ایک مسئلہ بتاتا ہوں وہ شیخ سے پوچھو۔ بڑھیلا نے پوچھا شیخ نے جواب دیا۔ اشعری نے اس پر اعتراض سکھا کر بڑھیلا سے کہلا دیا۔ جبائی تپ کر گئے۔ پھر انکی نظر اشعری پر پڑ گئی۔ سمجھ گئے کہ سوال اسی کا تھا۔

خوستان میں جہی ایک شہر کا نام تھا۔ جہانکی خجور میں شہر تھیں۔ جبائی ۲۳۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۰۳ ہجری میں وفات پائی۔

امام غزالی

ابو حامد کنیت۔ محمد بن محمد بن محمد بن الغزالی نام۔ حجتہ الاسلام زین الدین لقب ہے۔ غزالیہ ضلع طوس میں ایک گاؤں سے وہاں پیدا ہوئے۔ اور خاص شہر طوس میں احمد راؤ کانی سے تعلیم پاتے رہے۔ وہاں سے فارغ ہو کر نیشاپور میں امام الحرمین ابو المعانی کی خدمت میں جملہ علوم کی تکمیل کی۔ طالب علمی کے زمانہ میں ہی صاحب تصنیف اور فتویٰ ہو گئے تھے۔ اور بسا اوقات امام الحرمین اس فاضل شخص کے شاگرد ہونیکو اپنے لئے مایہ ناز بتاتے تھے۔

استاد کے انتقال کے بعد وزیر نظام الملک سے جا کر ملے۔ اس نے حد درجہ تعظیم و اکرام کیا دوران قیام میں وزیر کے سامنے متعدد فاضلوں کیساتھ مختلف علوم میں مناظرہ اور مباحثہ ہوتا رہا۔ ہر ایک جلسہ میں غلبہ الہی کو حاصل ہوتا تھا۔ الہی مباحثات کی وجہ سے ان کا ذکر تمام اسلامی ممالک میں پھیل گیا۔

جمادی الاول ۴۸۵ ہجری کو مدرسہ نظامیہ میں پروفیسر مقرر کئے گئے۔ جہاں ذیقعد ۴۸۸ ہجری تک درس دیتے رہے۔ ان کی طرز تعلیم اور قوت تقریر و کثرت معلومات و توفیق مشکلات کو دیکھ دیکھ کر تمام عراق دنگ تھا۔ مدرسہ کے علماء کے علاوہ چار پانچ سو علماء ان کے درس میں حاضر ہو کرتے تھے۔ ۴۸۸ ہجری میں مدرسہ سے مستعفی ہو کر زہد و انقطاع الی اللہ اختیار کیا۔ اور حج کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے واپس آ کر دس سال تک جامع دمشق میں معتکف رہے۔ پھر وہاں سے بیت المقدس کو چلے گئے۔ جہاں بہت ہی زہد کیساتھ حد درجہ کی عبادت میں مشغول رہے۔

وہاں سے یوسف بن تاشقین سلطان مراکو کی ملاقات کیلئے مصر وارد ہوئے۔ بلاد مغرب کا سفر بحری راستہ سے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کہ سلطان مذکور کی وفات کی خبر مصر میں ہی مل گئی۔ وہاں سے اپنے وطن کو لوٹ کر قیام پذیر ہوئے۔ ایک دفعہ پھر نیشاپور میں حسب الطلب گئے اور کچھ عرصہ تک نظامیہ میں پروفیسر کی لیکن پھر مستعفی ہو کر وطن ہی کو چلے آئے۔ نظامیت میں ان کو چار سو اشرفی ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ وطن آ کر اپنے گھر کو دو حصوں پر تقسیم کیا۔ ایک حصہ کو صوفیہ سخیلئے خانقاہ بنایا۔ اور دوسرے حصہ کو مدرسہ۔ اپنے اوقات کی تقسیم اس طرح کر رکھی تھی

(۱) تلاوت قرآن مجید (۲) مجالس اہل دل۔ (۳) تدریس و تصنیف۔

ان کی تصنیفات بہت ہیں اور سب کی سب متنوع المثال مفید و فیض بخش ہیں۔ وشیط البیٹ و جہیز الخلاصہ فی الفقہ۔ المستغنی المختل المتخل۔ ہدایۃ الفلاسفہ۔ محک النظر معیار العلم المقاصد المفضول علی اہل المقصد السنہ فی شرح اسماء اللہ الحسنى۔ مشکوٰۃ الانوار۔ المتقد من الفضائل۔ حقیقۃ القولین۔ کیمیائے سعادت۔ اربعین بہت زیادہ مشہور اور متداول ہیں۔ ان سب سے شہرت و نفاست خوبی و جمال میں بڑھ کر احیاء العلوم الدین ہے۔ جسکی تیسری اور چوتھی جلدیں جن کا نام مہلکات و منجیات ہے جو اہر کے تول بھی ارنال سمجھ جائیکے قابل ہیں معقولات اور فلسفہ میں انکا درجہ بونصر فاریابی اور یوعلی سینا کے برابر شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض حکماء متقدمین یونان سے بھی کم ہونا تسلیم نہیں کیا۔

امام غزالی ان لوگوں میں سے ہے جسکی توفیق الہی نے دستگیری فرمائی۔ اور جنکو احکام و ظواہر شرع پر اطمینان قلب و الشرح صدر حاصل ہوا۔ ورنہ بہت لوگ جنہوں نے فلسفہ میں تو عقل اختیار کیا یا تو بائبل ہی دین سے آزاد ہو گئے ورنہ دین کو تابع عقل تو ضرور سمجھتے رہے۔

غزالی ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اسرار شریعت کو بیان کیا اور ظواہر کو قائم رکھا اور اسی کو درجہ کمال قرار دیا۔ نیز ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے فلسفہ سے بہت سی دینی خدمات لیں۔ اور ایسا اوقات فلسفیوں کو مغلوب کرنے کیلئے فلسفہ کو ہی اپنا قیمتی ہتھیار بنایا۔

مشکوٰۃ الانوار میں چند مثالوں کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ میرے اس کلام اور بیان مثال سے یہ نہ سمجھنا کہ میں ظواہر کے اٹھا دینے کی رخصت دیتا یا انکے ابطال کا اعتقاد رکھتا ہوں۔ حاشائے ابطال ظواہر تو باطنیہ کا اعتقاد ہے۔ جنہوں نے اپنی ایک جہتی سے ایک ہی عالم کو دیکھا۔ اور عالم ظاہر و معنی کے موازنہ کو نہ سمجھا۔ اور انکی وجوہات پر غور نہ کیا۔ علیٰ ہذا ابطال

اسرار تو حشویہ کا مذہب ہے۔ پس جو شخص صرف ظاہر کو لیتا ہے وہ حشوی ہے اور جو صرف باطن کو لیتا ہے وہ باطنی سماں جو شخص دونوں کو جمع رکھتا ہے کامل وہی ہے۔

شیخ محی الدین ابن العربی اپنی کتاب العوام والقوام میں مذہب فلاسفہ اور انکی مخالفت اذہم کا ذکر لکھ کر کہتے ہیں۔ خداوند کریم نے ایک ایسا طائفہ عاصم بھی نکالا جو تسخیر ربانی اور تائید الہی سے رد فلاسفہ میں مصروف ہو گیا۔ یہ لوگ طرز فلاسفہ یا مصطلحات فلاسفہ میں رو نہیں کیا کرتے تھے بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے گروہ مبتدعہ کے دلائل کو توڑتے تھے فلسفی جسکے عقول پر بطلان کے پردے پڑے ہوئے تھے اس رو کو منسی اور قہقہ میں اڑاتے اور انکی دلائل پر جرح و قبح کیا کرتے تھے۔ اور اپنے رد لکھنے والوں کو جاہل بے تمیز قرار دیا کرتے تھے۔ جب انکا غرور و تکبر بڑھ نکلا تب اللہ تعالیٰ نے انہی کی لغت و اصطلاحات میں گفتگو کرنے انہی کے دلائل کو انپر لوٹا دینے۔ انہی کے سلاحات سے انکا سر اڑا دینے کی واسطے ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا کیا جنہوں نے انہی کے قول سے ان کو جھٹلایا اور انہی کی چھری کو انہی کی گردنوں پر چلایا۔ چنانچہ اس بارہ میں تہافتہ الفلاسفہ ایک عجیب کتاب ہے۔ قطاسی انکی دوسری کتاب ہے جس میں قرآن مجید سے اسی ترتیب دلائل استخراج کیا ہے جو استخراج دلائل کیلئے فلسفیوں نے قوانین قرار دیئے تھے۔ تعییر العلم انکی ایک اور کتاب ہے جس منطوق کو امثلہ فقہیہ و کلامیہ کیساتھ ملایا ہے۔ اور فلسفہ کو زندہ کر دینے کے ساتھ ہی کوئی مثال یا مثل ایسا باقی نہیں چھوڑا جس کے متعلق کسی فلسفی کا شبہ باقی رہ گیا ہو۔ الغرض غزالی کا وجود سخت ناریکیوں میں ایک گوہر شہساز غزالی کے اس قدر کمال و فصیلت پر بھی بعض اہل علم نے اسکی زندگی میں اور نیز اسکی وفات کے بعد سخت سخت اعتراضات کئے ہیں اجبار کے باب تو کل میں انکا ایک فقرہ ہے لیس فی الایمان ابد عمیمتا کان یعنی دنیا کا موجودہ صورت سے بڑھ چڑھ کر ہونا امکان باہر تھا۔ اس فقرہ پر بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اور متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ انہی کے شاگرد امام ابو بکر بن ایوبی کا قول ہے کہ ہمارے شیخ نے یہ بہت بڑی بات لکھی جسے اہل عراق نہیں پاتے اور بیشک یہ لائق ملتے کے بھی نہیں۔ کیونکہ اس سے تو عجز ثابت ہوتا ہے جو قدرت کاملہ کے منافی ہے۔

بعض علماء نے ایسے ایسے فقرات غزالی کی نسبت افکار کیا ہے لیکن اکثر نے اسکی تاویل کی یا الحاقی بیان کیا۔ ابن جوزی۔ ابن حجر مکی اور ابن سبکی وغیرہ کا یہی مذہب ہے کہ اس

قسم کی لغویات سے غزالی کی شان اعلیٰ و برتر ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ غزالی کی کتابوں میں الحادوات پلٹے جاتے ہیں مگر وہ خود اس عقائد کے لوگوں کی تکفیر کرتا ہے (اس لئے ان کتابوں میں الحادوات کے ذکر کرنے سے غرض اُنکا رد کرنا اور لوگوں کو معلوم کرانا ہے)۔ ابن تیمیہ ہی لکھتا ہے کہ علم حدیث میں غزالی کا سرمایہ بہت تصور طلب ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسکی کتابوں میں موضوع و ضعیف حدیثیں بھی درج ہو گئی ہیں انہی کا قول ہے کہ آخر عمر میں غزالی نے اپنی پوری توجہ علم حدیث پر ہی منحطف کر دی تھی۔ چنانچہ ترخ کی وقت بھی اُنکی چھاتی پر صحیح بخاری لکھی ہوئی تھی۔

شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے اجیاء العلوم غزالی اور حجۃ اللہ الیہ الخ شاہ ولی اللہ دہلوی پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ شاہ صاحب کا کلام بھی عالی اور سند بھی عالی۔ غزالی کا کلام عالی ہے مگر سند ہمیشہ عالی نہیں ہوتی۔

المختصر اس نامور امام کے حال کو میں اس فقرہ پر ختم کرتا ہوں۔ جو ابن سبکی کا قتل ہے۔ کہ غزالی سے بعض رکھتے والا با تو حاسد ہو گا یا زندقہ پیشک اُنکا درجہ علی انکے لقب حجۃ الاسلام سے بخوبی نمایاں ہے اور اُنکی تصنیفات اس لقب کی صداقت میں موجود ہیں جن لوگوں کو آج کل فلسفہ پڑھنا پڑھنا ہے یا جو فلسفی شہات سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ اُنکو امام غزالی کی تصنیفات کا زیر مطالعہ رکھنا بہت ضروری ہے جن کے ہر ایک سادہ معرا از دلیل بیان پر بھی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ کسی بلا کا قول نہیں۔ بلکہ اُس شخص کا ہے جس نے اول سے آخر تک فلسفہ کی سیر کی۔ اُس کو محک پر آزما یا۔ اور کسوٹی پر کسکر اُسکا کھوٹ فلسفہ کے منہ سے متوایا ہے۔ عام لوگوں میں یہ حکایت بہت مشہور ہے کہ امام غزالی کی روح نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ شب معراج کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں کچھ بحث کی تھی۔ اسکی اہمیت صرف اس قدر ہے کہ یہ واقعہ صرف شیخ شاذلی کا خواب ہے اور اس سے زیادہ زیادہ یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خواب دیکھنے والیکے نزدیک امام غزالی کی وقعت اس قدر تھی۔

خدا ان پر رحمت کرے اور اسلام میں ایسے علماء کرام کو ہمارے زمانہ میں بھی پیدا کرے۔ امام غزالی کا انتقال ۵۵۵ ہجری کو ۵۵ سال کی عمر میں طوس کے قریب دو طاہران میں ہوا۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔

امام فخر الدین رازی

یہ نہایت ہی مشہور و معروف امام علم کلام ہیں ۲۵ رمضان المبارک ۵۴۰ھ ہجری کو تھے میں پیدا ہوئے۔ فقیر شافعی المذہب تھے۔ محمد قاسم ابو عبد اللہ کنیت اور ابن الخطیب کے نام سے مشہور ہیں۔ ابتدا میں اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پاتے رہے جب انکا انتقال ہو گیا تو کچھ عرصہ کمال سمعانی سے استفادہ کیا۔ پھر تے میں واپس آ کر مجد جلی سے تعلیم پاتے رہے اور جب مجد جلی نے مرانہ کی جانب سفر کیا تو یہ بھی استاد کیساتھ ہی ہے۔ حتیٰ کہ کلام و حکمت میں کمال حاصل کیا اور اسی عرصہ میں امام الحرمین کی کتاب اشامل کو جو علم کلام میں ہے حفظ کر لیا۔ وہاں سے خوارزم میں آئے اور اعتقادات کے متعلق بہت بڑا مناظرہ کیا۔ علی بن داود اور ابانہر میں بھی ایسا ہی مباحثہ کرنا پڑا۔ پھر تے میں واپس آ گئے یہاں ایک مشہور طبیب تھا جو نہایت دولت مند تھا اس نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح امام رازی کے دو فرزندوں سے کر دیا۔ اور نکاح سے کچھ عرصہ کے بعد وہ مر گیا۔ اُسکی بے انتہا دولت انہی کے قبضہ میں آ گئی۔ اور خداوند کریم نے ایسے شخص کو دنیا کی طرف مستغنی کر کے دین کی طرف لگا دیا انہوں نے اپنی کتاب طفیل الحق میں خود تحریر کیا ہے کہ میں علم کلام میں چھ واسطے سے شیخ السنہ ابو الحسن اشعری کا اور علم حدیث و فقہ میں نو واسطے سے امام شافعی کا شاگرد ہوں۔

خداوند کریم نے ان کو تحریر بھی عطا فرمائی تھی اور تقریر بھی۔ تقریر کا یہ حال تھا کہ اس سے استفادہ ہونیکے لئے سینکڑوں کوس سے بڑے بڑے مسلم فاضل سفر کر کے آیا کرتے تھے۔ اور بیسیوں کے عقائد ایک ایک درس میں درست ہوتے تھے۔ ہزار ہا اشخاص نے ان کے ساتھ مباحثہ کر نیکا بیڑا اٹھایا لیکن آخر یہ ہوا کہ انہیں شاگرد ہی بننا پڑا۔

اہل السنہ و الجماعت کے اصول و عقائد کو دلائل عقلیہ و براہین صادقہ سے ایسا صحیح و محکم ثابت کر دیا۔ کہ ہزاروں کلامیہ وغیرہ اپنے اپنے اعتقادات کو چھوڑ کر اہل السنہ کے سواد اعظم میں شامل ہو گئے رہی تحریر اس کا بے بدل دیے نظیر ہونا آج تک مسلم ہے۔ تحریر میں جو ترتیب دلائل اور طریق استدلال انہوں نے اختیار کیا ہے علماء کو اسکی بابت اقرار ہے کہ وہ خود انکی اخترع تھا بیشک وہ طریق ایسا زود فہم اور سادہ ہے کہ آج تک اس سے بہتر اور کوئی طریق یورپ یا ایشیا کی تصنیفات میں نہیں پایا جاتا۔

علم کلام میں انکی تصنیفات یہ ہیں۔ المطالب العالیہ۔ نہایت العقول۔ کتاب الاربعین۔ المحصل
کتاب البیان والبرہان علی اہل التبلیغ والطفیان۔ کتاب المباحث العادیہ فی المطالب المعادیہ۔ کتاب
تہذیب الثانیل معین المسائل ارشاد النظر الی لطائف الاسرار۔ کتاب اجوبۃ المسائل التجاریہ تحصیل
الحق وغیرہ۔ اصول فقہ میں یہ کتابیں المحصول والمعالم۔ حکمت میں الملخص۔ بشرح اشارات ابن سینا
شرح معین الحکمت وغیرہ۔ طلسمات میں سر مکتون اور شرح اسماء الحسنى۔ نحو میں شرح مفصل زخمشری
فقہ میں شرح وجہ غزالی۔ طب میں شرح کلیات قانون۔

علیٰ ہذا بہت سے علوم میں انکی تصنیفات ہیں اور ہر ایک کتاب جواب فائدہ رساں ہے خود انکی
زندگی میں ہی ان کی تصنیفات کی قدر و عزت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ متقدمین کی کتابوں کو چھوڑ
کر ان کی کتابوں کو سلسلہ تعلیم میں داخل کر لیا گیا۔ غرض اپنے زمانہ کے فرید و وحید شخص تھے۔ اور علم
کلام و معقولات میں کوئی شخص ان کی نظیر نہ تھا۔

معقولات کا لازمہ لیا اوقات بیدینی اور مذہب کی جانب سے اعتقادی ولا پرواہی ہوتی
ہے لیکن اس فاضل نے ثابت کر دیا کہ شریعت محمدیہ کی صداقت کو کوئی فلسفہ رد نہیں کر سکتا انہوں نے
واضح کر دیا کہ محمد عربی نبی الہامی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی ریتلی اور پتھریلی زمین کے رہنے والے
وحشی بدوں کو جس کتاب و حکمت کا سبق پڑھایا ہے اُس پر کسی معقولی علم کی کوئی قدیم یا جدید برہان
غالب نہیں آسکتی۔ بلکہ قرآن مجید میں حانیت اور معقولات کے دو دریا کے ذخائر تاپیدا کنار پہلو بہ
پہلو جاری ہیں۔ اور اس کا ایک ایک لفظ ایک ایک موج گہر ریز اور ابر گہر بار ہے۔ جو کچھ میں نے
لکھا ہے انکی تصدیق ان کی تفسیر جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے بخوبی ہو سکتی ہے لیکن افسوس ہے
کہ ہمارے زمانہ کے برائے نام علماء اس کا پڑھنا تک پسند نہیں کرتے۔

امام فخر الدین رازی ان چند ائمہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسرار شریعت اور مصباح کتاب
و سنت کے اظہار میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے میرے خیال میں متقدمین میں امام غزالی فخر الدین
رازی قفال مروزی اور متاخرین میں شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی ان مساعی جمیلہ کی وجہ سے خصوصیت
سے قابل ذکر ہیں۔

یہ لوگ تھے جنہوں نے تمدن اور تہذیب کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالی اور ثابت کر دکھایا کہ اسلام
کی تعلیم اعلیٰ ترین سلطنت کو اصول حکومت کے بتلانے اور بڑے سے بڑے زاہد کو انقطاع الی اللہ
کا راہ دکھانے میں پوری طاقت رکھتی ہے ہمارے اس زمانہ میں (جبکہ نئی روشنی یا فلسفہ جدید

بڑے زور سے ظہور پذیر ہے۔ اور ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ لوگ اصول دین اور اسرار شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے اس روشنی میں چندھیائے ہیں ایسے علماء کی اس شد ضرورت ہے خداوند کریم اسے پورا کرے۔

امام رازی کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے چنانچہ قطعہ ذیل کی تصنیف ہے۔

رَهَائَتْ اَقْدَامَ الْعُقُولِ عِقَالٌ وَ اَلْتَرَسَّتْ الْعَالَمِينَ ضَلَالٌ

ترجمہ۔ آخر کار عقل کو پا بند ہونا پڑتا ہے۔ اور بڑی بڑی کوششیں تاریکی کے گڑھے میں چلی جاتی ہیں

وَ اَرَوَّاحِنَا فِي عَشِيَةِ مَنْ جُسُوْهُنَا وَ حَاصِلُ دُبْيَانَا اَذَى وَ دِبَالٌ

ترجمہ۔ ہماری روح ہمارے جسم کے اندر وحشت میں ہے اور حاصل دنیا اذیت سے یاد بال ہے

وَ لَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ يَحْتَدِ اطْوَالِ عَمْرِنَا سَوَى اَنْ جَمَعْنَا بَدْرَ قَيْلٍ وَ قَالُوا

ترجمہ۔ عمر بھر کے بحث میں حشر کے بعد اگر کچھ حاصل ہوا تو صرف یہ کہ قیل و قال جمع کر لیا۔

وَ كَمْ قَدْ اَلَيْتُمْ اَنْ تَزِيحَ اِلِ يَوْمِ لَمَّةٍ فَبَادُوا جَهِيْدًا مَسْرَعِينَ وَ زَالُوا

ترجمہ۔ ہم نے بہت سے شخص اور بہت سی حکومتیں دیکھی ہیں جو تیز رفتاری کی باتھ آگے بڑھتی اور زوال پذیر ہوتی رہیں۔

وَ كَمْ قَبْلَ جِبَالٍ قَدْ مَحَلَّتْ شُرَفَاتُهَا رِجَالٌ قَزَالُوا وَ اَجْبَالٌ جِبَالٌ

ترجمہ ہم نے بہت سے لوگوں کو پہاڑوں کی بدترین چوٹی پر چڑھتے اور زوال پذیر ہونے دیکھتے مگر وہ پہاڑ جمل کے تال باقی ہیں۔

ہم نے افسانہ کو عربی اور فارسی میں کامل دستگاہ تھی اور دونوں زبانوں میں معظ کیا کرتے تھے۔ وخط میں خود بھی رویا کرتے اور حاضرین کو بھی رلا دیتے۔ ان کا انتقال عید الفطر کے دن ۶۰۶ھ کو ہرآہ میں ہوا۔ اور دامن کوہ میں مدفون ہوئے۔

حمید واسطی کہتے ہیں کہ ایک دن امام فخر الدین رازی ہرآہ میں نمبر رکھ کر یہ شعر پڑھ رہے تھے

اَلْمَرْءُ مَا دَامَ حَيًّا يَسْتَأْتِي بِه وَ اِعْظَمُ الذَّمِّ عُرْفِيْدٌ حِيْنَ يَقْضَى

ترجمہ۔ جیتنگ آدمی زندہ رہتا ہے حقیر سمجھا جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد اسی موت کو عظیم مصیبت مانا جاتا ہے

شیخ سعدی نے بھی ایسا ہی ایک شعر کہا ہے

کس اندر زندگانی قیمت، دوست نداند کس جنس قیمت بداند

امام محمد صاحب قاموس

محمد بن یعقوب نام۔ مجد الدین لقب۔ دسویں پشت میں سلسلہ نسب شیخ الاسلام ابو اسحاق گادرونی سے جا ملتا ہے۔ شافعی المذہب شیرازی الفیروز آبادی مسکن۔ قرشی القبیلی البکری نسب۔

بمابہ ربیع الاول ۷۲۹ھ کو قصبہ گادرون میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں پرورش پائی۔ سات سال

کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں شیراز آئے۔ اور ادب و لغت اپنے والد

اور شیخ عبد اللہ بن محمود وغیرہ علمائے شیراز سے پڑھتے رہے خوشخطی سیکھی۔ اور تمام مصر و فیت و

توجہ کیساتھ لغت پر جھک پڑے۔ فقہ تو شیراز میں ہی پڑھ لی تھی۔ اور علم حدیث کی تلاش میں عراق

و واسطہ و بغداد و دمشق کے سفر کئے۔ عبد اللہ بن یحیٰ قاضی بغداد مدرس نظامیہ اور حافظ ابن القیم

الجزیری سے سماعت و روایت کی۔ اور ایک مدت تک بغداد میں خود بھی درس دیتے رہے امام صفحہ

بہا بن عقیل جمال الاستوی و ابن ہشام وغیرہ مشہور فاضلوں نے ان کی شاگردی کا شرف

حاصل کیا۔

بغداد سے قاہرہ گئے اور تقی بسکی اور ان کے فرزند تاج الدین و قاضی عزیز الدین وغیرہ سے

استفادہ حاصل کیا۔ اور تحصیل علم کے خیال سے اکثر مشرقی اور شامی ممالک کی گشت و سیر

بھی کی ہندوستان میں بھی آئے۔ قاموس میں دہلی اور قنوج کا بھی ذکر کیا ہے۔

ماہ رمضان ۷۵۶ھ کو زبید گئے ملک اشرف اجمیل نے انکا حد درجہ تعظیم و اکرام کیا۔ اور ہزار

اشرفی زاد راہ اور ہزار اشرفی بطور پیشکش دی۔ مجد الدین یہاں ٹھہر گئے اور علوم پھیلانے لگے

ممالک محروسہ یمن کی قضاء ان کے سپرد کی گئی۔ ہر طرف سے طالبان علوم آتے اور مستفید ہوتے

تھے سلطان بھی شاگرد ہو گیا۔ اور ان کے علم و جمال کو دیکھ کر اپنی دختر زایدہ الجلال کا نکاح ان سے کر دیا

اس تعلق سے انکی عزت و وقعت بہت بڑھ گئی۔ ملک اشرف اور اسکے فرزند ملک ناصر کے

عہد حکومت میں بیس سال تربید میں پورے کئے۔ اور اسی اثنا میں مارہا مکہ معظمہ و مدینہ منورہ اور

طائف میں آکر قیام کیا۔ اپنے آپ کو نکی کہلانے سے خوش ہوا کرتے اور اپنے قلم سے دستخط کے

ساتھ اللہ تعالیٰ حرم اللہ تعالیٰ لکھا کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی حرمت و عزت عطا فرمائی تھی کہ جہاں جاتے وہاں کا حاکم

بہ عظیم و تحریم پیش آتا۔ یہ ملک منصور والی تبریز اور سلطان بایزید خاں والی روم۔ ابن ادریس شاہ بغداد اور پاشا نے مصر اور امیر تیمور گورگان سے ملے۔ اور سب نے قدس شناسی و عزت افزائی کی سلطان اور امیر نے ایک ایک ملاقات کا ایک ایک لاکھ روپیہ دیا۔

کتابوں کے جمع کرنا اتنا شوق تھا کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ میں نے پچاس ہزار مشقالات کی کتابیں خریدی ہیں سفر کو جاتے تو کتب خانہ اونٹوں پر ساتھ چلتا۔ جب منزل پر پہنچتے تو مطالعہ شروع کر دیتے۔ اتحاد البلاد میں انکی بیالیس مہنفہ کتابوں کے نام درج ہیں جن کے علاوہ اور بھی بہت سی ہیں سفر السعادت انہی کی تصنیف ہے۔ یہ نہایت مختصر اور نہایت صحیح کتاب ہے جس میں عبادت و عادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم درج ہیں شیخ عبدالحق دہلوی نے اس کتاب کی مہبوط شرح لکھی ہے تقی کرمانی کہتے ہیں مجد الدین اپنے زمانہ میں فارسی و عربی کی نظم و نثر میں عدیم النظیر تھے دس سال تک مکہ معظمہ میں رہے۔ قاموس کو چند اجلا میں لکھا۔ اور پھر میرے والد کی فرمائش پر ایک جلد میں اس کا اختصار کیا اس مختصر میں بھی فوائد عظیمہ اور جوہری پر اکثر اعتراضات ہیں۔ سیوطی نے بغیۃ الوعاة فی ترجمۃ اللغویین والخواجہ میں ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ بلا دروم میں ان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس عبارت کے معنی دریافت کئے گئے۔ الصق الفک بالحبوب وخذ المسطر بشناطک واجعل جمجتک الی قیہلی حتی لا انقی نخیت الا ودمعہا جمانہ عجیب ذک۔ انہوں نے فوراً کہا کہ اس کے معنی یہ ہیں الزق عصرتک بالصلاة وخذ المنبر باننا بجمک واجعل خذ ورتیک الی الثعبانی حتی لا انیس بدبسة الا او عینہا جبة نیا طک۔ حاضرین جلد اس جواب کو جو سوال سے بھی مشکل تر ہے سُنکر حیران رہ گئے۔

خرزجی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ صاحب قاموس کا جاہ و منصب ہمیشہ ترقی پذیر رہا۔ الی ان ملک اور قاضیان امصار اس کے دست نگر و شفاعت خواہ رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان کو خط لکھا اور زبید سے مکہ معظمہ جانے کی درخواست کی۔ خط کا ترجمہ یہ ہے: "حضور پر غلام کی کمزوری و لاغری اور پیرانہ سالی بخوبی واضح ہے۔ بڑیاں بوسیدہ اور سر سفید ہو چکا ہے۔ اور میری مثال ٹھیک اس مسافر سے ہے جو سفر کیلئے جوتا پہن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ بناء گر چلی ہے۔ اور جمعیت اعضاء نے پرانگی اختیار کر لی ہے میں ایک مشت استخوان ہوں یا زمین پر بیٹھ جانیوالی بنیان۔ اب تو وہ حالت ہو گئی ہے جو سرسبز زراعت کی کٹ کر پھوس رہی جیسا نیسے ہو جاتی ہے

حضور نے سیدنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو صحیح بخاری میں ہے سنا ہو گا کہ جب خدا نے کسی کو ساٹھ سال کی عمر دی تو اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رکھا۔ پس جو شخص رشتہ سے گزر کر اسی تک پہنچا ہوا اسکا تو حال کیا ہے۔

میرے نزدیک کسی مومن کیلئے یہ نشانیاں نہیں کہ اُسپر چار سال گذر جائیں اور بیت اللہ کا شوق اور زیارۃ بیت المرسلین کا ذوق اسے بیتاب کئے نہ دیتا ہو۔ حالانکہ غلام کو چھ سال ہو چکے ہیں کہ اس مبارک راہ پر گام فرسا نہیں ہوا۔ ابو شوق نے بیتاب کر دیا ہے اور بڑی سے بڑی آرزو یہ ہے کہ ایک دفعہ پھر ان مشاہد کو دیکھ لوں۔ اور وہاں کے معاہدے سے عہد یا ندھ لوں میں اپنی درخواست کو حضور کے رحم پر چھوڑتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ اسی سال مجھے سفر حج کی اجازت دیجائے۔ آجکل موسم اچھا اور ہوا خشک ہے پھر گرمی زور پکڑ جائیگی۔ اور پیاس مسافروں کو ستائیگی۔ حضور کو معلوم ہو گا کہ ہمیشہ سے شاہان ممالک کا یہ دستور چلا آیا ہے کہ سال بسال عرفہ سلام کیلئے اپنا قاصد حضرت سید المرسلین صلعم کی بارگاہ میں بھیجا کرتے ہیں۔ اس لئے یہ نہایت الطاف خسرانہ ہو گا کہ اس سال مجھے حضور اپنی جانب سے ہی قاصد بنا کر بھیج دیں۔ بخدا اس کے سوا نہ کوئی مطلب ہے نہ دعا۔ پھر یہ قطعہ لکھا۔

شوقی الی الکعبۃ العزیزۃ اذ دادا فاستعمل القلب الموفیۃ الزاد

واستاذن الملک المنعم زید علی واستودع اللہ اصحابا واولادا

سلطان نے یہ پڑھ کر اپنے قلم سے اسی کاغذ پر لکھ دیا۔ اس بارہ میں زبان کو بولنے اور قلم کو لکھنے کا یارا نہیں ہیں اندھا تھا جو بینا ہو گیا اور اب کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ سابقہ حالت کو قبول کرے تم بھی جانتے ہو کہ خدا نے تمہارے ہاتھ پر کس کس علم مردہ کو زندہ کیا ہے۔ مجد الدین مجھے خدا پاک کی قسم ہے کہ دنیا اور نعیم دنیا کی جدائی آسان ہے۔ اور تمہاری جدائی دشوار۔

تاسی لکھتا ہے کہ مجد الدین کے شعر نہایت عمدہ اور نثر علی ہے۔ موقعہ بوقوعہ شرح حکایات بيشمار بیان کر سکتا تھا۔ خوش قلم تھا۔ اور بہت جلد لکھا کرتا قوی الحافظ تھا مجد الدین کا اپنا قول ہے کہ ہر روز دو سو سطر حفظ کر کے سویا کرتا ہوں اس سے پہلے نہیں سوتا۔

صاحب قاسم نے اپنے لئے ایک محل منی میں ایک مدینہ منورہ میں۔ ایک باغ اور محل طائف میں اور ایک محل جبل صفا پر مکہ معظمہ میں بنا رکھا تھا۔ اہل و عیال مکہ میں رہتے محل کا ایک حصہ بلوچستان میں استعمال ہوتا تھا جس میں چند مدرسین مقرر تھے۔ اور طلبہ کو مفت تعلیم دیجاتی تھی۔

مجدالدین اُن یک فنی و ہر فنی علماء میں سے ایک تھے جو معاصرین میں بھی لیگانہ کہلایا۔ اور مستقبل کو اپنی نظیر سے بیگانہ رکھا۔

۲۰ شوال ۸۱۷ھ ہجری کو زبید (دار الحکومت مین) میں وفات پائی۔ نوٹے سال سے زیادہ عمر پائی اور آخر تک ہوش و حواس قائم اور جملہ اعضاء مضبوط و سالم رہے۔

ملاحمڈ القساری

عہد بایزید بیلدرم سلطان روم کے مشہور و سربرآوردہ علماء میں سے ہیں۔ عالم باعمل اور حسب فضائل و کمالات تھے ۸۵۷ھ میں پیدا ہوئے وطن میں جمال الدین محمد اقسری اور پھر علامہ علماء الدین ابو شارح مغنی و وقایہ سے کسب علوم کیا۔ اور پھر مصر میں شیخ اکمل الدین کی شاگردی اختیار کی پھر روم کو لوٹ گئے۔ یہاں ان کو قاضی بروسا بنا یا گیا۔ والی کو ان سے کمال محبت تھی تیس سال تک قاضی رہے۔ انکی شہرت و فضیلت کل اسلامی ممالک میں مسلمہ تھی۔ فضیلت کیساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیوی جہاد و وجاہت بھی عطا فرمائی تھی چنانچہ وفات کے بعد ان کے خزانہ میں ڈیڑھ لاکھ اشرفی نقد پائی گئی تھی آخر عمر میں بارادہ حج قاہرہ پہنچے بڑے بڑے فضلاء ذکر و بحث علمی کیلئے آئے اور سب انکی فضیلت کا اقرار کر کے اٹھے۔ پہلا حج کر کے پھر قاہرہ واپس گئے۔ اور وہاں سے بیت المقدس کی زیارت کر کے دوسرا حج کیا۔ پھر ایک تیسرا حج کیا۔ جو اس شکرانہ میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ آنکھیں بخشیں۔ کیونکہ مرمن رمد میں انکی بینائی جاتی رہی تھی۔

ان کی تصنیفات میں سے ایک کتاب فصول البدایع فی اصول الشرائع ہے جس میں منابر و زوائد محصول رازی اور مختصر ابن حاجب کو جمع کر دیا ہے۔ ایک الحمد شریف کی تفسیر اور ایک رسالہ المنوذج العلوم نام اس میں ایک سو فن کے مسائل و سچ کئے ہیں۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ مجھے سند حدیث ان سے حاصل ہے المنوذج العلوم کی نسبت ان کا پوتا کہتا تھا کہ میرے والد کی تصنیف ہے۔ اس کے سوا یعنی ایک قطعہ منظومہ ملاحمڈ القساری کا خود قلمی دیکھا ہے جس میں اکثر فنون بیان کئے ہیں علم کا نام بطور چستان لیا گیا ہے بڑے بڑے فاضل اس قطعہ میں چکراتے ہیں۔ اسکی شرح ان کے فرزند محمد شاہ نے کی ہے اور اپنی تصنیف کے اشعار بھی جو

یہی شکل میں مثال شرح کر دیتے ہیں اسی طرح اور بہت سے رسالے اور اکثر کتب کے موافق انہوں نے لکھے تھے مگر درس و قضا کے اشغال نے ان مسودات کو صاف کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ یہی شریف کی شرح موافقت بھی تعلیقات لکھے اور اثر جگہ شایع پر اعتراضات کئے تھے۔ قضا نے بروسل کے علاوہ مملکت عثمانیہ کے مفتی بھی یہی ملاقاتی تھے۔ لوگوں کو ان کے ساتھ تعلق قلبی کا یہ حال تھا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد سے لیکر ان کے گھر تک آدمیوں کا ایک تختہ ہوتا تھا۔ جو زیارت کیلئے گھر سے ہوا کرتے تھے۔ جاہ و شہرت کا یہ حال تھا کہ سینکڑوں لونڈی غلام کے مالک تھے۔ اور ہر ایک غلام امیرانہ زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ چالیس لونڈیاں تو ایسی تھیں جو سو نیکاناج پہنا کرتیں۔ اس شہرت و جاہ پر ملا صاحب کا اپنا لباس بالکل سادہ اور اذنی قیمت کا ہوا کرتا تھا۔ لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی کہ میں اپنی خوراک و لباس اپنے ہاتھ کی محنت سے مہیا کرتا ہوں۔

ایک مقدمہ میں سلطان بایزید خاں نے ان کے سامنے شہادت دی مگر انہوں نے اسکی شہادت کو اس لئے قبول نہ کیا کہ سلطان پابند جماعت نہیں اگرچہ ملا صاحب نے اس سے معیار شہادت کو تو سخت کر دیا۔ مگر سلطان کو ایسی غیرت آئی کہ پابند جماعت ہو گیا۔ کسی بات پر سلطان اور ملا صاحب میں بد مزگی ہو گئی۔ یہ قرآن چلے گئے۔ وہاں حاکم نے ہزار درہم روزانہ ان کے اور پانچ سو درہم روزانہ ان کے طلباء کے مقرر کر دیئے۔ اسی جگہ ملا یعقوب السود و یعقوب الصغر نے ان سے تلمذ اختیار کیا۔ چھ ماہ قناری فخر کرتے رہے۔ سلطان ان کے چلے جانے کے بعد نادوم ہوا اور انکو حاکم قرآن کی معرفت بلا بھیجا۔ قناری چلے گئے اور سلطان نے انکو سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا۔

ملا قناری شیخ حاجی بہرام کے مرید تھے اور عموماً صاحبین سے محبت رکھتے تھے۔ صاحب شقائق النعمانیہ نے ان کے دو اشعار اپنی تاریخ میں درج کئے ہیں جو انہوں نے شیخ عبداللطیف قدسی خلیفہ شیخ زین الدین النعمانی کی مدح میں لکھے تھے اور جو اب انہوں نے دیا تھا۔ میں نے ان اشعار کو چھوڑ دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ بعوض پاشا وزیر سلطان کو ان سے کچھ بغض تھا۔ جب ملا قناری کی بیٹائی جاتی رہی تو بعوض پاشا نے کہا۔ امید ہے کہ ایک روز اس اندھے بوڑھے کی نماز میں بھی پڑھو گا۔ قناری نے سکر کہا۔ وہ جاہل ہے۔ نماز جنازہ پڑھنا نہیں جانتا۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے شفا دے گا۔ اور پاشا کو اندھا کر کے اسی نماز پڑھنے کا بھی مجھے موقع عطا فرمائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد خدا نے ملا کو بصیر کر دیا۔ اور پاشا صوف میں در چشم کئے جانے کی وجہ سے پہلے اندھا ہوا۔ اور پھر مر گیا۔

اور فناری نے اُسکی نماز پڑھائی۔

مؤرخ نے ان کے نابینا ہونے کی ایک روایت یہ بھی لکھی ہے کہ انہوں نے سن رکھا تھا کہ عالم باعمل کی چشم کو خاک نہیں کھاتی انہوں نے تحقیق روایت کیلئے اپنے استاد مولانا علاء الدین انور کی قبر کو جا کھولا۔ دیکھا تو اسی طرح چشم ہوا تھا۔ جب قبر کو بند کرنے لگے۔ تو ایک آواز آئی رھل ضدت اعمی اللہ بصرک یہ اندھے ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ملا فناری اور ملا احمدی ناظم تاریخ اسکندریہ اور حاجی پاشا مصنف کتاب الشفاء بہر دس تھے اور شیخ اکمل الدین کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ایک ولی اللہ کو ملنے گئے انہوں نے احمدی کی نسبت فرمایا کہ یہ تو شعر و سخن میں عمر ضائع کر لیگا۔ اور حاجی پاشا طب میں غلطیوں و پھیپاں رہے گا۔ فناری کو فرمایا کہ یہ دین و دنیا اور علم و تقویٰ کا جامع ہوگا۔

جلال الدین سیوطی ان کے شاگرد کے شاگرد ہیں۔ اور ابن حجر ان کو اکثر علوم کا عالم تسلیم کرتے ہیں۔
ماہ رجب ۸۳۴ھ میں وفات پائی۔

امام احمد بن حنبل کو رانی

سلطان مروان والی روم کے عہد میں ہنات ممتاز فاضلوں میں سے تھے۔ شیخ عارف۔ عالم عامل۔ فاضل کامل ولی اللہ ہونا ان کا مسلم تھا۔ اصول فقہ حنفیہ اپنے ہی وطن میں پڑھ کر قاہرہ گئے اور اسی جگہ فقہ کی تکمیل کر کے قرآن مجید کو یہ ذہ قرأت حفظ و اتقان کیساتھ پڑھا۔ نیز حدیث و تفسیر میں کمال حاصل کر کے علماء عصر کی سنات حاصل کیں۔ تکمیل حدیث کی سند انہوں نے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے لی تھی۔ تکمیل کے بعد قاہرہ میں درس جاری فرمایا۔ اور جو علماء نئے درس میں آئے انہوں نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا۔ انہی ایام میں مولیٰ یکان حجاز کو جاتے ہوئے قاہرہ آئے اور ان کو بلاد روم تک ساتھ لے گئے۔ جب مولیٰ یکان سلطان مروان سے ملے تو سلطان نے پوچھا کہ آپ ہمارے لئے کیا بہ یہ لائے۔ فرمایا۔ ایک عالم جو مفسر و محدث ہے سلطان نے پوچھا کہاں ہے۔ فرمایا۔ ناہر۔ اس وقت احمد بن حنبل طلب ہوئے سلطان ایک گھنٹہ تک ان کے ساتھ بات چیت کرتا رہا جب ان کا پایہ فضیلت معلوم ہوا تو ان کو شہر

بروس کے مدرسہ مراد غازی کا پرنسپل مقرر کیا۔ اور پھر سلطان باغیچاں کے مدرسہ میں تبدیل کر دیا۔ سلطان کا فرزند محمد شہر معنیہ کا حاکم تھا۔ اور مطلق نہ پڑھتا تھا۔ سلطان نے چند اتاد پیاپے مقرر کئے لیکن شہزادہ نے کسی سے ایک سبق تک پڑھا تحصیل علم تو درکنار قرآن مجید معرا سے بھی معرا رہا۔ سلطان نے چاہا کہ کوئی بارعب فاضل ملے تو اسے شہزادہ کا استاد بنائے سلطان کے سامنے احمد بن اسمعیل کا ذکر ہوا سلطان نے ان کو بلایا اور اپنے ہاتھ سے چھڑی دیکر تعلیم شہزادہ پر مامور فرمایا۔ مولانا اس چھڑی کو ہاتھ میں لئے ہوئے شہزادہ کے پاس گئے۔ اسے کہا مجھے سلطان نے تمہاری تعلیم کیلئے مقرر کیا ہے اور یہ چھڑی دی ہے کہ اگر تم میرے احکام کی تعمیل نہ کرو تو میں تمکو سزا دوں۔ شہزادہ یہ سنکر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ ملا کورانی نے شہزادہ کو پکڑ کر چھڑی سے خوب ہی اڑایا۔ شہزادہ کے دل میں ان کا رعب جم گیا اور تھوڑے عرصہ میں ہی قرآن مجید شتم کر لیا۔ سلطان مراد نے ان کو انعامات سے مالا مال کر دیا۔

جب سلطان محمد خاں سربراہ کے سلطنت ہوئے تو انکو وزارت پیش کی گئی۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ کہا حضور کے اتنے خادم ہیں جو درجہ بدرجہ ترقی کی آرزو رکھتے ہیں۔ اور سب کی آنکھ وزارت پر لگی رہتی ہے اگر اس سلسلہ میں سے کوئی بھی نہ ہوا۔ اور ایک ایسا شخص ہو گیا جو ان میں نہیں تو سب کی دل شکنی ہو جائیگی۔ سلطان نے اس جواب کو پسند کیا اور انکو قاضی عسکر کر دیا۔ انہوں نے قاضی ہو کر کاروبار قضا اپنے اقارب کے سپرد کر دیئے سلطان کو یہ حرکت پسند نہ آئی مگر ازراہ شرم و ادب کچھ نہ کہا وزیر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا آپ انکے سامنے اوقاف بروسا کی خرابی کا ذکر کیجئے دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ سلطان نے ایسا ہی کیا۔ کورانی بولے کہ اگر مجھے مامور کر دیا جائے تو انتظام ہو سکتا ہے۔ سلطان نے کہا بیشک ہاں مدت سے آپکی ضرورت ہے اسپر ان کو قاضی بروسا کر دیا گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد ان کے پاس خادم سلطانی سلطان کا خط لیکر آیا۔ اس میں کئی خلاف شرع باتیں تھیں۔ کورانی نے خط چاک کر ڈالا۔ اور خادم کو خوب مارا سلطان اس حرکت سے سخت ناراض ہوا۔ اور ان کو معزول کر دیا۔ یہ بھی خفا ہو گئے اور مہر چلے گئے۔ وہاں ملک قاتیباٹی حکمران تھا اس نے ان کا ہنانت ادب کیا۔ اور کمال عزت و عظمت کیساتھ اپنے پاس ٹھہرایا۔ کچھ عرصہ کے بعد سلطان محمد خاں اپنی حرکت سے پشیمان ہوا اور اس نے ملک قاتیباٹی کے نام فرمان لکھا کہ مولیٰ کورانی کو لیاں بھیجو۔ شاہ نے یہ فرمان کورانی کو سنایا اور یہ بھی التماس

کی کہ آپ یہاں ہی تشریف رکھیں میں سلطان سے بڑھ کر حضور کی خدمت کروں گا۔ انہوں نے کہا یہ سچ ہے۔ مگر اب مجھے جانا ہی چاہیے۔ کیونکہ مجھے سلطان کیساتھ اور سلطان کو میرے ساتھ حد درجہ محبت ہے جو باپ بیٹے ہی میں پائی جاتی ہے۔ سلطان جانتا ہے کہ میرا قلبی رجحان اور طبیعت میلان بجانب سلطان ہے۔ پس اگر میں نہ گیا تو سلطان خواہ مخواہ یہ سمجھے گا کہ تم نے مجھے روک لیا ہے۔ اس سے تمہارے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ یہ چند روزہ بد مزگی جو طرفین میں ہو گئی تھی یہ صرف اتفاقی امر تھا۔ شاہ مصر نے اس تقریر کو پسند کیا اور بہائت تعظیم و تکریم کیساتھ رخصت کر دیا۔ اور سلطان کیلئے بھی قیمتی تحف و ہدایا روانہ کئے۔

سلطان محمد خاں نے قسطنطنیہ میں انکی تشریف آوری کے بعد انکو پھر قاضی بروسا کر دیا۔ اور پھر منصب فتویٰ پر ممتاز بنایا۔ اسوقت انکی تنخواہ بیس ہزار درہم ملہوار تھی۔ پچاس ہزار سالانہ متفرقات کو ملتے تھے۔ تحف و ہدایا مزید برآں ہے۔ آخر عمر تک بہائت عیش و آرام کے ساتھ زیر حمانت سلطانی بسر کرتے رہے۔

ابنہی ایام میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی جس کا نام غایۃ الامانی فی تفسیر سبع المثانی رکھا۔ اس تفسیر میں اکثر جگہ زنجبیری و بیضاوی پر اعتراضات وارد کئے ہیں۔ ابنہی ایام میں صحیح بخاری کی شرح لکھی جس کا نام کوثر الجاری علی ریاض البخاری رکھا۔ اس میں اکثر جگہ کرمانی اور ابن حجر پر اعتراضات درج کئے۔ شرح مجہری پر بہائت لطیف حواشی لکھے۔ حدیث و تفسیر اور علوم قرآن کا درس جاری کیا اور سینکڑوں طلبہ سند فضیلت لیکرانے کے مکتب سے نکلے۔

ان کے تمام اوقات منقسم تھے اور کوئی وقت ایسا نہ تھا جو درس یا فتویٰ یا تصنیف یا عبادت سے خالی ہو۔ ان کے ایک شاگرد کا بیان ہے کہ میں ایک شب اُنکے کمرہ میں سویا عشاء پڑھ کر انہوں نے اول سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ بیچ میں میری آنکھ کھلی دیکھا کہ پڑھ رہے ہیں پھر سو گیا۔ پھر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سورہ ملک پر پہنچ گئے ہیں۔ غرض پو پھٹنے سے پہلے قرآن مجید ختم کر دیا۔ مینے خادم سے پوچھا۔ وہ بولا کہ یہ تو حضرت کی عادت مستمرہ ہے۔

ملا کو رانی دراز قامت مہیب شخص تھے۔ ڈاڑھی گہن کی اور لمبی تھی۔ جسے رنگ کیا کرتے تھے راست گوئی میں بہائت دلیر تھے۔ سلطان اور وزیر کو نام لیکر بلایا کرتے تھے۔ جب سلطان سے ملنے آتے تو صرف سلام سنوں اور مصافحہ کیا کرتے نہ جھکتے نہ ماتھ چومتے اور نہ عید کے دن ملنے جاتے۔ ایک دن سلطان بایزید خاں کو ملنے گئے خادم نے آکر کہا سلطان سلام کہتے ہیں اور التمام

کرتے ہیں کہ کل تشریف لائیے۔ اگلے روز خید تھی۔ کہا میں نہیں آؤنگا۔ خادم نے پھر آکر کہا کہ چلے
 بلا تے ہیں کہا بائش کیو جہ سے کیچر پورہا ہے۔ پیدل گیا تو جراب میں خراب ہو گئی۔ خادم نے کہا
 سلطان نے حضور کو اجازت دی ہے کہ دیوان خاتہ تک سواری پر چلیں۔ جہاں سلطان سواری سے
 اترتے ہیں وہاں اتریں۔

یہ ہمیشہ سلطان کو نصیحت کیا کرتے اور کہا کرتے کہ اگر تو اپنے ورائض کو ادا نہیں کرتا تو کھانا
 اور پینتا تیرا سب کچھ حرام ہے۔ ایک روز ان کو سلطان کیساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ سلطان نے
 کہا مولانا آج تو اپنے بھی حرام ہی کھایا۔ کہا میری طرف کا کھانا حلال اور آپ کی طرف کا حرام ہے
 سلطان نے قاب پھر دیا۔ اب کورانی ادھر سے کھانے لگے جدھر سے سلطان کھا رہا تھا سلطان
 نے کہا اب تو اپنے بھی جانب حرام سے کھالیا۔ کہا نہیں۔ اب حرام ادھر سے اُدھر منتقل ہو گیا تھا
 اسی لئے تمکو برتن پھیر دینے کی سوچھی۔ سلطان خاموش ہو گیا۔

ایک دن لوگوں نے کہا کہ شیخ ابن الوفا ملاخسر کو طے چلے جاتے ہیں۔ اور آپ کی ملاقات کو کبھی
 نہیں آتے۔ فرمایا خسر عالم باعمل ہے اُسکی زیارت ضروری ہے میں اگرچہ عالم ہوں مگر میں سلطان
 سے ملتا جلتا ہوں۔ اس لئے میرے پاس آنا ضروری نہیں۔

ان کی طبیعت کا عجیب خاصہ یہ تھا کہ حسد ذرا نہ کرتے اگر معاشرین میں سے کسی کو عہدہ و منصب
 میں ان پر فوقیت دیجاتی۔ اور کوئی شخص اس بارہ میں ان سے کہتا تو فرمادیتے کہ انسان اپنے
 عیوب کو خود نہیں دیکھتا۔ اگر اسے مجھ پر فضیلت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُسے یہ منصب نہ دیتا۔

ایک روز انہوں نے سلطان محمد خاں کے پاس شکایت کے ضمن میں یہ حکایت سنائی کہ امیر
 تیمور نے کسی بہت ضروری کام پر ایک قاصد روانہ کیا اور اُسے اجازت دیکھی کہ جہاں گھوڑا بدلنا
 چاہے وہاں خواہ کسی کا گھوڑا مل جائے چمائیے۔ خواہ وہ شہزادہ ہی کیوں نہ ہو۔ قاصد سفر کو روانہ ہوا
 اُسے راہ میں ملا سعد الدین تفتازانی کا ملک ملا۔ وہ خیمہ کے اندر اترے ہوئے تھے اور ان کی
 سواری کے متعدد گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ قاصد نے ایک گھوڑا وہاں سے لیا اور چلنے کو
 تھا کہ تفتازانی کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے خادم سے کہہ دیا کہ اسے پکڑ لو۔ نوکروں نے حسب حکم پکڑ کر
 خوب زد و کوب کیا۔ قاصد مار پیٹ کھا کر امیر تیمور کے پاس واپس چلا گیا۔ امیر کو سخت غصہ آیا
 مگر تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ اگر میرا فرزند شاہ رخ مرزا بھی ایسی حرکت کرتا تو میں اسے قتل کر دیتا
 لیکن ایسے شخص کو میں کیونکر قتل کر سکتا ہوں کہ جس شہر یا ملک کو پتے تلوار سے فتح کیا۔ وہاں اسکی

تصنیف پہلے سے داخل و رائج تھی۔

یہ سنا کر کرمانی نے کہا کہ میری تصنیفات مکہ معظمہ تک پہنچ چکی ہیں حالانکہ سلطان کی سیف و مال نہیں پہنچی سلطان نے کہا سچ ہے۔ تفتازانی کی تصانیف کو لوگ خود لکھ لکھ کر لیجایا کرتے تھے۔ اور اپنے خود اپنی تصنیف کو لکھا اور مکہ معظمہ بھیج دیا۔ کورانی، سنس پڑے اور اس جواب کو خوب ہی پسند کیا ۱۹۳۳ء ہجری کو قسطنطنیہ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

وفات کا قصہ بھی عجیب ہے فصل بہار کی ابتدا میں انہوں نے قسطنطنیہ سے پابہر اپنا خیمہ لگوا لیا اور تمام بیچ اسی میں رہے۔ پھر ایک باغ خریدا اور خریف کا موسم وہیں پورا کیا۔ اور اراکین دربار اور وزراء ہر سہفتہ ان کی زیارت کو جایا کرتے۔ ایک روز صبح کی نماز پڑھ کر کہا کہ شہر کے فلاں محل میں چلو۔ اشراف کی وقت اُس میں چلے گئے اور قبیلہ سُخ پہلوئے راست پر لیٹ گئے اور تمام قاریان شہر کو جمع کر لیا۔ کہا تم لوگوں پر میرے کچھ حقوق ہیں اور آج انکے ادا کر نیکادن ہے میں چاہتا ہوں کہ نماز عصر تک مجھے قرآن مجید سناتے رہو قاریوں نے قرآن مجید شروع کر دیا۔ شہر میں یہ خیر مشہر ہو گئی۔ داؤد پاشا وزیر اعظم کو ان سے کمال محبت تھی۔ وہ یہ حالت دیکھ کر رونے لگا۔ فرمایا داؤد کیوں روتا ہے۔ کہا حضرت بہت ہی کمزور اور ضعیف ہوئے جاتے ہیں۔ اس لئے بے اختیار روتا آتا ہے۔ فرمایا مجھے اپنی حالت پر رونا چاہیئے مجھے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بسلامت رکھا۔ اور انشاء اللہ اب بسلامت ہی اٹھائیں گا۔ یازید (سلطان بایزید خاں) کو میرا سلام کہہ دینا وہ خود میرے جنازے پر آئے اور تدفین سے پہلے میرا قرض ادا کر دے۔

اپنی باتوں میں وقت ظہر ہو گیا۔ نماز ظہر اشارے سے پڑھی اور وقت عصر کا اضطرابی کے ساتھ سوال کرنے لگے فوذن نے نماز عصر کی اذان کہنی شروع کی۔ اور انہوں نے پہلی دفعہ اللہ اکبر تو کلمہ طیب پڑھا اور روح کلمہ کیا تھ ہی پرواز کر گئی۔

سلطان نے ان کا تمام قرض قرضخواہوں کو بلا در یافت تمسک و شہادت ادا کر دیا جو ایک لاکھ اسی ہزار ہوا۔ اور پھر خود نماز جنازہ کیلئے حاضر ہوا۔ اس کے جنازہ پر جس کثرت کیساتھ زن و مرد و اطفال تھے اور جس شدت سے عام و خاص پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے وہ ایک خاص واقعہ تھا۔ ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ آج پد حقیقی کس پر سے اٹھ گیا ہے۔ رحمہ اللہ علیہ

ملاحیح الدین و سوسى الموفى خواجه زاده

خواجہ زادہ کے والد یوسف بن صالح تاجر تھے اور تجارت کی وجہ سے بہائت مالدار ہو گئے خواجہ زادہ کے چند بھائی تھے وہ سب تجارت پیشہ تھے۔ خواجہ کامیلان طبع تحصیل علوم کی طرف تھا۔ باپ ہر چند انکو تجارت کی طرف توجہ دلاتا اور ملا بننے سے روکتا تھا۔ مگر ان کو تجارت کی طرف ذرا میلان نہ تھا۔ باپ نے خفا ہو کر ان کا ایک درہم روزانہ مقرر کر دیا تھا اور ان کے مقابلہ میں ان کے بھائی بہائت عیش و آرام اور خدم و حشم سے رہا کرتے۔ ایک دن انکا والد شیخ شمس الدین سے جو عارف با شدہ تھے ملنے گیا۔ اولاد بھی ساتھ تھی۔ انہوں نے خواجہ زادہ کے بھائیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا میرے فرزند ہیں۔ پھر خواجہ زادہ کی طرف جو میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے تھے اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے۔ کہا یہ بھی فرزند ہے۔ پوچھا یہ اس حالت میں کیوں ہے کہا اس نے میرے طریق کو چھوڑ دیا ہے اس لئے میں نے نظر سے گرا رکھا ہے۔ شیخ نے تاجر کو سمجھایا مگر انکی نصیحت بھی کارگر نہ ہوئی۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو شیخ نے خواجہ زادہ کو قریب بلایا۔ تسلی دی اور فرمایا کہ اہل راہ یہی ہے جس پر تو چل رہا ہے۔ اطمینان رکھ خدا تجھے اس رتبہ پر پہنچا بیگا کہ تیرے بھائی تیری خدمت کریں گے۔

طالب علمی میں ان کی یہ حالت تھی کہ کتاب خرید سکتے تھے۔ ردی کاغذوں پر اپنا سبق کسی ہم جمعیت کی کتاب سے نقل کر کے لکھ لیتے اسی تنگی و ترشی کیساتھ انہوں نے معتد بہ علم حاصل کر لیا۔ پھر ابن قاضی اباتلوغ کی خدمت میں اصول و معانی و بیان کی تکمیل کی۔ پھر مدرسہ سلطانیہ بروسا میں حضرت بک سے استفادہ کیا اور اکثر علوم کو بہ تکمیل پہنچایا۔ استادان سے محبت کرتے لگا اور انکو نقل سلیم سے مخاطب کرنے لگا۔ ایک روز ملا حضرت بک نے ان کی سلطان مراد کے پاس سفارش کی سلطان سفر کو تیار تھا اس وقت ان کو قعبہ کسبل کا قاضی مقرر کر دیا اور سفر سے واپس ہو کر مدرسہ اسدیہ کا انتظام ان کے سپرد کیا گیا۔ اس وقت ان کی تنخواہ بیس درہم روزانہ تھی۔ یہاں چھ برس رہے اور تنگدستی سے گذران کرتے تھے۔ اسی جگہ انہوں نے شرح مواقف کو حفظ کر لیا تھا جب سلطان محمد خاں تخت نشین ہوا۔ اور علماء نے دیکھا کہ تحصیل علم کی جانب سلطان کی توجہ ہے تو دور دور سے چل کر سلطان کے پاس پہنچے۔ خواجہ زادہ نے بھی قسطنطنیہ کا ارادہ کیا۔ مگر بوجہ تنگدستی سامان سفر

کا انتظام نہ کر سکے ان کے پاس ایک ترکی خدام تھا وہ کہیں آٹھ سو درہم قرص لے آیا۔ انہوں نے دو گھوڑے خریدے ایک اپنے لئے ایک خادم کیلئے۔ اور قسطنطنیہ پہنچے۔

حمود پاشا وزیر سے ملے اُس نے کہا تم خوب آئے میں سلطان سے تمہارا ذکر کر چکا ہوں۔ میں چلتا ہوں تم بھی آ جاؤ۔ اس وقت سلطان کے سامنے بحث ہو رہی ہے یہ گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے سلطان نے وزیر سے دریافت کیا یہ کون ہے۔ کہا خواجہ زادہ۔ سلطان باخلاق پیش آیا۔ خواجہ زادہ نے دیکھا کہ سید علی اور ملازیرک بحث کر رہے ہیں۔ یہ سید علی کی جانب ہو گئے۔ سید علی تو اٹھ کر چلے گئے۔ پھر بحث انہی کے درمیان رہ گئی۔ حتیٰ کہ ملازیرک کو انہوں نے خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور سلطان نے بھی ان کو کہہ دیا کہ تمہاری گفتگو کچھ نہیں۔

زاں بعد سلطان نے ملازیرک و سید علی کو تو انعامات عظیم فرمائے اور ان کی نسبت کچھ حکمتہ دیا۔ یہ بہتات سب میں بھرے ہوئے واپس آئے۔ خادم لڑ پڑا۔ کہا میاں صاحب اگر آپ کو غم ہوتا تو سلطان آپ کی بھی عزت کرتا۔ نوکرنے اس روز کچھ کام نہ کیا۔ پڑ کر سورا۔ انہوں نے گھوڑے کی خیر بھی خودی اور پھر غم و حزن ہو کر ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے۔

اتنے میں افسر سلطانی خواجہ زادہ کا خیمہ دریافت کرتے ہوئے کپ میں نظر آئے ان افسروں کا خیال تھا کہ دیگر عیاد کی طرح وہ بھی کسی خیمہ میں ہونگے۔ لیکن ایک شخص نے انہیں بتلایا کہ وہ شخص جو زیر سایہ درخت بیٹھا ہے خواجہ زادہ وہی ہے۔ وہ آئے ان کو سلام کیا۔ پوچھا خواجہ زادہ آپ ہی ہیں۔ کہا ہاں وہ بولے کیا سچ! بولے ہاں۔ کہا مدرسہ اسدی کے معلم آپ ہی ہیں۔ کہا ہاں پوچھا کیا ملازیرک کو اپنے آج ساکت کیا ہے؟ کہا ہاں۔ پھر تو وہ آگے آئے اور ان کے ہاتھ پر بوسہ دیکر کہا سلطان نے آپ کو اپنا استاد مقرر فرمایا ہے۔

پہلے تو میں سمجھا کہ یہ تمسخر کرتے ہیں لیکن اسی وقت میرے لئے خیمہ لگایا گیا۔ سواری کیلئے گھوڑے خدمت کیلئے خادم۔ لباس کیلئے قیمتی پوشاکیں موجود کی گئیں۔ سائیس گھوڑا تیار کر کے لایا۔ کہ حضور کو سلطان المعظم کی خدمت میں چلنا چاہیے۔

خواجہ زادہ فرماتے ہیں کہ ترک غلام اب تک سورا تھا میں نے اسے جا کر بلایا۔ کہا اٹھ اور دیکھ کہ میری کیا شان ہے۔ خادم نے آنکھیں تو نہ کھولیں مگر جواب میں کہا مجھے سونے دیکھتے ہیں آپ کی شان دیکھ چکا ہوں میں نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا۔ وہ دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ کہا کیا بات ہے۔ میں نے کہا کہ میں خاص معلم سلطانی ہو گیا۔ خادم نے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور تفصیح خدمت کی معافی کا خواستگار

ہوا۔ خواجہ زادہ کے پاس علاوہ دیگر سامان کے دس ہزار درہم نقد بھی خزانہ سلطانی سے آچکے تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے خادم کا ترہن اتارا۔ پھر سلطان کی خدمت میں گئے۔ سلطان نے ان سے نہ بخانی پڑھی۔ اور انہوں نے اُسے ایک شرح بھی لکھی۔ ان کے تقرب کا یہ حال ہو گیا کہ وزیر اعظم بھی اس پر حسد کرنے لگا۔

ایک روز اس نے سلطان سے کہا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہونا چاہتے ہیں سلطان نے کہا وہ پہلے پاس سے کیوں دور جانا پسند کرتے ہیں۔ وزیر اعظم نے کہا معلوم نہیں۔ مگر انکا منشا یہ ضرور ہے۔ ادھر ان سے کہا کہ سلطان نے آپکو قاضی عسکر مقرر فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا میں پسند نہیں کرتا کہ سلطان حکم دے چکے ہیں انکو کام سنبھالنا پڑا۔

اسوقت انکا والد زندہ تھا جب اس نے سنا کہ خواجہ زادہ قاضی عسکر ہو گئے ہیں۔ اول تو اسے اعتبار نہ آیا۔ اور جب صحت خیر یقینی ہو گئی تو بروسا سے اور نہ اقبال مند فرزند کو دیکھنے کے لئے آیا۔ ان کو خیر ہوئی تو استقبال کیلئے نکلے۔ شہر کے جگہ ٹھاندا اور علماء و اشراف بھی ساتھ تھے۔ جب تاجر کی نظر ان پر پڑی تو پوچھا کہ یہ سامنے کیا ابنوہ ہے۔ لوگوں نے بتلایا کہ آپکا فرزند آپکے استقبال کو آیا ہے۔ کہا وہ اس منصب تک پہنچ گیا۔ بولے ہاں۔ غرض جب وہ قریب پہنچے تو خواجہ زادہ گھوڑے سے اترے اور ادھر ان کے والد بھی دونوں بغلیکے ہوئے۔ باپ نے عذرو تاسف کیا۔ کہ میں نے تمہاری کچھ تربیت نہ کی۔ وہ بولے نہیں اگر آپ مجھے زر و مال عطا فرماتے رہتے تو میں اس منصب تک پہنچتا۔ انہوں نے اپنے والد کو سلطان کے سامنے پیش کیا اور سلطان نے اسے شرف دست بوسی عطا فرمایا۔ پھر خواجہ زادہ نے ایک بڑی دعوت دی جس میں جملہ اکابر و علماء کو مدعو کیا۔ اس دعوت میں اسقدر اکابر آئے کہ انکے بھائیوں کو مکہ میں نشست کیلئے جگہ ملی وہ خدام کی جگہ کھڑے ہو گئے۔ خواجہ زادہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ عارف بائند شیخ شمس الدین کی دعا پوری ہو گئی۔

بعد ازیں سلطان نے ان کو مدرسہ سلطانیہ بردسہ کا اہتمام سپرد کیا۔ انکو نہ استاد سلطان ہونیکا ناز تھا۔ نہ قاضی عسکر ہونیکا غرور۔ مگر اس مدرسہ کے مہتمم ہونیکا ضرور فخر کیا کرتے تھے۔ اس مدرسہ کی وقت کا اندازہ کرنا چاہیے اسوقت ان کو ۵۰ روپیہ روزانہ ملتے تھے اور عمر صرف ۳۳ سال کی تھی۔ یہ قاضی آور تہ پھر قاضی قسطنطنیہ کئے گئے۔

علاعداری کا قول ہے کہ انکا منصب قضا پر مامور ہوتے رہنا مصیبت پر مصیبت تھی۔ اگر وہ ان جھگڑوں میں نہ پڑتے تو ان کے علم و فضل کے نتائج (تصنیفات) کو دیکھ کر بڑے

بڑے علماء ونگ بھلتے

مصلحتیہ میں محمد پاشا وزیر ہو چکا تھا جو سید علی کا شاگرد تھا۔ اور اسی لئے خواجہ زادہ سے خوش نہ تھا اس نے سلطان سے کہہ دیا کہ خواجہ زادہ یہاں کی آب و ہوا کو پسند نہیں کرتے اب ہوا از بنق کی تعریف کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا بہتر وہاں کی فضلہ اور مدرسہ کا اہتمام ان کے سپرد کیا جائے۔ یہ تعمیل حکم از بنق آگئے۔ چند روز کے بعد پھر مستعفی ہو گئے۔ اور عذر کیا کہ اشغال علمیہ میں بہت حرج واقع ہوتا ہے۔

مستعفی ہو کر ایک روز محمد پاشا وزیر اعظم کو ملنے گئے شہر میں جس قدر علماء اور سلطانی مدارس کے مہتمم تھے سب پا پیادہ ساتھ تھے اور یہ خچر پر سوار۔ وزیر یہ ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ مسند چھوڑ کر سامنے بیٹھ گیا۔ یہ صدر میں بیٹھے۔ جملہ علماء از راہ ادب کھڑے رہے کیونکہ سب ان کے شاگرد تھے۔ جیت واپس چلے گئے تو وزیر نے کہا کہ میں ان کی عزت کیا کم کر سکتا ہوں جو منصب کے ساتھ نہیں بلکہ ان کے علم سے تعلق رکھتی ہے۔

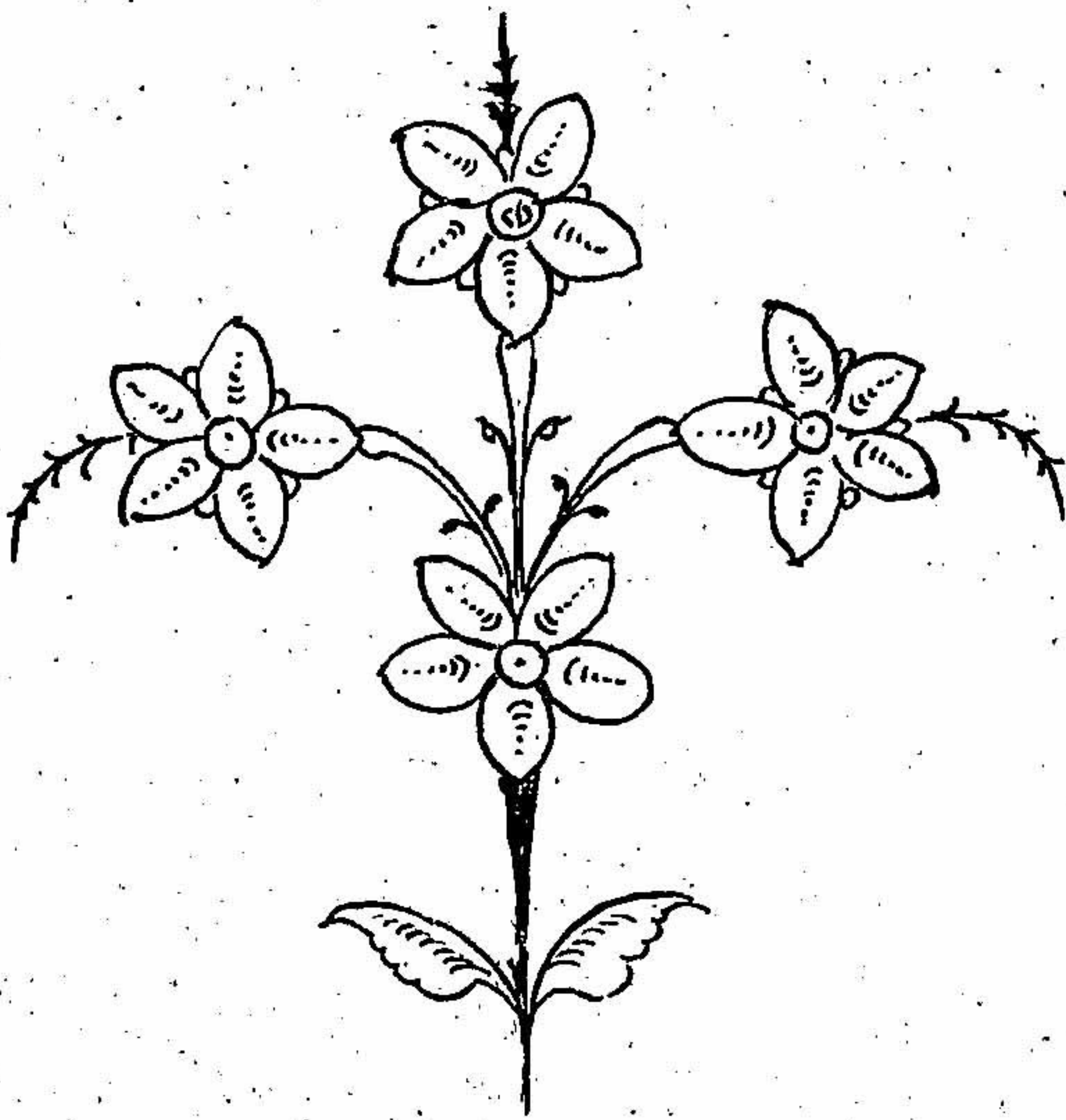
سلطان بایزید خاں نے ان کو ملکر سلطانیہ بروسا کا مہتمم مقرر کر دیا تھا۔ اس وقت ان کو سو سو روپے روزانہ ملتے تھے۔ یہاں ان کے دست راست کو کچھ آسیت ہو گیا۔ اس لئے دست چپ سے لکھا کرتے پھر مفتی بروسا مقرر کئے گئے۔ عادت یہ تھی کہ جب تک کتابیں نہ دیکھ لیتے۔ فتویٰ نہ لکھتے۔ اگر ایک مسئلہ میں دو دفعہ بھی لکھنا پڑتا تو دونوں دفعہ کتابیں دیکھتے۔ کہا کرتے اگر میں سستی کرنے لگوں تو عادت تحقیق نہ رہے۔ کہا کرتے جب جواب مسئلہ مجھے کتب میں نہیں ملتا تو رائے سے جواب لکھ دیتا ہوں۔ یا اگر مسئلہ کی چند صورتیں ہوتی ہیں تو ان میں سے ایک کو ترجیح دیدیتا ہوں۔ اور پھر کبھی نہ کبھی مجھے لکھا ہوا لیا جاتا ہے کہ یہی اصح ہے یا اسی پر فتویٰ ہے۔ کہا کرتے کہ اس فہم سلیم کی وجہ سے مجھے اپنے معاصرین پر امتیاز ہے۔

ملا جلال الدین دورنی نے ان کی کتاب التہافہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ میں بھی اس بارہ میں کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ضروری مجھے منسی میں اڑایا جاتا۔ عزائب اتفاق میں سے یہ ہے کہ انہوں نے حکم سلطانی سے شرح المواقف پر حاشیہ لکھنا شروع کیا۔ مباحث الوجود کے اثناء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ملا بہاء الدین ان کے شاگرد اس مسودہ کو صاف کرنے لگے ان کا بھی اختتام مسودہ کے بعد انتقال ہو گیا۔ جس لفظ پر نام تمام مسودہ ختم ہوتا تھا وہ لایتم المطلوب تھا۔

خواجہ زادہ کہا کرتے تھے کہ مباحث علمیہ میں میرے جیسا ڈرپوک اور کوئی نہیں پوچھا گیا
 کیس طرح۔ کہا جنتک مطالعہ نہ کیا ہو تو میرے جیسا کوئی ڈرپوک نہیں۔ اور جب مطالعہ کر لوں۔
 تو میرے جیسا کوئی نڈر نہیں۔

۸۹۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ روسیہ میں دفن ہوئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ ایک تکمیل
 علم کے بعد قاضی کستل ہو گئے تھے۔ یہ ملازمت چھوڑ کر راجب تصوف ہو گئے۔ دوسرے عقوان
 شباب میں ہی اپنی بہت سی قابلیتوں کو لئے ہوئے خاک میں جا چھپا۔

ان کے حال سے ناظرین کو یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ تجارت منافی علم ہے نہ کہ علم منافی تجارت۔
 کی بحث چھوڑ کر حال ہی کو دیکھئے کہ بغیر علم کے تجارت ہو ہی نہیں سکتی۔ آج کل تجارت میں
 جس قدر عزت و اقتدار ہے وہ محض علم ہی کی بدولت ہے کیونکہ بڑی سے بڑی
 سلطنت کی عزت و اقتدار کا اندازہ اُسکی رعایا کی تجارت کی وسعت پر کیا جاتا ہے اور جس قدر
 زیادہ کسی ملک کی تجارت ہے اسی قدر وہ تہذیب و شائستگی تمدن و ممول میں بالاتر ہے۔



مشائخ واصفیا

حضرت ابوسلیمان داؤد بن نصیر الطائی

پہلے علم پڑھا درس فقہ کیا پھر عزت والفراد اور خلوت و عبادت پر لزوم کر لیا۔ ابتداء میں امام ابوحنیفہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے حتیٰ کہ علم کلام میں کامل ہو گئے۔

ایک دن کسی شخص کی طرف کتکری اٹھا کر ماری۔ کہا ابوسلیمان! پہلے تو تم زبان درازی کیا کرتے تھے اب دست درازی بھی کرنے لگے۔ اس سے ایک سال بعد امام جام کی خدمت میں آتے جاتے رہے۔ مگر نہ کسی سے کچھ پوچھتے اور نہ کسی کو جواب دیتے۔ جب سمجھ لیا کہ تکمیل علم ہو چکی اسوقت اپنی تمام کتابیں دریاٹے فرات میں غرق کر دیں اور خود عبادت کیلئے مستعد ہو گئے ان کے پاس تین سو درہم تھے ان ہی پر ۲ سال تک گذران کرتے رہے۔

کہتے ہیں ماں کے ورثہ میں ایک گھڑ ملا تھا اس کا جب ایک کمرہ گر جاتا دوسرے میں جا رہتے مگر تعمیر اسے کبھی بھی نہ کرایا۔

محمد بن قحطیبہ کو فہم میں آیا کہا مجھے ایک تالیق کی ضرورت ہے جو میرے بیٹوں کو ادب سکھائے قرآن پڑھائے اور سنت نبوی بتلائے اور فقہ و نحو و ادب میں واقف بنائے۔ لوگوں نے کہا یہ سب اوصاف داؤد طائی میں جمع ہیں اس نے دس ہزار درہم داؤد کے پاس بھیجے کہ یہ قبول فرما دیں اور ان سے اپنی حالت درست بنائیں۔ انہوں نے سب واپس کر دیئے اس کے بعد دو تھیلیاں غلاموں کو دیکر ان سے کہہ دیا کہ اگر داؤد نے انہیں رکھ لیا تو تم آزاد ہو۔ داؤد نے پھر بھی قبول کر نیسے انکار کر دیا۔ غلاموں نے عرض کی کہ ہم آپکی مہربانی سے آزاد ہو جائیں گے قبول فرمائیجئے۔ کہا انکار کر دینے سے میں خود دوزخ سے آزاد ہو جاؤں گا۔ اور جا کر کہہ دو کہ مجھے انکا نہ لینا ہی میرے حق میں بہتر تھا۔

کہتے ہیں انہوں نے چالیس برس تک برابر روزہ رکھا اور گھر والوں کو بھی خبر نہ تھی۔ کارخانہ کو جاتے ہوئے دوپہر کا کھانا ساتھ لیجاتے اور راہ میں کسی کو دیکھتے۔ شام کو گھر روٹی کھاتے گھر والوں کو خبر نہ ہوتی کہ یہ روزہ سے تھے۔

ایک دن کسی نے کہا آپ دارھی میں کنگھی نہیں کرتے فرمایا فرصت نہیں۔
 ابولہج اعرج کہتے ہیں میں ایلڈن اسکو ملنے گیا۔ مجھے سخت پیاس لگی۔ منگے میں دیکھا تو گرم پانی تھلینے کہا کاش! آپ پانی دینے اور شکا جدار کہ چھوڑتے۔ فرمایا جب یہ عادت ہو جائے کہ پانی ٹھنڈا ہی پینا ہے۔ اور کھانا عمدہ ہی کھانا ہے اور لباس نرم ہی پہننا ہے تب آخرت کیلئے تم نے کیا باقی چھوڑا؟۔ میں نے کہا مجھے کچھ وصیت فرمائیے فرمایا دُنیا سے روزہ رکھ لے۔ جسے موت ہی کھولے اور عام لوگوں سے اس طرح بھاگ کر طرح درندہ سے بھاگا جاتا ہے۔ اور اہل تقویٰ کی مصابحت اختیار کر۔ تو اسکو دیکھ لیگا کہ وہ کتنے کم خرچ ہوتے ہیں اور بھائی کی کسی اچھی مدد کیا کرتے ہیں۔ نیز جماعت کو کبھی ترک نہ کر بس عمل کیلئے یہی کافی ہے۔

ایک دفعہ ہاروں رشید کوفہ میں آیا سب قاریوں کی ایک فہرست تیار کرالی۔ اور ہر ایک کو ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ داؤد طائی کا نام بھی فہرست میں تھا جب نام پکارتے گئے تو داؤد موجود نہ تھے۔ کہا گیا کہ تو خبر نہیں ہوئی۔ ہاروں رشید نے کہا کہ گھر پر پہنچا دو۔

حماد بن ابی حنیفہ اور سبک بولے ہم لیجاتے ہیں راستہ میں اگر ابن سہم کے کہا مناسب ہے کہ ہم اس روپیہ کو جا کر انکے پاس ڈھیر لگا دیں کیونکہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ روپیہ دیکھ کر اسکی آنکھیں کھل جاتی ہیں جب دونوں انکے پاس پہنچے تو روپیہ سامنے رکھ دیا گیا۔ داؤد طائی بولے کہ یہ کھیل تو بچوں کی بات تھی کیا کرتے ہیں پھر لینے سے انکار کر دیا۔

ان کے پاس ایک لونڈی تھی جو خدمت کیا کرتی۔ ایک دن بولی۔ اگر آپ فرمائیں تو تھوڑا سا گوشت پکا دوں فرمایا ہاں۔ میرا دل بھی چاہتا ہے اس نے گوشت خوب سنوار کر پکایا۔ جب سامنے لا کر رکھا تو پوچھا فلاں یتیموں کا کیا حال ہے۔ کہا یہ ستور بولے لیجاؤ! یہ گوشت بھی انہیں کھلاؤ لونڈی نے کہا اتنا عرصہ ہو گیا اپنے سالن نہیں کھایا۔ آپ کھالیں۔ فرمایا یتیموں کا کھانا ہو اعرش پر پہنچے گا۔ اور میرا کھانا ہو خاک ہو جائیگا۔

ایک دفعہ لونڈی نے روٹی آگے لا رکھی نہ کھائی۔ کہا کیا بھوک نہیں فرمایا روٹی کھانے پانی پینے میں پچاس آیتوں کا وقت صرف ہوتا ہے۔

مخارِب بن دثار کہتے ہیں کہ اگر داؤد طائی امم گذشتہ میں ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کا قصہ ہم کو ضرور سنواتا۔ ان کا انتقال ۱۶۵ھ یا ۱۶۶ھ میں ہوا۔

ان کے حالات سے یہ اخذ کرنا چاہیے کہ پچھلے زمانہ میں جو صوفیائے کرام گذرے ہیں وہ اپنے لئے ذریعہ معاش خود حاصل کیا کرتے تھے اور باوجود ایسی تنگ گذران کے بھی پتیموں۔ راند و نجی عادت کرنا فرض سمجھتے تھے۔ نہ یہ کہ صوفی بنکر اپنا بوجھ قوم کے سر پر ڈال دیتے اور نکمٹوں بن جاتے تھے۔ وہ کسب کو فرض سمجھتے اور عبادت کو نفل

حسرت بشر حافی

ان کی کنیت ابو نصر اور نام بشر بن حرث ہے پچھلی پشت میں عید افتد عبور سے جاتے ہیں۔ عبور امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔

بشر حافی گبار صالحین اور اعیان منورین میں سے ہیں۔ ترسام صنم مرد میں پیدا ہوئے اور بغداد میں آکر رہے۔ خاندانی امیر تھے۔ اور چند پشت سے ان کا آباد و اجداد دیوان وزیر چلے آئے تھے۔ خود بھی ابتدائی حالت میں امیرانہ طرز زندگی بسر کرتے اور عیش و طرب میں رہتے تھے۔

ان کی توبہ کا سبب ہوا کہ ایک دن ان کو راہ میں کاغذ کا پرزہ ملا جس پر آنے جانیا لوٹنے کے قدم پر پڑے تھے۔ انہوں نے اٹھا کر دیکھا تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا اسم پاک لکھا ہوا تھا۔ انہوں نے کاغذ کو ہٹا لیا بازار سے عطر خرید کر اسے معطر بنایا۔ پھر دیوار کی روزن میں احتیاط سے رکھ دیا۔ رات کو خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے بشر! تو نے ہمارے نام کو معطر کیا ہے ہم دنیا و آخرت میں تیرے نام کو معطر کرتے ہیں۔ جب آنکھ کھلی تو گذشتہ اعمال کی ندامت و نفرت دلیں جوش زن تھی۔ نہرا تائب ہو گئے۔

حافی دربر منہ پا لقب کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک جوئی کی نعل گر گئی یہ لوہار کے پاس گئے۔ وہ گھبرا یا ہوا بیٹھا تھا۔ بولا دیکھو یہ لوگ ہمیں کس قدر تکلیف دیتے ہیں بشر نے منہ ہی جوتا پھینک دیا۔ اور عہد کیا اب کبھی نہ پہنوں گا کیونکہ مخلوق ابھی میں سے ایک کو اس تکلیف پہنچتی ہے۔

کہتے ہیں یہ ایک روز معافی بن عمران کو ملنے گئے دستک دی۔ پوچھا کون۔ کہا بشر حافی! اندر سے ایک بھولی لڑکی بولی کاش! تم پانچ چھ آنہ میں جوتا خرید لیتے تو حافی تو نہ کہلاتے کسی نے بشر سے پوچھا

پوچھا کہ روٹی کیساتھ کیا سالن کھایا کرتے ہو۔ فرمایا صحت و عافیت کو یاد کرتا ہوں۔ اور اسی کو سالن سمجھ لیتا ہوں۔

بشر بسا اوقات یہ دعا کیا کرتے تھے اللہم ان شہس تئی لتقضی فی الاخرۃ فاسئلبہ
یعنی اگنی اگر دنیوی شہرت میرے لئے نصیحت آخرت کا سبب ہو تو میری شہرت کو معدوم فرما دے
ان کا مقولہ ہے "دنیا میں عالم کیلئے عقوبت یہ ہے کہ اُسکی بصیرت کو رہو جائے"
فرمایا کرتے تھے "جو دنیا طلب کرتا ہے اُسے ذلت و خواری کیلئے آمادہ ہو جانا چاہیے"
ایک بزرگ کہتے ہیں کہ بشر نے اسی بات حدیث کو کہا کہ اس علم کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہو۔ پوچھا
زکوٰۃ کیا۔ فرمایا دو سو حدیثوں میں سے پانچ پر عمل کر لینا جیسے دو سو درم سے پانچ درم کا خیرات کرنا ہے
ان سے بڑے بڑے صالحین سری سقطی وغیرم نے روایت کی ہے۔ امام غزالی نے اپنی اکثر
کتابوں خصوصاً احیاء علوم الدین میں انکے بہت سے اقوال درج کئے اور ان سے مستفاد ہوئے ہیں
سنہ ۱۰۰۰ھ کو پیدا ہوئے اور چار شنبہ۔ الحرم ۱۰۰۰ھ کو بغداد میں انتقال فرمایا۔

انکی تین ہمیشہ تھیں۔ مضغہ۔ مخمہ۔ زبدہ۔ تینوں غابده۔ زاہدہ۔ متورعہ تھیں۔ مضغہ جو سب سے بڑی
تھی بشر کی زندگی میں فوت ہو گئی تھی۔ ان کو بھن کی وفات سے نہایت صدمہ پہنچا۔ اور نہایت سخت
آہ و بکا کرتے رہے۔ لوگوں نے اسکا سبب پوچھا۔ فرمایا میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ جب بندہ اپنے
پروردگار کی خدمت میں قصور کرتا ہے تو اُسکے انیس جلیس کو اُس سے جدا کر لیا جاتا ہے۔ دنیا میں میری
انیس میری ہی بہن تھی۔

امام احمد بن حنبل کے فرزند ارجمند عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک بڑھیا والد بزرگوار کے پاس آئی۔ کہا
جناب میں رات کو کبھی تو چراغ کی روشنی میں اور کبھی چاند کی چاندنی میں کاتا کرتی ہوں۔ کیا فروخت
کیوقت مجھ کو بتلا دینا چاہیے کہ چاندنی میں کاتا ہوں کو نسا ہے اور چراغ کی روشنی میں کو نسا۔ فرمایا
اگر تو دو نفل کچھ تفاوت خیال کرتی ہے تو بتلا دیا کر۔ بڑھیا نے پھر یہ دریافت کیا کہ کیا بیمار کا کہنا
بھی شکایت میں داخل ہے فرمایا نہیں شکایت نہیں۔ بلکہ اللہ سے اشتکاء ہے۔ وہ چلی گئی تو والد
بزرگوار نے فرمایا کہ ایسے سوال کرتے ہوئے یقیناً کسی کو نہیں دیکھا۔ بعد ازاں اس کے پیچھے پیچھے جاؤ
اور خبر لاؤ کہ یہ کون ہے میں اسکے پیچھے پیچھے چلاؤ بشر کے گھر میں داخل ہو گئی۔ میں نے سچا اگنی بہن ہے
واپس آ کر والد بزرگوار سے ذکر کیا۔ فرمایا بخدا محال ہے کہ بشر کی بہن کے سوا یہ اور کوئی ہو۔
عبداللہ سے روایت ہے کہ مخمہ بشر حافی کی دوسری بہن والد بزرگوار کے پاس آئی۔ کہا۔

ابو عبد اللہ میرا سرمایہ کل دو درہم ہیں۔ انکی روٹی خرید لیتی ہوں اور سوت کات کر نصف درہم لفع پڑھتی ہوں اور ہفتہ میں ایک درہم پر گزاران کرتی ہوں میں رات کو کات رہی تھی کچھ لوگ مشعل لٹے ہوتے میرے پاس سے گزرے یعنی اُسکی روشنی میں دو آٹی سوت کات لیا۔ لیکن یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور بار بارہ میں مجھ پر مواخذہ فرمائے گا کہ کیوں بلا اجازت دوسرے کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہی ہوں۔ اب راتے خدا مجھے صورت نجات بتلائیے۔ خدا تعالیٰ تمکو بھی نجات نصیب کرے۔

امام نے فرمایا اپنے کل سرمایہ کو خیرات کر دے اور بالکل بے سرمایہ ہو جا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اُس سے بہتر تجھے عطا فرمائے وہ چلی گئی تو پیسے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ کاش آپ فرماتے کہ وہ اسی قدر سوت نکال دیتی۔ فرمایا لڑکے! جس درجے کا یہ سوال ہے اُسکی کوئی تاویل نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن تم یہ بتلاؤ کہ یہ کون تھی۔ یعنی کہا تمہارے بشر حافی کی بہن۔ فرمایا تب ہی ایسے سوال کرتی ہے۔

بشر حافی کہا کرتے تھے کہ میں نے درج اپنی بہن سے پکھلے جس کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ جو کھانا وہ کھائے اُس میں کسی مخلوق کا احسان نہ ہو۔

ان بزرگان دین کے حالات پر غور کرنے سے واضح ہو گا کہ انکی بزرگی و عظمت سلوک و معرفت کے بزرگ تریں تین اسباب تھے (۱) شاعر اللہ کی عظمت کرنا۔ (۲) اپنی کمائی سے روٹی کھانا۔ (۳) خلق خدا کو ضرر اور نقصان نہ پہنچانا۔ جب تک ان اوصاف کے حاصل کرنے کی بہت سے زمانہ کے محدث صوفی اور بزرگوار علماء کوشش نہ فرماویں گے اور جیتک وہ ہمیشہ ایسی روٹی کی طلب میں رہیں گے جس میں انکی محنت و خدمت کا حصہ شامل نہ ہو اسوقت تک وہ مسلم بزرگان دین کی راہ پر چلنے والے نہ ہوں گے کاش افراد و اعیان قوم کو درس کے صحیح معنی معلوم ہو جائیں اور اپنا اپنا پینہ ایک کر کے شکم پوری کرنا سیکھیں۔

حضرت ابو عبد اللہ حرث بن اسد مجاہدی

مردان حقیقت میں سے ایک ہی نامی بزرگ ہیں۔ خدا نے ان کو علوم ظاہری اور علوم باطنی کا جامع بنایا تھا۔

درج کا یہ حال تھا کہ باپ ستر ہزار روپیہ چھوڑ کر مرا تو انہوں نے اس روپیہ کو لینے سے اس بنیاد پر انکار کر دیا کہ وہ قدریہ تھا۔ یعنی قدریہ کو جو جس امت جانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ صحیح روایت

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکا ہے کہ مخالف مذہب کی حالت میں فرقہ نہیں بٹسکتا جو سنت
 انہوں نے اتنی بڑی رقم کثیر سے انکار کیا ہے اسوقت یہ کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔
 بیان کیا جاتا ہے کہ جب اُنکے سامنے شبہ امیر طعام رکھا جاتا اور یہ اُسے کھانا چاہتے تو
 انگلیوں کو پسینہ آجایا کرتا تھا۔

ایک دفعہ ان سے عقل کے معنی دریافت کئے۔ فرمایا عقل ایک نور خالص ہے جو تجارب سے
 زیادہ ہوتا اور علم و حلم سے قوت پاتا ہے۔

کہا کرتے تھے کہ تین باتیں گویا ہم لوگوں میں سے جاتی رہی ہیں اول کشادہ روئی جس کیساتھ
 احتیاط بھی شامل ہو (۲) خوش گفتاری جس کیساتھ صفت امانت بھی لگی ہو (۳) برادرانہ برتاؤ
 جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو۔

یہی پہلے شخص تھے جنہوں نے صدیقی اور محدث ہو کر علم کلام میں مستقل تصنیف کی بناء ڈالی
 امام احمد بن حنبل تو انکی اس برکت سے اس قدر ناراض ہوئے کہ میل ملاپ ہی چھوڑ دیا۔ امام ربیع
 کا گمان تھا کہ جب فرقہ مبتدع کا رو کیا جاتا ہے تو مصنف کو پہلے اُنکے دلائل و اعتراضات و
 شبہات کا بیان کر دینا اور پھر جواب لکھنا ہوتا ہے ممکن ہے کہ جس عمدہ عبارت میں یہ مصنف معاف
 کے شبہات و اعتراضات کو لکھ سکا ہے ایسی عبارت میں مخالف نہ لکھ سکتا نہ بیان کر سکتا۔ اور
 ممکن ہے کہ کسی شخص کے دل میں وہ شبہ یا اعتراض پڑھتے ہی جانشین ہو جائے مگر اُسکا جواب
 نہ آئے تو ان صورتوں میں روکنا کیا گیا خود اُسکو رواج دیا۔

کہا۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کی یہ باریک بینی بھی بجائے خود صحیح ہے۔ لیکن جواب نہ لکھنا۔ اور رد
 نہ کرنا اس وقت تک ہی مفید ہوتا ہے جب معترض حامی ہو۔ اور فتنہ کے پھیلائے کا ڈرنہ ہو۔ لیکن
 جب عام لوگ گمراہ ہو چلیں اور علما خاموش ہو رہیں تو اسوقت۔ اگر بنیم کہ نابینا و چاہ است
 و گر خاموش نشینم گناہ است۔ کا مصداق صحیح ثابت ہوگا۔

اس بزرگوار نے جس طرح علم کلام میں تصنیفات لکھیں۔ ایسے ہی علم سلوک کے متعلق بھی کچھ مفید
 کتابیں تحریر فرمائیں اور اس علم میں ایک روح تازہ ڈالی۔

شرح بیان یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ایک ایسا گروہ قائم ہو گیا
 تھا جنہوں نے تحقیق و تشدد میں پرا کر احتیاط اور کسر نفس کے وہ معنی قرار دیے لئے تھے جو شرح کے
 مقصود سے بالاتر تھے۔ یہ لوگ گویا حکیم کی دوا کا استعمال تو کرتے تھے مگر دزن دوا اور موم کی رعایت

وغیرہ کو قبول سمجھتے تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ انسان کیلئے نفس اور عادت اور رسم بڑے موانع ہیں۔ اس لئے انکا قلع قمع کر دینا چاہیے۔ یہ قرار دیکر طعام لذیذ۔ لباس نرم اور جماع وغیرہ کو بیکخت چھوڑ دیا۔ اور صرف اس قدر طعام پر کفایت کر لی جس سے سانس باقی رہے۔ حتیٰ چاہ وہ مال کے فراموش کر دینے کیلئے سنان جنگلوں اور غیر آباد پہاڑوں کی سیاحت و سبوت اختیار کر لی۔ جسکا نتیجہ ہمیشہ عوفناک اموات ہوتا تھا۔ غرض ایسی طبیعت بنالی کہ نہ اسکا دنیا کیساتھ لگاؤ رہا اور نہ دنیا کو ان سے کچھ رسم و راہ باقی رہی۔ قوت ادراکہ کو ریاضت کر کے ایسا بنا لیا کہ حدیث نفس کا وہیں گزیر ہی نہ ہو سکے۔ اور معانی اذکار کے سوا کوئی بہم تک نہ آسکے عبادت و معاملات میں فقہاء کے اختلاف و شبہات کو نذر انداز کر کے اپنے اوقات کو ایسا معمور کر لیا تھا جس سے بڑھ کر تھوڑے میں نہیں آسکتا۔ غرض یہ ایک عامیانا تصوف تھا جس میں ریاضت کا کوئی اندازہ مقرر نہ تھا۔ اور اول و آخر راہ کی کچھ تمیز نہ تھی۔

حرف محاسبی نے سب سے پہلے اس طریقہ پر نگاہ ڈالی۔ اور اسکی درستی کے متعلق چہنہ قاعدے مترتب کئے۔ تاہم ایک مخلوط جیسی کیفیت رہی انکے بعد جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریقہ کو اور بھی درست بنایا۔ اور سلوک کی بناء لطائف خمسہ نفس۔ قلب۔ عقل۔ روح۔ سر پر ڈالی گئی۔

جسم انسان کے اندر ہر ایک لطیفہ کیلئے مقام اور اسکی خاصیت اور طریقہ تہذیب مقرر کیا چنانچہ نفس و قلب و عقل کی تہذیب کا نام اصطلاحاً طریقت رکھا۔ اور روح و سر کی تہذیب کا نام معرفت قرار دیا۔

قوت القلوب کے مصنف جنکو صوفیہ میں وہی درجہ ہے جو فقہاء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہ انہوں نے بھی حضرت جنید کے طریقہ کو ہی پسند کیا۔ اور انہیں وجوہ سے حضرت جنید کا لقب سید الطائف ہو گیا۔

خواجہ عبدالخالق عجدوانی نے آٹھ اصطلاحیں اور قائم کر کے طریقہ کی بنیاد کو اپنر قائم کیا جو یہ ہیں (۱) ہوش در دم (۲) نظر بر قدم (۳) سفر و وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) باز گشت (۷) نگہداشت (۸) یادداشت۔

خواجہ نقشبند احرار رحمۃ اللہ علیہ نے تین اصطلاحیں اور زیادہ فرمائیں۔ وقوف زمانی۔ وقوف قلبی۔ وقوف عددی۔ اب انکی مختصر طور پر تعریف سنو۔

ہوش دردم کے معنی ہر دم کی ہوشیاری ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر سانس پر تجسس رکھنا کہ غافل
ہوں یا ذاکر۔

نظر برق دم سے یہ مراد ہے کہ چستے پھرتے ادھر ادھر نہ دیکھے بلکہ نظر کو پریشانی سے بچانے
کیلئے قدم پر ہی جمائے رکھے۔

سفر و وطن سے مراد ہے کہ بشری صفات خبیثہ سے ملکوئی صفات فاضلہ کی طرف نقل کرتا ہے۔

خلوت دراجمن سے یہ مراد ہے کہ جمیع حالات بشری میں رہ کر بھی اللہ تعالیٰ سے مشغول رہے۔

یاد کرو سے مطلب یہ ہے کہ جس ذکر کی تعلیم مرشد نے دی ہو۔ اُس کا تکرار کرتا ہے۔

بازگشت سے مطلب یہ ہے کہ ذکر کے اندر مناجات کرے اور مناجات کے بعد ذکر۔ اس طرح مکرر کرے

نگاہ و اشت بظرات نفس اور احادیث خاطر کے دور کرنے سے مراد ہے۔

یادداشت۔ اُس توجہ سے مراد ہے جو واجب الوجود کی حقیقت پر الفاظ اور تخیلات سے خالی

ہو کر کی جاوے۔

وقوف زمانی۔ ہوش دردم کے قریب قریب۔ فرق یہ ہے کہ ہوش دردم مبتدی کیلئے مناسب

ترہ ہے اور وقوف زمانی متوسط کیلئے۔

وقوف عدوی کا تعلق یاد کرو سے ہو سکتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ شمار ذکر طاق پر رکھے نہ حیفیت پر۔

وقوف قلبی سے مراد توجہ کو اس دل کی طرف جو سینہ میں جانب چپ سے منعطف رکھتا ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد ہرندی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف کو چھ قرار دیکر ہر ایک کے مقام اور

رنگ کا تعین فرمایا۔ اور انتساب و ارتباط کی نسبت کو قوی کر دیا۔ لطائف کی بحث وغیرہ کا

بیان طویل ہے۔ اور اس جگہ ہمارے مقصود سے بھی بعید ہے اس قدر ذکر سے صرف یہ دکھلانا تھا

کہ طریقہ سلوک جس پر صوفیہ چل رہے اور کتابیں لکھی جاتی ہیں اُسکی بنیاد حرث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ

نے ڈالی تھی۔ زہد و سلوک میں اُنکی متعدد کتابیں ہیں اور شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کیساتھ اکثر

جوانی گفتگو ہوتی رہی وہ بعض کتب میں مفصل درج ہے۔

انہوں نے ۲۴۳ ہجری میں انتقال فرمایا۔ آخر میں ایسی عزت گزینی اختیار کر رکھی تھی کہ جنازہ

کی نماز پر بھی صرف چار شخص ہی پہنچے۔

محاسبی لقب کی وجہ یہ ہے کہ اپنے نفس کا خود حساب کر لیا کرتے اور اپنے اعمال پر روزانہ نظر ڈال لیتے تھے۔

امام الاولیاء سید عبدالقادر جیلانی

عبدالقادر نام۔ ابو صالح کنیت ہے۔ آپکا سلسلہ نسب منجانب والد بزرگوار امام حسن علیہ السلام تک۔ اور منجانب والدہ مکرمہ امام حسین علیہ السلام تک منتهی ہوتا ہے نسب عالی اس طرح ہے۔

شیخ عبدالقادر بن سید موسیٰ بن سید عبدالقادر بن یحییٰ الزاہد بن سید محمد بن سید داؤد بن سید موسیٰ بن سید عبدالقادر بن سید موسیٰ الجون بن سید عبدالقادر المحض بن حسن مثنیٰ بن امام حسن سبط الرسول علیہ السلام

امام حسن علیہ السلام۔ ولادت نصف رمضان ۳۰۰ھ انتقال ربیع الاول ۵۹۰ھ ہجری
امام حسن مثنیٰ۔ (شوہر فاطمہ دختر امام حسین علیہ السلام) وفات ۳۹۰ھ
عبدالقادر محض۔ پہلے بزرگ ہیں جو جانین (پدر و مادر) سے فاطمی ہیں اور شیخ بنو ہاشم کے لقب سے ملقب۔

موسیٰ الجون۔ سانولے رنگ کی وجہ سے چون کہلاتے تھے تاریخ میں بہائت نام آور ہیں۔
الغرض حضور کا سلسلہ نسب سلسلہ الذہب ہے۔ بعض حساد نے حضور کے جسمی ہونے کا انکار اس لئے کیا۔ کہ حضور شیخ کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کو معلوم نہیں کہ زبان عرب میں شیخ کسی ذات یا قبیلہ کیلئے مستعمل نہیں۔ بلکہ اسم شیخ تو فضائل ذاتی اور کمالات صلی حکومت ظاہری۔ یا باطنی کے اظہار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

آپکی ولادت گیلان میں ۳۰۰ھ یا ۳۰۱ھ کو ہوئی۔ آخری سند زیادہ صحیح ہے ۹۱ھ کی عمر پائی اور ۵۶۲ھ کو ارتحال فرمایا۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

سین کامل و عاشق تولد و فائش وال کہ معشوق آہی

گیلان سے آپ تحصیل علم کیلئے بغداد میں آئے۔ اس سفر کیلئے والدہ مکرمہ نے چند اشرفیاں ان کی صدی میں ہی دیں۔ آخری وصیت انکی یہ تھی۔ کہ بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا جس قافلہ کیساتھ آپ سفر کر رہے تھے اس پر ہزن پڑے ایک ڈاکو نے ان سے پوچھا

۳۰۰ھ واقع الانوار شہرانی۔ ۱۲۰ھ منہ

کہ لٹکے تیرے پاس بھی کچھ ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ اتنی اشرفیاں ہیں وہ بولا کہاں۔ فرمایا یہ میری اندر کی صدی میں ہیں۔ اُس نے تلاشی لی۔ اور اشرفیاں نکل آئیں۔ ڈاکو حیران رہ گیا۔ پوچھا۔ تو نے کیوں بتلایا۔ فرمایا میری والدہ نے کہا تھا کہ جھوٹ نہ بولنا۔ وہ آپ کو اپنے سردار کے پاس لے گیا۔ سردار پر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا۔ کہ اُس نے قافلہ کا کل مال معصوبہ واپس کر دیا۔ اور خود تائب ہو گیا۔ اور یہ واقعہ آپ کی کرامات میں شمار ہوا۔

آپ نے نظامیہ میں تکمیل علوم حاصل کی اور ۱۳ علوم میں آپ کو دستگاہ کامل حاصل تھی پھر خود اپنا درس جاری فرمایا۔ صبح و شام تفسیر اور حدیث اور مذہب و ضلایات اور اصول و نحو کا درس دیا کرتے تھے۔ ابتداء شافعی المذہب تھے بعد ازاں امام احمد بن حنبل سے رحمۃ اللہ علیہ کے اصول پر جملہ مسائل کا استنباط قرآن مجید اور حدیث پاک سے فرمایا کرتے اور بس۔ درس کے بعد ریاضیات و مجاہدات کا شوق غالب ہوا اور برسوں تک بابل کے کھنڈرات میں گنتا می کے ساتھ مصروف عبادت و ریاضیات رہے۔ اس درجہ کی تکمیل کے بعد پھر بغداد میں تشریف لائے۔

درس علوم کیساتھ درس تو سید کو بھی شامل فرمایا۔ دنیا نے اسلام میں آپ کی شہرت و عظمت کا آواز پھیل گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ مرجع المخلوق ہو گئے۔ علماء عراق مسائل مشککہ میں آپ سے ہدایت حاصل کیا کرتے تھے ایک فتویٰ پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے طلاق بائن کی قسم کھالی۔ اگر وہ زمین پر تنہا ایسی عبادت نہ کرے جسے اور نہ کرے ہوں۔ کسی عالم کی سمجھ میں اس کا جواب نہ آیا۔ پیران پیر نے فرمایا۔ وہ مکہ معظمہ جائے اور مطاف کو خالی کر اگر طواف کرے قسم پوری ہو جائیگی۔ رہے اس جواب کو پسند کیا اور سبحان من النعم علیہ زبان سے ادا کیا۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے اس بندہ پر یہ انعام فرمایا)

فرمایا کرتے کہ بعض اوقات مجھ پر ایسے ایسے باطنی بار گراں آکر پڑے ہیں کہ اگر پہاڑ پر آگرتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ میں اسوقت اپنا پہلو خاک پر رکھ دیتا ہوں۔ اور یہ آیت مبارکہ پڑھا کرتا ہوں۔ **إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا** اللہ تبارک و تعالیٰ اُس بوجھ کو دور فرمادیتا ہے

فرمایا۔ ایام ریاضیات کا ذکر ہے۔ کہ ایک روز میں سر و پا برہنہ سرسبز گشت لگا رہا تھا۔

کاتے پاؤں چوم رہے تھے۔ آفتاب کی نمازت سر کی چتر بنی ہوئی تھی۔ میں اپنی حالت میں
 محو تھا۔ چلتے چلتے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مجھے مردہ سمجھا
 آبادی میں لائے۔ دفن کفن کی تیاری کر لی گئی۔ جب مجھے غسل کیلئے تختہ پر ڈالا گیا۔ تو پانی
 پڑتے ہی مجھے ہوش آ گیا۔ اور اٹھ بیٹھا۔ اور سمجھا کہ لطف ربانی سے حیات تازہ عطا ہوئی ہے
 آپکے شہد میں ایک زاہد صالح نے دعویٰ کیا۔ کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھا ہے
 اسے حضور کے سامنے لایا گیا۔ حضور نے اسے جھڑکا۔ اور توبہ کیلئے ارشاد فرمایا۔ وہ ثابت ہو گیا
 لوگوں نے پوچھا۔ کیا یہ کاذب ہے۔ فرمایا نہیں اسکی بصیرت پر تجلی ربانی ہوئی۔ اور بصیرت
 کا انعکاس بصر پر ہوا۔ اور اس نے سمجھا کہ یہ واقعہ روئت بصری ہے۔ حالانکہ بصیرت
 اور شے ہے اور بصر اور شے۔ بعد ازاں یہ آیت پڑھی *سَجَّ الْجَبَّيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ*
كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اٰلِ عِلْمٍ مَّحْظُوْظًا هُوَ لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ
 فرمایا ایک بار میرے سامنے نور عظیم جلوہ ریز ہوا۔ وہ سائے آفاق پر چھایا ہوا تھا۔

آہستہ آہستہ یہ نور مجھ سے قریب تر ہوتا گیا۔ اور پھر آواز دی اے عبد القادر میں تیرا رب
 ہوں۔ اور میں جملہ محرمات تجھ پر حلال کرتا ہوں۔ مینے کہا دور ہو۔ دور لعین۔ یہ کہتے ہی وہ نور
 تاریکی سے بدل گیا۔ اور بڑی بونگلی۔ پھر آواز آئی کہ عبد القادر تو اپنے علم کی وجہ سے میرے
 داؤ بیچ سے بچ نکلا۔ ورنہ میں ستر نامور شخصوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔ مینے کہا۔ میں کون۔ یہ تو
 اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ لوگوں نے پوچھا حضور کیونکر سمجھے کہ وہ شیطان ہے۔ فرمایا۔ اس کے
 یہ کہنے سے کہ محرمات کو تجھ پر حلال کرتا ہوں۔

فرمایا کرتے۔ کہ فقیر صابر غنی شاکر سے بہتر ہے اور فقیر شاکر دونوں سے بہتر۔ اور فقیر صابر
 و شاکر سب سے افضل ہے۔

لوگوں نے پوچھا حسن خلق کسے کہتے ہیں۔ فرمایا مرط العرق۔ اور استصفا نفس کے بعد
 تجھے خلق خدا کے جو روح کا احساس نہ ہو اسے حسن خلق کہتے ہیں۔

پوچھا گیا۔ بقا کسے کہتے ہیں۔ فرمایا بقا کا تعلق لقا سے ہے اور لقا کی حالت *تَحْكُمُ الْبَصَرُ*
اَوْ اَقْرَبُ هُوَ ہے۔

فرمایا کرتے۔ ذکر محبت ہے اور ذکر الہی پر دل لگانے والا محبوب۔ دنیا تیرے سے ہے تجنا
 ہے۔ اور تیرا نفس اللہ کیلئے حجاب ہے۔

شیخ علی بن ہستی کا قول ہے کہ شیخ عبدالقادر کا طریق تجرید توحید اور تفرید توحید کا ہے وہ موقف عبودیت میں قائم الاسوال ہیں۔ اور یہ وقوف نہ کسی شے کیلئے ہے اور نہ کسی معادنت سے ہے۔

شیخ بقابن بطور کا قول ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ اتحاد قول و فعل کا طریقہ ہے اس طریقہ میں اخلاص و تسلیم کا معانقہ ضروری ہے۔ یہ وہ طریق ہے کہ ہر ایک خطرہ اور واردات قلبی اور مشاہدات میں موافقت کتاب و سنت لازمی ہے۔ اکثر اولیاء کا قول ہے کہ حضور کا طریقہ توحید و صفا۔ اور حکمت و حال کا طریقہ ہے شریعت کی پابندی ظاہر و باطناً ضروری ہے قلب فارغ۔ نفس غائب اور رب حاضر کیساتھ معاملات کی ترقی ہوتی ہے۔

ابوالفتح ہروی کہتے ہیں مجھے ایک شب حضور کیساتھ حجرہ خاص میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ اول شب بکے سے نفل پڑھے پھر ذکر میں مشغول ہو گئے اور ثلث شب تک ذکر کرتے رہے پھر نوافل کیلئے کھڑے ہو گئے اور تلاوت شروع کر دی۔ ثلث دوم سیرج پوری کر دی۔ اس نماز میں سجدات بہت ہی لمبے لمبے ہوتے تھے۔ بعد ازاں قبلہ رخ بیٹھ گئے۔ اور دعائیں مانگنے لگے۔ دعائیں وزاری اور التہاب و بیقراری کا نمونہ تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ حضور پر نور اتر رہے جس سے میری نگاہ چکا چونہ رہ جاتی۔

خاصاں بارگاہ کو بایں الفاظ نصیحت فرمایا کرتے۔

اَسْبَعُوا وَلَا تَبْتَدِعُوا وَأَطِيعُوا وَلَا تُخَفُّوا
وَلتَطَهَّرُوا وَامِنَ الذَّنُوبِ وَلَا تَلَطَّفُوا

اسماع کرنا سیکھو۔ بدعت کے کام مت نکالو۔ اطاعت کیا کرو۔ الگ ساہ اختیار نہ کرو۔ گناہوں سے طہارت حاصل کرو۔

وَعَنْ بَابِ مَوْلَاكُمْ لَا تَسْتَبِجُوا وَأَصْبِرُوا وَلَا تَجْتَرِعُوا وَاثْبِتُوا

ان میں آؤ وہ نہ ہو کرو۔ اپنے مالک کے آستانہ پر ڈٹے رہو۔ صبر رکھو۔ بے صبری سے بچو۔ ثابت قدم رہو۔

وَلَا تَتَفَرَّقُوا وَلَا تَسْتَيْسَسُوا وَاجْتَمِعُوا عَلَى الذِّكْرِ وَلَا تَتَفَرَّقُوا

تفرقہ سے بچو۔ رحمت الہی سے مایوس نہ ہو۔ ذکر الہی کیلئے ہوجایا کرو۔ اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔ آپکی تعلیم تھی۔ اپنی نفسانیت سے علیحدہ ہوجاؤ اور دعویٰ ملکیت سے دست بردار

رہو۔ اور سب اشیاء کو مالک کے سپرد کرو۔ اور اپنے دل کے دروازہ پر دربان بیکر بیٹھ جائے
جسے اندر جانے کی اجازت ہے اسے اندر جانے دو۔ اور جسکے لئے اجازت نہیں اسے
روکو۔ اور یاد رکھو کہ ہوا و خواہش کو قلب کے اندر نہ جانے دو۔ یہ تجھے ہلاک کر دینگا۔

فرمایا کرتے اپنے احوال کی شکایت کسی دوسرے سے مت کرو۔ نہ دوست سے نہ قرابتی سے
ایسا کرنا تو اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا ہے۔ ہاں کسی مخلوق پر اعتماد اور بھروسہ نہ رکھو اور کسی سے کچھ
سوال بھی مت کرو۔ اور کسیکو دل کی حالت بھی مت بتا۔ یاد رکھو کہ رب کے سوا کوئی فاعل نہیں
اسی کے قبضہ میں ہر شے کی مقدار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے ضرر پہنچائے گرفت کرے۔ تو اس کے
سوا اور کوئی اس حال کا دور کرنے والا بھی نہیں۔

فرمایا کرتے۔ شاہان دنیا کے دربار میں لوگ جب جا سکتے ہیں کہ صاف و پاکیزہ ہوں۔
پھر شاہنشاہ حقیقی کے دربار میں عصیان کی نجاستوں اور شرک کی آلودگیوں کے ساتھ کیونکر
داخل ہو سکتا ہے۔

فرمایا کرتے۔ اگر تیرے دل میں کسی شخص کی محبت یا بغض ہو تو اس کے اعمال کو کتابت و محبت
کے سامنے لاؤ۔ اگر اس کسوٹی پر اس کے اعمال پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت کیا کرو۔ اور اگر
مکر وہ ثابت ہوں تو خود بھی اس سے کراہت رکھو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تب تمہاری محبت یا بغض
کی بنیاد ہوائے نفسانی ہوگی اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے۔ **وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ**
فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ہوائے خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ
کر دے گی۔

فرمایا کرتے۔ ابتلاء کا بطور عقوبت و عذاب ہونا اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ صبر جاتا رہے
اور خلقت کے سامنے وہ شخص آہ و زاری کیا کرے۔ اور ابتلاء کا بطور کفاحہ گناہ ہونا اس طرح
ثابت ہوتا ہے کہ صبر تمہیل کے ساتھ آہی برواشت ہو۔ نہ شکوہ ہو نہ شکایت نہ گریہ ہو نہ زاری
طریق موعظہ آپ کا طریق باند و بود ظاہر امیرانہ ہو کرتا تھا۔ بہارت مکلف لباس
ازیب تن فرماتے جو پارچہ خلیفہ وقت کیلئے تیار ہو کر آتے۔ اپنی کا
استعمال خود بھی فرمایا کرتے۔

آپ کی عظمت آپ کے عہد سے لیکر آج تک جو قدر اہل کمال اہل علم و فضل گزے ہیں۔ وہ
سب کے سب آپ کی جلالت شان اور رفعت و متکامہ کے معترف ہیں۔ اہل حدیث

اہل فقہ اہل کلام۔ اہل تصوف سب نے آپ کا امام ہونا تسلیم کیا ہے۔ حتیٰ کہ پیران پیر کا لقب علی
آپ ہی کیلئے علم و معرفت بن گیا ہے۔

شیخ سعدی شیرازی (المولود ۱۱۵۵ھ) نے بھی نظامیہ بغداد ہی میں تعلیم پائی تھی۔ جہاں
حضرت پیران پیر بھی متعلم و معلم رہے تھے۔ سعدی کی ولادت آپ کی وفات سے ۱۳-۱۴ سال
بعد کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قریب ترین زمانہ میں بھی لوگوں میں حضرت کے اقوال و افعال
مشہور و معروف تھے۔ گلستاں میں ہے: عبد القادر جیلانی را دیدند کہ سر پر سنگ ریڑھ تھے

کعبہ ہنوادہ میگفت کہ اے بار خدا نے اگر من لائق بخشا نشیستم مراد روز قیامت نابینا بردار
تا در روئے نیکال شتر سار نہ باشم

جو لوگ زیارت کعبہ (تراہا اللہ شرفا و تعظیما) سے مشرف ہو چکے ہیں۔ انہوں نے دیکھا ہوگا
کہ صحن کعبہ میں پتھر کی کنکریاں بچھی ہوئی ہیں۔ مسجد نبوی میں کنکریوں کے بچھانے کا دستور
محل ولادت سے بچنے کیلئے نکلا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
کے اس فعل کا استحسان فرمایا تھا۔ عمر فاروق کے عہد میں حرمین کی ہر دو مساجد عالیہ کے صحن
میں بھی کنکریاں بچھائی گئیں۔ یہ جلد ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور دھوپ کا اثر ان سے جلد
زائل ہو جاتا ہے۔

لوگ ان کنکریوں پر جانماز مصلیٰ وغیرہ کا فرش کر کے نماز پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت پیران
پیر کے اظہار افتقار و عبودیت پر نگاہ کرو۔ کہ ان کنکریوں پر کوئی کپڑا نہیں بچھایا۔ اب غور کرو
الفاظ پر۔ ان سے کس قدر تذلل اور احتقار نفس۔ اور کبر پائی مسجود کا اظہار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا
ہے کہ سعدی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت کی صدہا کرامات میں سے سب سے بڑی کرامت یہی تھی
جسے انہوں نے اپنی بے نظیر تصنیف گلستاں کیلئے انتخاب فرمایا۔ کہ حضرت کے مقام عبودیت
کو کھلی روشنی میں دکھلایا جائے۔ درحقیقت ہر ایک بزرگ کی بزرگی۔ اور ہر ایک رفیع الذکر کی
رقبت و سنگاہ مقام عبودیت ہی پر منحصر ہے اللہم امرزقنا منہ نصیباً وافلاً۔

حضرت تصانیف میں سے زیادہ مشہور غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ہیں جس شخص نے
فتوح الغیب کو غور و تدبیر سے نہیں پڑھا۔ وہ حضرت سے بالکل نا آشنا ہے۔

اس کتاب میں علم و حکمت اور اہل علم و معرفت کے لطائف عالیہ درج ہیں۔ اسی کتاب سے
انسان تصوف اسلامیہ کا فرق تصوف یونانیہ و ایرانیہ و ہندیہ سے معلوم کر سکتا ہے۔

قوت الخیب سے واضح ہے کہ حضرت نے اہل مجاہدہ و محاسبہ کو مندرجہ ذیل دس نصیحتیں فرمائی تھیں اور فرمایا کہ ان خصال کی پابندی سے منازلِ عالیہ تک پہنچی ہو جاتی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کی سو گند نہ کھاؤ۔ احتیاط رکھو کہ مہو ابھی تمہاری زبان سے صلف یا اللہ کا لفظ نہ نکلے۔ اس خصلت کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار کا ایک دروازہ اس کے قلب پر کھول دیا جاتا ہے۔ رخصت پایہ حاصل ہوتی ہے اور عزم و ارادہ میں قوت و استحکام آجاتا ہے۔

۲۔ جھوٹ سے بچو ہنسی مذاق میں بھی جھوٹ کا استعمال نہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شہ صدر فرمائے گا۔ اور علم صافی عطا کریگا۔

۳۔ ایفلٹے وعدہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سخا و حیا کے مراتب تم پر آشکارا ہو جائیں گے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیلئے لعنت کا لفظ استعمال نہ کرو۔ ابرار و صادقین کے اخلاق کا یہی نمونہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسکی بھی حفظ آبرو فرماتا ہے۔ اور گزند خلق سے اسے مامون کر دیتا ہے۔

۵۔ کسی کے لئے بددعا نہ کرو۔ جو رو تم کی برداشت صبر کیسا تمہ کیا کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ محبت عامہ اور قبولیت عامہ کا منصب اُسے مخلوق میں مل جاتا ہے۔

۶۔ اہل قبلہ میں سے کسی کے مشرک یا کافر یا منافق ہونے کی قطعی شہادت نہ دو۔ اسی میں اتباع سنت نبوی ہے۔ اور اسی بات سے علم الہی میں مداخلت کرنے سے انسان بچ سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رحمت عامہ کے فیضان سے اُسے بھی حصہ بکثیر مل جاتا ہے۔

۷۔ معاصی سے ظاہری ہوں یا باطنی۔ بالکل قطع نظر کر لے اور اپنے جوارح کو بھی بچائے نتیجہ یہ ہے کہ قلب و جوارح کو اس کا اثر نام جلد جلد معلوم ہو جائے گا۔

۸۔ اپنی معیشت و روزی کا بوجھ کسی مخلوق پر نہ ڈالے۔ اسی عادت مبارکہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت بخوش اسلوبی ادا ہو سکتی ہے۔ اور اسی میں کمال عزت ہے۔ اسی سے یقین اور اعتماد علی اللہ کی صفات کی تکمیل ہوتی ہے۔

۹۔ ابن آدم سے ذرا بھی طمع نہ رکھے۔ عزت بزرگ غنا خالص۔ یقین صافی۔ توکل شافی اسی خصلت میں ہے۔ زہد و ورع کا حصول اسی بات پر منحصر ہے۔

۱۰۔ تواضع اور مدارات کو اپنی عادت بنائے۔ اسی خصلت میں جملہ طاعات شامل ہو جاتی ہیں اسی میں علو منزلت ہے۔ یہی کمال تقویٰ ہے اور منازل صاحبین تک رسائی اسی خصلت سے ممکن ہے۔

مرض الموت کا حال۔ مرض الموت میں فرزند اکبر سیف الدین عبدالوہاب کو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں وصیت کر جاؤں کہ میرے بعد تمہارا عمل کیا ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا تقویٰ لازم پکڑو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے تیمم و رجا نہ رکھو۔ جملہ حاجات اللہ تعالیٰ کو سپرد کرو۔ اور اسی سے جملہ حاجات کا سوال بھی کرو۔ غیر اللہ پر اعتبار نہ کرو۔

پھر فرمایا۔ التوحید۔ التوحید اس مسئلہ پر تو سب کا اجماع کلی ہے

حضرت کے فرزند عبدالعزیز نے پوچھا کہ حضور کو کیا تکلیف ہے۔

فرمایا یہ سوال ہی نہ کرو۔ علم الہی کے اندر جو کچھ میرے لئے ہے اسی کا ظہور مجھ پر ہوتا ہے

انہوں نے پھر پوچھا حضور کو مرض کیا ہے۔

فرمایا۔ میرے مرض کو کوئی فرشتہ یا جن و انسان نہیں جان سکتا۔ میرا مرض میرے

مالک کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اللہ کے حکم کا ناقض نہیں۔ حکم میں تغیر ہوتا ہے

مگر علم میں نہیں۔

حضرت کے فرزند عبدالجبار نے پوچھا کچھ حضور کا دکھتا ہے۔ فرمایا ہاں سارا جسم ایک

قلب نہیں۔ کہ وہ صحیح و سالم ہے۔

حالت نزع طاری ہوتی۔ میں لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ کی مدد چاہتا ہوں۔ وہی مالک زندہ

توانا ہے۔ جسے موت نہیں چھو سکتی۔ وہی ہے جس کی قدرت غالب ہے اور وہی ہے جو

بندوں کو موت سے محکوم کرتا ہے۔ لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ۔

بعد ازاں ایک بلند آہنچ ماری اور تین بار اللہ۔ اللہ۔ اللہ کہا۔ پھر زبان تالو سے لگ

گئی اور جسم مبارک سے روح النور پرواز کر گئی

اللَّهُمَّ اخْتِمْ لَنَا بِالْخَيْرِ وَاجْتِنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرِ خَيْرِ اَيَا وَلَا مَفْتُونِينَ

اٰمِيْنَ۔ اٰمِيْنَ۔ اٰمِيْنَ



آقا شمس الدین

وہل الی افندہ شمس الملکۃ والدین محمد بن حمزہ مشہور بہ آقا شمس الدین حضرت شیخ شہاب الدین
سہروردی کی اولاد سے ہیں۔

وہ مشق میں پیدا ہوئے اور اپنے باپ کے ساتھ چھوٹی عمر میں ہی بلاد روم میں آئے۔ یہاں آکر
علوم درسیہ کی تکمیل کی اور مدرسہ عثمانیہ کے مدرس ہو گئے ان کا میلان طبع تصوف کی طرف تھا
ایک صالح مرد جوان کے دوست تھے۔ وہ انکو ہمیشہ حاجی بیرام سے بیعت کرینیکی ترغیب دیا کرتے
تھے لیکن یہ انکار ہی رکھتے۔ کیونکہ حاجی بیرام کا قاعدہ تھا کہ قرضہ داروں کے قرض اٹانے یا
مساکین و غریبوں کی حاجات ادا کرنے کی غرض سے سوال کیا کرتے۔ اور زبرد چنندہ وصول کرینیکی
غرض سے بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔ حاجی صاحب تو اسکو کسر نفس اور ہمدردی خلق کا ذریعہ
سمجھتے تھے لیکن آقا شمس الدین کو انکی یہ حرکت اچھی نہ معلوم دیتی تھی۔ انہی دنوں میں انہوں نے
شیخ زین الدین فانی کا آوازہ سنا۔ تدریس چھوڑ کر اُدھر چلے گئے۔ جب حلب پہنچے تو وہاں
خواب دیکھا کہ انکی گردن میں ایک زنجیر پڑی ہوئی ہے اور اسکا دوسرا سر حاجی بیرام صاحب
کے ہاتھ میں ہے یہ وہاں سے واپس ہوئے۔ پہلے عثمانیہ آئے۔ پھر حاجی صاحب کی خدمت
میں روانہ ہوئے جو وقت یہ پہنچے ہیں اسوقت حاجی صاحب اپنے مریدوں کے ساتھ کھیتی کارٹ
رہے تھے آقا شمس الدین بھی کھیتی کاٹنے لگے۔ جو یہ اس سے فارغ ہوئے تو کھانا آیا۔ جو فقراء کے
سامنے رکھا گیا۔ اور اس میں سے ایک جھٹہ کتوں کیلئے جدا کر دیا گیا۔ حاجی صاحب اور درویش
کھانے لگے انہوں نے آقا شمس الدین کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اور نہ کھانے کیلئے بلایا
آقا شمس الدین اٹھے اور کتوں کیساتھ بیٹھ کر کھانے لگ گئے (شاید اپنے خواب کی تعبیر کو پورا
کرنا ضروری سمجھا) حاجی بیرام پکار اٹھے۔ لڑکے یہاں آؤ۔ میرے پاس بیٹھو۔ تم نے تو میرے
دل کو چھین لیا۔ غرض مرشد کے پاس حصول طریقہ میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں
مقامات سینہ اور کرامات علیہ کو پہنچ گئے۔ آپ کے اوصاف میں سے یہ بھی ہے۔ کہ طبیب اور
بھی اور طبیب ابدان بھی۔ طب میں چند تصنیفات بھی ہیں۔ ایک ذیہ خلیل پاشا وزیر کا بیٹا
سیمان حلی جو قاضی افواج تھا۔ سخت بیمار ہو گیا۔ وزیر نے آقا شمس الدین کو علاج کیلئے

بلایا۔ جس وقت یہ پہنچے ہیں اظہارے شاہی بیمار کے گردا گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آقائے پوچھا اپنے کیا
مرض تشخیص کیا انہوں نے نام بتلایا۔ فرمایا نہیں سرسام کا علاج کرنا چاہیے سب نے انکار کیا۔ اور
مریض کے پاس سے ہٹ کر چلے گئے۔ شیخ نے نہ تو مریض کا حال پوچھا نہ علامات دریافت
کیں۔ قلم اٹھا کر نسخہ لکھ دیا۔ پلاتے ہی نفخ کے آثار معلوم ہونے لگے۔ جب وہاں سے واپس آئے
تو ایک مرید سے کہا اگر میں وہاں خاموش ہو جاتا تو یہ طبیب اسے مار ڈالتے۔

ان کی کرامات کا مشہور واقعہ یہ ہے کہ جب سلطان محمد خاں نے (جو محمد فاتح کے نام سے
مفتخر ہوا) فتح قسطنطنیہ کا ارادہ کیا۔ تو آقا شمس الدین کو اور آقا بیق کو جہاد اور دعا توجہ کیلئے طلب کیا
اور احمد پاشا کو دونوں کے پاس بھیجا۔ آقا بیق تو مجذوب تھے۔ ان سے کچھ حاصل ہوا۔ مگر آقا
شمس الدین نے فرمایا کہ ہاں انشاء اللہ مسلمان ضرور قسطنطنیہ کو فتح کر لینگے۔ اور فوج فلاں
تاریخ قلعہ کی فلاں جگہ سے ٹھیک دوپہر کی وقت اندر داخل ہوگی۔ اور تم (احمد شاہ) اُس وقت
سلطان کے برابر برابر ہو گے۔ آقا شمس الدین کے ایک فرزند کا بیان ہے کہ جب تاریخ مقررہ
کا وہی وقت قریب آ پہنچا۔ اور قلعہ پر فتح کے کوئی آثار نہ تھے۔ تو بہکو سلطان کی طرف سے
لہانت خوف پیدا ہوا۔ میں اُنکے خیمہ کی طرف گیا دروازہ پر ایک خادم کھڑا تھا۔ اُس نے کہا اللہ
جانیکی اجازت نہیں مئے دوسری طرف سے ہو کر قنات کو ذرا سرکا کر دیکھا۔ تو والد بزرگوار
ننگے سر زمین پر سجدے میں گرے ہوئے پڑے ہیں۔ روتے جاتے ہیں اور گرا گرا رہے ہیں۔ تھوڑی
دیر کے بعد سر اٹھایا۔ اور جھٹ کھڑے ہو گئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے بہکو قلعہ پر فتح
دی۔ مئے قلعہ کی طرف جب نظر اٹھا کر دیکھا تو فوج اندر داخل ہو چکی تھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے
اُنکی برکت سے ہی قلعہ کو فتح کیا۔ اور انکی دعائیں وہ اثر تھا کہ ساتوں فلک کے اوپر پہنچتی تھی
اور زمین کو اپنی برکات سے پُر کر دیتی تھی۔

جب سلطان قلعہ میں داخل ہوا۔ تو اُس نے اپنے پہلو کی طرف دیکھا تو احمد پاشا برابر موجود تھا
سلطان نے کہا کہ مجھے فتح قسطنطنیہ کی اس قدر خوشی نہیں جس قدر ایسے بزرگوار کے اپنے
زمانہ میں ہوئی خوشی ہے۔

فتح سے ایک دن بعد سلطان آقا کو خیمہ میں منے کیلئے آیا۔ آقا بیٹے ہوئے تھے اسی طرح
پڑے۔ سلطان نے آکر اُنکا ہاتھ چوما اور عرض کی کہ میں ایک حاجت کیلئے حاضر ہوا ہوں
فرمایا کہو۔ کہا مجھے چند روز اپنی توجہ میں بٹھایا کیجئے۔ آقائے انکار کر دیا۔ سلطان نے اصرار کیا۔

آقا پھر بھی انکار ہی کرتے رہے۔ سلطان کو غصہ آگیا۔ کہا۔ ایک معمولی ترک سپاہی آتا ہے اس کے
 عرض کرنے پر اسے جھٹ جھٹ حلقہ میں بٹھالیا جاتا ہے۔ اور میرے واسطے برابر انکار ہی انکار ہے
 شیخ نے کہا بات یہ ہے کہ جب آپ خلاوت نشین ہونگے تو اس وقت لذت سلطنت فراموش
 ہو جاوے گی۔ اور امور سلطنت معطل ہو جاوے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو جائے اور آپ پر ظاہر
 ہوگی۔ اے سلطان خلاوت سے عرض تحصیل عدالت ہے۔ اس لئے تم اپنی سلطنت میں عدالت
 کرو۔ اپنے فرائض کو انجام دو۔ اس سے بڑھ کر تمہارے واسطے اور کوئی وظیفہ نہیں
 اس کے بعد سلطان کی طرف سے دو ہزار اشرفی پیش کی گئی۔ مگر آقا نے ان کو قبول نہ کیا
 سلطان ان کے پاس سے اجازت لیکر اٹھا شیخ پھر بھی اسی طرح بیٹھے رہے۔ باہر آکر سلطان نے
 احمد پاشا سے ذکر کیا۔ کہ شیخ ہم کو دیکھ کر اٹھ کر نہ بیٹھے۔ اس نے عرض کی کہ حضور کو جو یہ اتنی بڑی
 فتح حاصل ہوئی ہے جو بڑے بڑے سلاطین کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے شیخ نے دیکھا کہ
 فی الجملہ حضور میں غرور پیدا ہو گیا ہے چونکہ وہ مرہبی ظاہر و باطن ہیں اس لئے انہوں نے اس غرور
 کیلئے یہی دوا تجویز کی۔

اس سے اگلے روز رات کے آخری حصہ کی وقت سلطان نے شیخ کو طلب کیا۔ گھر والے تو
 ڈر گئے لیکن خود شیخ کا بیان ہے کہ جب میں وہاں پہنچا تو امراء نے میرے ہاتھوں پر بوسے دیئے
 آگے بڑھے۔ تو رات سخت اندھیری تھی اور وہاں روشنی کا کچھ انتظام نہ تھا۔ سامنے سے سلطان
 آگیا جس کو میں نے شناخت نہیں کیا۔ مگر میری روح نے پہچان لیا۔ میں نے آگے بڑھ کر معانقہ کیا
 اور ایسے زور سے سلطان کو دبایا کہ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ کانپ گیا۔ پھر اسے سے چھوڑ دیا۔
 سلطان کا بیان ہے کہ میرے دل میں شیخ کی جانب سے کچھ شک سا ہو گیا تھا۔ معانقہ کے
 بعد وہ شک محبت سے بدل گیا۔ پھر دونوں ایک خیمہ میں داخل ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو اذان
 ہوئی اور سلطان نے نماز سحر شیخ کے پیچھے پڑھی۔ شیخ اپنے اور ادا پڑھنے لگ گئے اور سلطان
 ان کے سامنے دو زانو بیٹھا رہا۔ اور سنتا رہا۔ جب فارغ ہوئے تو عرض کی کہ حضرت ابو ایوب
 انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی جگہ کا نشان بتلائیے۔ کیونکہ تو ایچ میں لنگ کے پاس ان کی
 قبر کا ہونا درج ہے۔ شیخ نے پھر پھر ایک جگہ کا اشارہ کیا۔ فرمایا مجھے یہاں ایک نور معلوم ہوتا
 ہے شاید ان کی قبر اسی جگہ ہو۔ پھر وہاں بیٹھ کر تھوڑی دیر مراقبہ کیا۔ فرمایا حضرت ابو ایوب رضی اللہ
 عنہ کی روح میری روح سے ملی اور مجھے فتح کی تہنیت دی۔ اور تمہاری مساعی کا شکر تیرا ادا کیا۔

کہ ان کو ظلمت کفر سے نجات دی۔ سلطان محمد خاں کو اطلاع دی گئی۔ وہ وہاں آیا۔ اور شیخ سے عرض کی کہ میں جناب کے ارشاد کو صحیح سمجھتا ہوں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ قبر کے پورے پورے نشانات بتلا دیئے جائیں۔ تاکہ ظاہر ہونے پر میرا اطمینان کلی ہو جائے۔ شیخ نے پھر مراقبہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا۔ اچھا یہاں سے کھودو۔ یہ سر کی طرف ہے۔ دو گڑھوں کے بعد قبر ظاہر ہوگی۔ چمپر پتھر کا تابوت ہے اور اُس پر خط عبرانی میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے جس کا یہ ترجمہ ہے، جگہ کھودی گئی۔ دو گڑھ نیچے جا کر قبر ملکشی کتبہ جو عبرانی زبان کا تھا۔ جب اُسے پڑھایا گیا تو وہی عبارت اور مضمون تھا جو شیخ نے بتلا دیا تھا۔ سلطان کو نہایت حیرت ہوئی اور وجد کی سی حالت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ بیہوش ہو کر گرنے لگا۔ مگر خدام نے سنبھال لیا۔ سلطان نے اس جگہ قبہ بناوایا۔ جامع مسجد اور حجرات تیار کرائے اور شیخ سے التماس کی کہ اپنے مریدوں کے ساتھ اسی جگہ ٹھہریں۔ لیکن شیخ نے انکار کر دیا۔ اور اپنے وطن کی اجازت طلب کی۔ سلطان نے اجازت دیدی۔ جب وہاں سے چلے آئے تو اپنے بڑے بیٹے سے فرمایا کہ سمت نکلتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا۔ قسطنطنیہ کے ظلمت کفر سے تو میرے الہامات میں بھی فساد آ گیا تھا۔

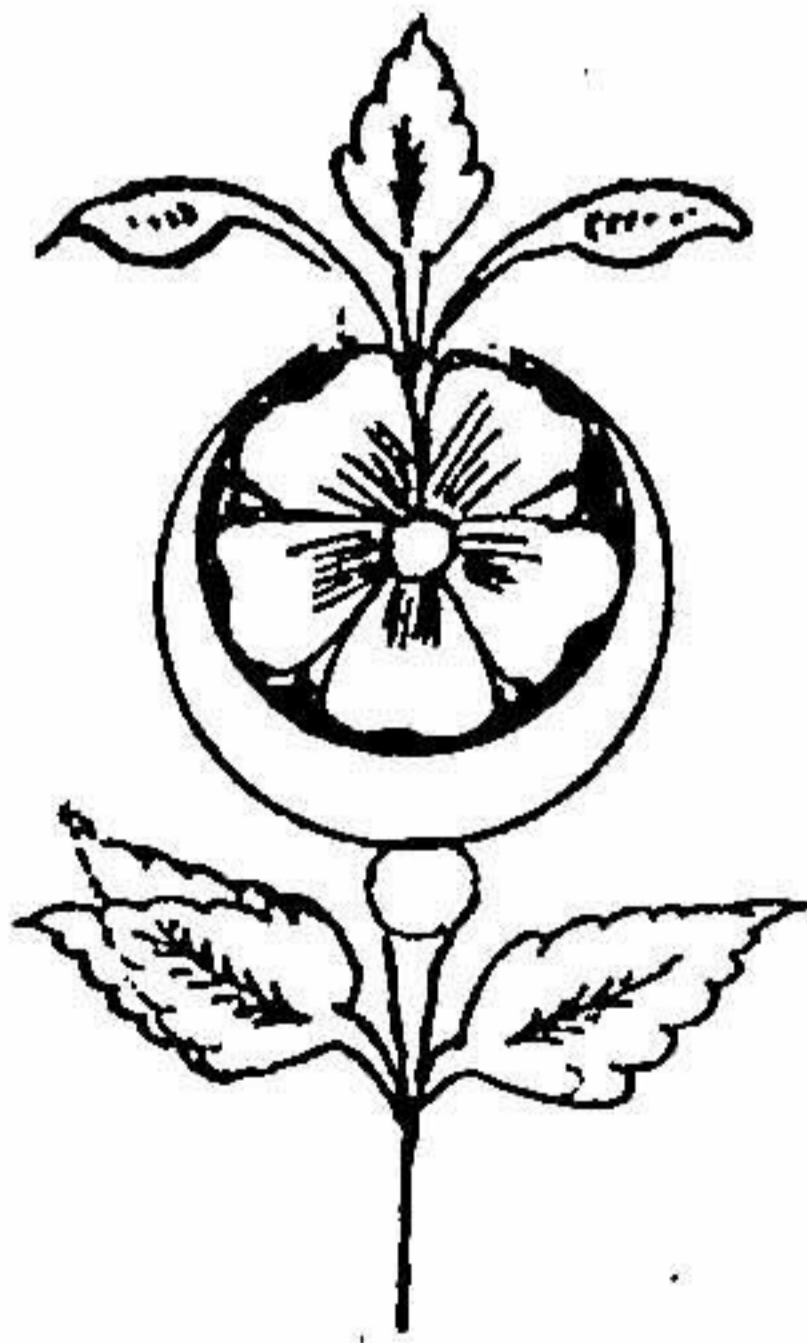
تھوڑی دور چلے تھے کہ ایک کمینہ آدمی ایک نہایت عمدہ گھوڑے پر سوار سامنے سے گذرا۔ گھوڑا ایسا عمدہ تھا کہ سب کی آنکھیں اٹھ گئیں اور سب نے اُسے پسند کیا۔ سوار نے نہ شیخ کی طرف دیکھا اور نہ سلام ہی کیا۔ تھوڑی دور جا کر وہ واپس آیا۔ اور گھوڑے اتر کر عرض کیا کہ میں یہ گھوڑا حضور کو ہبہ کرتا ہوں۔ شیخ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ تم یہ گھوڑا لے لو اسکو اپنی سواری کا گھوڑا دیدو۔ وہ چلا گیا۔ تو بیٹے نے شیخ سے سوال کیا۔ فرمایا سنجی کے پاس رہ کر اسکا خدمت گزار غلام اگر مدت العمر میں کوئی چیز مانگ لے تو کیا وہ نہ دیکھا بیٹے نے کہا نہیں وہ ضرور دیکھا۔ فرمایا تیس سال سے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے قدم باہر نہیں رکھا۔ جب میرے دل کو گھوڑے کی طرف میلان ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سوار کے دل میں الہام کر دیا۔

الغرض شیخ اس سفر سے اپنے وطن پہنچے اور اپنے وطن قصبہ کونیک میں جا کر وفات پائی۔ ان کا ایک رسالہ تصوف میں ہے جس کا نام نور ہے۔ ایک اور رسالہ ہے جس میں مطاعن صوفیہ کا جواب دیا ہے۔ ایک رسالہ طب میں ہے جس میں علامات نافذہ درج ہیں۔

حضرت شیخ کا ایک بیٹا سب سے چھوٹا مجذوب تھا۔ اس کا نام نور الہدیٰ تھا۔ ایک دن شیخ کو ایک امیر کبیر ابن عطار ملنے آیا۔ اسکی وارٹھی نہ نکلتی تھی مجذوب لڑکا بھی وہیں آگیا امیر کو دیکھ کر ہنسنے لگا کہ یہ آدمی تو نہیں یہ تو عورت ہے شیخ مجذوب پر خفا ہوئے۔ امیر نے شیخ کی خوشامد کی کہ آپ اللہ اس پر خفا نہ ہوں۔

پھر مجذوب سے درخواست کی کہ دعا کرو میری وارٹھی نکل آئے۔ مجذوب نے اپنے منہ سے بہت سالیب لیکر اسکی ٹھوڑی بکل پر ملدیا۔ اور وارٹھی اُس جگہ نکل آئی۔ جب وہ امیر سلطان کے پاس قسطنطنیہ پہنچا تو سلطان نے وزیر کو کہا۔ اس سے پوچھو وارٹھی کیونکر نکل آئی اُس نے قصہ سنایا سلطان نے نہایت تعجب کیا اور اُس مجذوب کے نام بہت سی جاگیر وغیرہ معافیات کر دیں۔

مروی ہے کہ ایک دن شیخ نے اپنے تمام لڑکوں کو اکٹھا کیا اور کھانا کھلایا۔ جب وہ اپنی اپنی ترتیب پر بیٹھے ہوئے تھے تو شیخ نے ان سب کو جو بارہ تھے لیک ایک کر کے دیکھا اور فرمایا الحمد للہ تعالیٰ۔ سب یہ سمجھے کہ الحمد للہ اس لئے کہا ہے کہ خدا نے ان کو یہ اولاد عطا فرمائی ہے۔ مگر مجذوب لڑکا بولا باوا جان میں بتلاؤں آپ نے کس بات کا الوقت شکر کیا ہے۔ فرمایا ہاں کہو۔ کہا اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قدر اولاد بھی دی اور پھر بھی دل کا تعلق کسی کے ساتھ نہیں ہوا۔ شیخ بولے لڑکے تو نے خوب کہا اور سچ کہا۔



ملوک و وزراء

حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان اموی رضی

ولادت ۱۸ قبل وفات ۶۰ ہجری

نسب۔ عبدمناف کے دو بیٹے ہوئے۔ ہاشم اور عبد شمس۔ ہاشم کی اولاد میں نبی صلی اللہ علیہ

وسلم اور علی مرتضیٰ ہیں۔ محمد بن عبد اللہ علی بن ابی طالب بن مطلب بن ہاشم۔

اور عبد شمس کی اولاد میں معاویہ بن ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔

ابوسفیان قریش میں سردار تھا اور بہت بڑی تجارت رکھتا تھا۔ شام حوران۔ بلقاء

تک تجارتی قافلوں کے ساتھ آیا جایا کرتا تھا۔ ابتداء بعثت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم کی عداوت میں بہت بڑا حصہ لیا۔ اور فتح مکہ تک اسی عداوت پر قائم رہا۔ اور قریش کو قائم

رکھا۔ ۱۰ ہجری کو خود معہ اپنی اولاد جس میں معاویہ بھی تھے مسلمان ہوا۔

ممکن ہے کہ ابوسفیان کی اس عداوت کا سبب اصلی یہ ہو کہ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ اسلام کے

پھیل جانے اور بت پرستی کے اٹھ جانے سے گروہ گروہ مردم کا کعبہ میں آنا موقوف ہو جائیگا

اور اس سے ابوسفیان کی تجارت کو بہت بڑا نقصان پہنچے گا۔ چونکہ ابوسفیان کا کتبہ بڑا تھا

اس لئے گویا نقصان بھی زیادہ خیال کیا جاسکتا تھا۔

علاوہ ازیں عبدمناف کے ہر دو فرزندوں کی شاخ میں مدت سے عداوت چلی آتی

تھی سب سے پہلے امیہ اور ہاشم میں (جو امیہ کا چچا تھا) جھگڑا ہوا۔ ہر دو میں فضائل پر مناظرہ

ہوا۔ اور غصان کا کاہن خزاہی منصف قرار دیا گیا۔ اور شرط یہ ہوئی کہ مغلوب غالب کو چھ ماہ

اوغٹنیاں ادا کرے اور بیس سال تک جلا وطن رہے۔ منصف نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا

اور امیہ کو شرط کے مطابق اونٹ دینے اور بیس سال خارج از وطن رہنا پڑا۔ اور بیس دہائیوں سے ہاشم کی بنیاد پر

ولادت - معاویہؓ مکہ میں سنہ ہجری سے ۱۰ سال قبل پیدا ہوئے۔ ان کی ماں کا نام ہندہ ہے جو عبید شمس کی پوتی عتبہ کی بیٹی تھی۔ امیر حمزہؓ سید الشہداء کو اسی عورت نے منشا کر دیا تھا۔ تربیت و اسلام بچپن سے اعتقادات جلالیت پر تربیت ہوئی۔ فتح مکہ پر ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی اسی وقت اپنے خاندان سمیت مسلمان ہوئے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ دلیں پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مگر والدین کے خوف سے اسلام کو چھپاتے تھے۔

غرض انکا کنبہ نیز چند سرداران قریش اور فتح پر مسلمان ہوئے۔ اور انکا نام "مولفۃ القلوب" رکھا گیا۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے لوگوں کو (برخلاف دیگر مسلمانوں کے) کچھ روزینہ بھی دیا جاتا تھا۔

مدینہ کے قیام کے بعد معاویہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوتے گئے۔ حتیٰ کہ کتابت کا اعزاز ان کو مل گیا۔

سیرت حلبیہ میں ہے کہ معاویہ بن ابوسفیان اور زید بن ثابتؓ کا تباہی و جی تھے۔ اور انکے پاس اور کوئی کام نہ تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو اس فقرہ کی صحت پر کہ ان کے پاس اور کوئی کام نہ تھا شبہ ہے۔

سیدنا صدیقؓ کے عہد میں جب شام پر لشکر کشی ہوئی تو زید بن ابوسفیان بھی ایک لشکر کے سردار تھے اور سب سے پہلے دشمن کے ملک میں ان ہی نے قدم رکھا تھا۔ معاویہؓ اپنے بھائی کے ساتھ تھے اور بیت سی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے مگر کوئی خاص شہرت نہیں پائی۔ فتح دمشق کے بعد جب امین الامۃ ابو عبیدہؓ سپہ سالار اسلام بلاد ساحل کی فتح کیلئے آگے بڑھے تو مفتوحہ علاقہ پر زید کو حاکم مقرر کر گئے اور معاویہ بھی اپنے بھائی کے پاس رہے۔ اس عرصہ میں انہوں نے قبیلا عرقہ جبل بصرہ وغیرہ فتح کر لئے۔ سیدنا عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا میں ان مفتوحہ شہروں میں سے بعض پر روم نے پھر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر حضرت معاویہؓ نے بہت جلد ان کو واپس سے نکال دیا۔

آغاز حکومت - زید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ۲۰ ہجری تک امیر دمشق رہ کر وفات پائی۔ سیدنا فاروقؓ نے انکے بھائی معاویہ کو انکا جانشین مقرر کر دیا۔ عمر فاروقؓ کے آخری چار سال خلافت میں انکے متعلق صرف ضلع دمشق تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے حکم سے ۲۰ ہجری میں کل شام کا ملک ان کے ماتحت کر دیا گیا۔ اور اسی سال حضرت معاویہؓ

نے ایشیائے کوچک پر لشکر کشی کر کے بردہ و انطاکیہ و طرسوس کے قلعے فتح کر لئے۔
 سیدنا عثمانؓ کی خلافت میں جب لوگوں کی شکایات اعمال کے متعلق روز بروز بڑھنے
 لگیں۔ اور ان میں گستاخی کی جھلک بھی نظر آنے لگی۔ تو معاویہ بھی مدینہ پہنچے اور خلیفہ کو
 اپنے ارادہ میں ثابت و مستقل رہنے کی جرات دلا کر کہا کہ شکاوت کر نیوالے معدود چند ہیں۔
 معاویہ بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا علی مرتضیٰ و طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپہنچے
 اس وقت حضرت معاویہ نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی۔

”آپ لوگ آنحضرتؐ کے صحابی بہترین خلق۔ اور اس امت کے والی ہیں۔ تمہارے سوا اور
 کوئی شخص حکومت کا خیال نہیں کر سکتا۔ تم نے عثمانؓ کو اپنی مرضی سے بلا کسی دباؤ یا طمع کے
 خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ اور اب یہ بوڑھے بھی ہو گئے ہیں۔ اور اگر تم ان کی سفینگی کی وجہ سے انکی
 موت کا بھی انتظار کرو تو وہ بھی کچھ دور نہیں (کو میری آرزو ہے کہ خدا انکو دیر پارکھے یہ جھگڑ
 جو تمہارے سامنے اٹھ رہے ہیں تم نے اپنی ناراضگی کا کچھ بھی اظہار نہیں کیا۔ حالانکہ ایسا ہونا
 ضروری تھا۔ تاکہ حکومت کیلئے عوام بھی طمع نہ کر سکیں۔ میں تمکو یقین دلاتا ہوں کہ اگر عوام کے
 حوصلہ بھی کھل گئے تو تم کو ہمیشہ پیٹھ ہی دکھلانی پڑے گی۔“

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ گفتگو نہایت ہی ناگوار گذری وہ اس کا کوئی سبب ہی نہ
 سمجھے۔ انہوں نے معاویہ سے کہا ”تیری ماں لہو نہ یہ کیسی گفتگو ہے“ معاویہ نے کہا ”خیر آپ میری
 ماں کو تو کچھ نہ کہیں کیونکہ وہ تمہاری ماؤں سے کچھ بُری نہ تھی۔ کیونکہ وہ مسلمان ہوئی اور بیعت
 نبوی کا شرف اُس نے پایا۔ ہاں میری بات کا جواب دیجئے“

اس کے بعد ان سادات نے خلیفہ سے چند معاملات میں گفتگو کی اور انکو اپنی منشا کے
 موافق طے کر اکر خوش خوش چلے گئے۔ اور معاویہ باقی رہ گئے انہوں نے سیدنا عثمانؓ سے کہا
 ”میرے ساتھ شام کو چلو وہ تمام علاقہ مطیع ہے۔ اب چلنے کا وقت ہے۔ ورنہ کسی آفت آنے کا
 اندیشہ ہے“

انہوں نے قرب نبوی چھوڑ کر شام جانے سے انکار کر دیا۔ معاویہ شام کا قصد کر کے باہر
 نکلے۔ ان کو مہاجرین کی ایک جماعت (جن میں سیدنا علی و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے) ملی
 معاویہ ان کو عثمانؓ کی پیرائے سالی پر توجہ دلاتے ہوئے اُنکے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کرتے
 گئے۔

ان کے شام چلے جائیکے کچھ عرصہ بعد مصری وغیرہ جمع ہو کر مدینہ میں آگئے۔ اور خلیفہ کو
محصور کر لیا۔ محاصرہ چالیس یوم تک رہا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے درمیان میں پڑ کر انہیں روکنا بھی
چاہا۔ مگر باغیوں نے کچھ نہ سنا۔ محاصرہ میں پانی بھی اُنپر روک دیا گیا تھا۔

آخر مصری لوگوں نے دروازہ کو توڑ کر اور سفیفہ کو آگ لگا کر اندر جانے کا راستہ کر لیا۔ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت سورہ طہ پڑھ رہے تھے۔ باغیوں کا محاصرہ توڑ کر اندر آ جانا
بھی اُن کی تلاوت کلام اللہ میں فرق نہ ڈال سکا۔ چند صحابہ کے لڑکے (جن میں سید اشباب
اہل الجنتہ حسنین بھی تھے) یا صرف امام حسن مجتبیٰ (علیہ السلام) خلیفہ کی حفاظت کیلئے اندر موجود تھے
لیکن انہیں حضرت عثمان شہید نے قسم دیکر خوزیری سے روک دیا۔ اور وہ باہر چلے گئے باغی
آگے بڑھے اور انہوں نے خلیفہ پر تلوار کا وار کیا جو تلاوت قرآن میں کمال استقلال کے ساتھ
موتھے۔ خون قرآن مجید پڑا۔ حضرت کی بیوی نانکہ نے وار ہوتا ہوا دیکھ کر شوہر کے بچاؤ کیلئے
اپنے ہاتھ آگے کر دیئے تھے۔ تلوار انکی انگلیوں کو بھی کاٹ گئی۔

حضرت معاویہ کو ان واقعات کی بالتفصیل خبر پہنچ گئی تھی۔ جب اہل مدینہ نے سیدنا
علی رضی اللہ عنہ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کرنی تو معاویہ نے بیعت نہ کی۔ بلکہ قصاص عثمان
شہید کا دعویٰ دہرا ہو کر خلیفہ کا خون آلود کرتے اور نانکہ کی کٹی ہوئی انگلیاں جامع مسجد کے منبر پر
رکھ کر لوگوں کو قصاص کیلئے بھڑکایا۔ اور یہ بھی کہہ دیا علی انکا قاتل ہے۔

عمر بن العاص جو حکومت مصر سے معزول ہو چکے تھے وہ بھی معاویہ سے آملے اور انہوں نے
خلیفہ برحق امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی صفین کی متواتر لڑائیوں اور فیصلہ حکم کے بعد
جس کی تفصیل میں اسلامی تواریخ کے سینکڑوں اوراق موجود ہیں) اپنی حکومت کو مستقل کیا
تاہم یہ حکومت شام پر ہی محدود تھی۔ مصر پر سیدنا علی کی طرف سے قیس بن سعد والی تھے۔
قیس بن سعد کو پہلے تو معاویہ نے اپنے ساتھ شامل کر لینا چاہا۔ مگر جب وہ ثابت قدم رہے
تو ایک خط قیس کی جانب سے بنام معاویہ شایع ہوا۔ جس میں لکھا تھا کہ قیس بھی قصاص طلبی
عثمان بنہیں انکا شریک ہے۔

مضمون ہذا سے حضرت علی مرتضیٰ نے خیر پکار قیس کو معزول اور محمد بن ابوبکر کو والی مصر
مقرر کر دیا۔ امیر معاویہ نے سچہ لیا تھا کہ فتح مصر کے بغیر وہ عراق اور مصر کے دو طرفہ حملہ کی زد
میں ہیں۔ اس لئے عمر بن العاص اول فاتح مصر کو بھاری لشکر دیکر روانہ کیا۔ انہوں نے

سرحد عبور کرنے کے بعد محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو لکھنؤ بھیجا کہ تم خود ہی حکومت سے غلطی نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ
میں تنکو کوئی مدد نہیں پہنچانا چاہتا مجھ نے اصل خط حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور
مکہ کے لئے درخواست کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہنوز مکہ روانہ کرنے بھی نہ پائے تھے کہ عمر بن
العاص نے مصر پر قبضہ کر لیا اور محمد بن ابوبکر بڑی طرح سے قتل کئے جا کر راکھ کا ڈھیر بنائے گئے
اور شام و مصر کا کل ملک حضرت معاویہ کے ماتحت ہو گیا۔

سال ۶۳۲ ہجری کو امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی
بیعت کوفہ میں ہوئی۔ ان کو خبر لگی کہ معاویہ ایک بھاری لشکر لے کر شام سے چل پڑے ہیں۔ امام
عالمی مقام بھی چالیس ہزار فوج (جو حضرت علی مرتضیٰ کے مبارک ہاتھ پر جنگ کیلئے بیعت کر چکی تھی)
لیکر کوفہ سے مدائن کو چل پڑے۔ لیکن انکو صلہ معلوم ہو گیا کہ انکا لشکر فوج شام سے مقابلہ کرنے میں
مکرو رہے۔ رحمۃ للعالمین کے نواسہ نے خوزیری امت کو پسند نہ کر کے خلافت چھوڑ کر ملک حضرت
معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اور انہوں نے کوفہ میں داخل ہو کر سب سے اپنی بیعت لے لی۔ اسوقت سے وہ
تمام بلاد اسلام پر بلا شرکت احدے امیر ہو گئے۔ اور ۹ سال اللہ سے ۳۰ تک مستقل امیر
اور ہمیشہ توسیع دائرہ مملکت میں کوشاں تھے شام مصر عراق و فارس خراسان و عرب پر ان کا
اقتدار کامل تھا۔

۳۵ھ میں فتح قسطنطنیہ کیلئے لشکر کشی ہوئی۔ سیدنا ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی جنگ
میں شہید ہوئے تھے۔

اس لشکر کا سپہ سالار سفیان بن خوف تھا۔ اور یزید بھی ساتھ بھیجا گیا تھا۔ لشکر کی کثرت راہ
کی دوری اور خرابی کی وجہ سے لشکر کو فاقہ و تکالیف شاقہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ یزید نے راستہ میں
ہی ہمت ہار دی۔ اور فوج کو اُسکی وجہ سے اپنی رفتار کو سست کرنا پڑا۔ امیر معاویہ کو خبر ہوئی
تو انہوں نے یزید کو کہہ بھیجا کہ مجھے ضرور سباتہ جانا ہو گا پھر اُسکی تقویت کیلئے امرائے عرب کو بھری
لشکر دیکر بھی روانہ کر دیا۔ ان امراء میں ابن عباس ابن عمر ابن زبیر ابوالیوب انصاری رضی اللہ
عنہم تھے۔ جنگی کشتیاں بلا کسی مقابلہ کے ڈارڈنیلز سے عبور کرتی ہوئی قسطنطنیہ کے غریب جانب
قلعہ بقیع بروج کے پاس پہنچ گئیں۔ فوج خشکی پر اتری اور بڑی فوج کے آجانے پر محاصرہ شروع
ہو گیا مسلمان منجیق چلاتے لمبے نیزوں کے ساتھ حملے کرتے تھے اور محصورین ان پر آگ برساتے
تھے۔ جس سے مسلمانوں اور ان کے مکہ پر ہمیشہ بھاری نقصان ہوا کرتا تھا۔ طول محاصرے

مسلمانوں کو رسد کی کمیابی تکلیف دہ ثابت ہونے لگی۔ جسکو گرد و نواح کے دیہات میں چھوٹے چھوٹے دست بھیتے رہنے اور لوٹنے سے پورا کر لیا جاتا تھا۔ چونکہ موسم سرما بھی آنے والا تھا اسلئے مسلمان دور اندیشی کر کے ایشیا کے کوچکے جزیرہ قیزیکوس میں رسد کے ذخیرے فراہم کرنے لگ گئے۔ چنانچہ ہمارے شروع ہوتے ہی لشکر اس جزیرہ کو جو ۸۰ میل پہنچا تھا قسطنطنیہ سے اچلے گئے۔ اور گرمی کے شروع ہوتے ہی پھر محاصرہ کیا گیا۔ سات برس تک یہی حال رہا کہ تمام موسم گرما میں محاصرہ اور جدوجہد سے مقابلہ کیا جاتا۔ اور ہمارا اس جزیرے میں بس رہتا۔ چونکہ آئندہ تعالیٰ کو ہنوز یونانیوں کی کمزور سلطنت کے تاج کو خاک نشین کرنا منظور نہ تھا۔ اس لئے ہفت سالہ مساعی کے بعد مسلمانوں کی فوج میں وبا پڑ گئی۔ جس سے لاچار ہو کر ان کو محاصرے سے دست بردار اور وطن کو واپس جانا پڑا۔ اس عرصہ میں ۲۰ ہزار مسلمان شہید ہو چکے تھے۔ جس میں ابوالبیہ انصاری بھی تھے۔ یہ صحابی اکابر صحابہ میں سے تھے رسول کریم کے ساتھ بدر و احد وغیرہ غزوات میں حاضر تھے۔ اور خلافت مرتضوی کی لڑائیوں میں حضرت علی مرتضیٰ کے ہمراہ تھے۔ انکے جنازہ کی نماز ایسی شان و شوکت کیساتھ ادا کی گئی۔ کہ محصورین بھی مدافعت چھوڑ کر محو تماشا ہو گئے۔ ان کو دیوار کے نیچے دفنایا گیا۔ اور زمین کو ہموار کر دیا گیا۔ سلطان محمد فاتح نے فتح قسطنطنیہ کے بعد اسپر مقبرہ اور جامع مسجد تیار کرادی۔

مسلمان گو فتح سے ناکامیاب واپس ہوئے تھے مگر جرات و استقلال اور مردانگی و ثبات کی ایسی مثال چھوڑ گئے تھے۔ کہ قیصر کو اسکی آئندہ یورش و کامیابی میں کوئی شبہ نہ رہ گیا تھا۔ اس نے ایک خاص سفیر شام کو روانہ کیا۔ جسکو عزت و اکرام کیساتھ قبول کیا گیا۔ امیر معاویہ نے صلح یا عارضی صلح کے متعلق اپنے دربار میں مشورہ کیا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ تین سال کے لئے صلح کی جائے اور قیصر ہر سال پچاس عہدہ گھوڑے ۳ ہزار سونے کے ٹکڑے پچاس غلام خراج میں دیتا ہے۔

افریقہ میں بھی عقبہ بن نافع سردار نے بہت فتوحات حاصل کیں۔ اور شہر قیروان ان کے حکم سے آباد کیا گیا۔ بہت تادم سالہ عمر نے امیر معاویہ کو پیر مرہم اور اپنی وفات سے قریب تر ہونے کے لئے امیدوار کر دیا تھا۔ کہ مرہم نے بھی غلبہ پالیا۔ اس وقت یزید کو ہلا کر بدیں الفاظ وصیت کی۔

پیارے بیٹے تیری کوششوں کی کوئی ضرورت نہیں رہنے دی۔ بلکہ جملہ امور تیرے لئے

درست کر دیتے ہیں تیرے اعداد کو ذلیل کر دیا ہے۔ اور عرب کی گردنیں تیرے سامنے جھکا دی ہیں اور مجموعی طور پر تجھے وہ کچھ حاصل ہے جو پہلے کسی کو نہ تھا۔ اہل حجاز کے بارہ میں خیال رکھنا کیونکہ تیری اصل اصول وہی ہیں۔ ان میں سے جو کوئی تیرے سامنے آجائے اُسکی عزت کرنا اور جو غائب ہو اُسکی پرورش رکھنا۔ اہل عراق کی ولداری رکھنا۔ اگر وہ تجھ سے ہر روز نیا معاملہ تبدیل کرتے رہیں۔ تو اُنکے منشا کو پورا کرتے رہنا۔ غافل کامغزوں کو دینا آسان ہے اور ایک لاکھ تلواریں چمکنے کا سننا سخت۔ اہل شام کو اپنا دلی دوست اور اصلی راز دار سمجھنا۔ اور جب کسی دشمن سے لڑائی کی ضرورت ہو تو اہلی کی فوج روانہ کرنا۔ انصاف مہم کے بعد سب پاسیوں کو اپنی کے دیہات کو واپس کر دینا۔ کیونکہ باہر رہنے سے اُنکے اخلاق میں تغیر آجائیکا اندیشہ ہے سلطنت کے بارہ میں تیرے مد مقابل ہونیکا اندیشہ مجھے صرف چار شخصوں سے ہے۔ حسین بن علیؑ۔ عبد اللہ ابن عمرؓ۔ عبدالستین زبیرؓ۔ عبدالرحمن بن ابوبکرؓ۔ رضی اللہ عنہم۔ ابن عمرؓ تو سر پانچ عبادت میں لگا ہوا ہے۔ اور جب سب لوگ بیعت کر لیجئے تو وہ بھی ضرور بیعت کر لیگا۔ حسین بن علیؑ ایک نو عمر آدمی ہے۔ اہل عراق اُسے مقابل کئے بغیر رہنے نہ دیجئے۔ پس اگر اُس نے مقابلہ کیا۔ اور تو اُسپر غالب رہا۔ تو اُسے معاف کر دینا۔ کیونکہ اُسے قرابت قریبہ اور حق عظیم حاصل ہے۔ اور نیز وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نزدیک تر ہے۔ رہا ابن ابی بکرؓ اُسے لوگوں نے اٹھایا بھی تو اُسکی توجہ تمام تر عورتوں اور بوبازی پر مصروف رہتی ہے۔ البتہ شیر کی طرح جھم کر لڑنے والا۔ اور لوٹری کی طرح چال چلنے والا اور موقعہ پر حیرت لگانے والا۔ ابن زبیرؓ ہے۔ اگر اُس نے تیرا مقابلہ کیا اور تجھے اُس پر فتح ملی تو اُسے ٹھوکتے آرا دینا۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو سکے۔ اپنی قوم کے خون کی حفاظت رکھنا۔ اور خونریزی سے بیزار رہنا۔

مرنے سے پیشتر انہیں یہ خیال ہوا کہ میری بیماری کا حال سُکر ملک میں بد امنی نہ ہو جائے پس اپنے مرض کو چھپانے کیلئے آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل ڈال کر منہ کے سہارے بیٹھ گئے اور لوگوں کو سامنے آکر سلام کرنے کی اجازت دی۔ لوگ آتے تھے اور سلام کرتے ہوتے چلے جاتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ امیر تندرست ہے جب وہ چلے گئے تو امیر نے یہ شعر پڑھا۔

وَجَلَدٌ لِّلشَّامَتَيْنِ اَرَاهُم
وَ اذَّ الْمَنِيَّةُ النَّسِيْتُ اَضْفَارَهَا
اِنِّي لِرَبِّ الدَّهْرِ كَالاَضْعَضِ
الْفَيْتِ كُلِّ عَيْمَةٍ لَا تَنْفَعُ

اور اسی روز وفات پائی۔ وفات سے پہلے کہا کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

قیص عطا فرمایا تھا۔ جسے سینے بجا ظلت رکھ بھڑا ہے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناخن مبارک تراشے تھے۔ انکا تراشہ بھی محفوظ رکھ بھڑا ہے۔ تکفین کی وقت مجھے وہ نہیں پہنا دینا۔ اور تراشہ ناخن کو گھسکر میرے چہرہ دست چشم پر لگا دینا۔ کہ ان کی برکت سے خدا مجھ پر رحم فرمائے۔ پھر حکم دیا کہ نصف مال بیت المال میں داخل کیا جائے اور نصف لہنے دیا جائے۔ دمشق میں سی دفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

صفات اخلاق۔ خوشرو۔ ابیض البشر۔ باسبیت و وقار۔ سنسی کی وقت لب زریں اُلٹ جایا کرتا تھا۔ داڑھی کو خضاب کیا کرتے تھے۔ نہایت ذکی معاملہ فہم۔ مدبرین اور سیاست میں نہایت مشہور تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ تم قیصر و کسریٰ کی دانائی و سیاست کا ذکر تو کیا کرتے ہو۔ مگر دیکھو کہ معاویہ ان سے بھی بڑھ کر ہمارے میں موجود ہے۔ فراست صحیحہ ایسی تھی کہ آدمی کا چہرہ دیکھ کر اُسکے خیانات کا پتہ لگائیت اور معاملہ کے شروع ہوتے ہی تہہ کو پہنچ جاتے۔

چنانچہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری آئے اور السلام علیک یا امین اللہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ امیر معاویہ نے وعلیک السلام پر ہی اختصار کیا جب چلے گئے تو کہا شیخ اس ارادہ سے آیا تھا کہ میں اُسے کسی جگہ کا والی کر دوں۔ مگر ایسا کبھی نہ کرونگا۔ ایک دفعہ عمرو بن عاص نے انہیں کہا کہ کیا یسنے لوگوں کو آپکے بارہ میں درست نہیں کیا کہا ہاں اسی لئے آپ اس درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔

امیر معاویہ کے حالات سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ان کو ابتدا ہی سے حکومت حاصل کر نیکا شوق تھا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اِنْ وُلِّیْتَ فَاَحْسِنْ اِذَا تُوُوَالِیْ ہُو جاتے تو بھلائی کیجیو۔ مجھے اس روز سے امیر حکومت و امارت بندہ گئی تھی۔ رہی قابلیت حکومت۔ اُسکا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ آج تک خلافت راشدہ انتخاب و شوریٰ پر منحصر تھی۔ لیکن انہوں نے اُسے اپنی نسل میں مجدد کر دیا۔ گو جمہوریت و آزادی جاتی رہی۔ مگر انکا خیال تھا کہ اس طریق سے وہ تمام بھگڑے دب جایا کرتے ہیں جو انتخاب میں پیدا ہونے ضروری ہیں۔ علاوہ اسکے قیصران روم کے قانون سے انہوں نے یہی نتیجہ نکالا۔

روزانہ کار و بار۔ نماز صبح کے بعد ایک شخص سے متقدمین کے تاریخی حالات سنا کرتے طلوع آفتاب کے بعد ایک پارہ قرآن مجید کا پڑھتے۔ پھر محل میں جا کر ضروری احکام دیکر

چار رکعت نماز پڑھتے۔ اور پھر اپنی نشستگاہ میں آکر وزراء و ارکان سلطنت سے ضروری کاروبار میں گفتگو کرتے۔ اسی جگہ ہمارا شکیں کرتے۔ ہزاری میں عموماً مرغ یا بیٹیرے کا گوشت ہوا کرتا تھا۔ اسکے بعد باتیں کہنے محل میں چلے جاتے۔ اور وہاں سے نکل کر ایک غلام کو ساتھ لیکر مسجد میں چلے آتے اور دیوار مسجد کیساتھ پشت لگا کر بیٹھ جاتے۔ اسوقت ہر ایک شخص سائل و فریادی و شاکی کے معروضات ضروری احکام دیتے۔ جب سب فارغ ہو جاتے تو اپنے کمرہ میں آکر تخت پر بیٹھ جاتے اور تمام درباری درجہ وار بیٹھ جاتے۔ اسوقت کہا کرتے کہ اے سرداران دربار تم اس لئے سردار مانے جاتے ہو کہ دربار میں تم کو عزت حاصل ہے۔ اس عزت کا لازمہ یہ ہے کہ رعیت کے حالات اور معذور و مجبور لوگوں کی شکایات میرے پاس عرض کرتے رہو۔ چنانچہ اس وقت جو معاملات پیش ہوتے ان کیلئے ضروری احکام صادر کرتے۔ اسکے بعد دوپہر کا کھانا منگوایا جاتا۔ کھانا کھاتے حکم تھا کہ اگر کوئی شخص عرضی پیش کرے تو منشی عرضی لے کر سنانا شروع کرے اور سائل کو دسترخوان پر بٹھالیا جاتا۔ عرضی پر حکم لکھا جاتا تو اسکو اٹھا کر دوسرے سائل کو بلا لیتے۔ اسطرح بسا اوقات ۳۰-۴۰ آدمی دسترخوان پر بیٹھتے اور اٹھتے جاتے۔ کھانا کھانے کے بعد سب کو رخصت کر کے محل میں چلے جاتے۔ اور اذان ظہر سنکر باہر نکلتے۔ مسجد میں نماز پڑھکر چار رکعت پھر اپنے مکان پر پڑھتے۔ اور خاص الخاص عہدہ داروں کو بلا لیتے اور ضروری معاملات پر گفتگو جاری کر دیتے۔ اسی وقت نقل منگوایا جاتا۔ موسم گرما ہوتا تو میوہ مانے تیرے اور موسم سرد ہوتا تو میوہ ہائے خشک۔ اذان عصر سنکر اٹھتے اور نماز پڑھتے ہی محل میں چلے جاتے۔ جب دھوپ زرد پڑ جاتی تپ باہر نکلتے اور تخت پر بیٹھ جاتے۔ طعام شب منگوایا جاتا۔ اور خاص و وزراء کے سوا اور کوئی داخل نہ ہو سکتا۔ اذان مغرب کیساتھ دسترخوان سے اٹھکر مسجد میں چلے جاتے۔ نماز مغرب کے بعد چار رکعتیں اور پڑھتے اور ہر ایک رکعت میں پچاس آیتوں کے قریب قیام کرتے۔ قرأت کبھی کبھی چھری ہوتی۔ اس سے فارغ ہو کر محل میں چلے جاتے اور اذان عشا سنکر باہر نکلتے اور نماز کے بعد وزراء خاص سے گفتگو کیا کرتے۔ اور بلوک عرب و عجم کے حالات لطایفوں کے واڈگھات۔ نظم و نسق کے متعلق مختلف تدابیر کتب تواریخ سے سنا کرتے اور انتخاب تیار کر کے اپنے ملازمین کو بھی ان کی یادداشت کا حکم دیتے۔ اور نصف شب کے قریب بہتر راحت پر آرام کرتے

تواریخ کے علاوہ یونانی جنرلوں اور دینا کے مشہور فاتحوں کی سوانحی۔ اور تصنیفات کو بھی

خاص دلچسپی سے سنا کرتے تھے۔

ان کا قول تھا کہ میں اپنی نشان کو اس سے ارفع پاتا ہوں کہ کوئی قصور میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی جہالت میرے علم سے زیادہ یا کوئی بدی میرے احسان سے برتر۔ یا کوئی عیب میری عیب پوشی سے افروز۔

ایک دفعہ عبدالرحمن بن الحکم کو ان الفاظ میں نصیحت کی تھی "بھتیجے میں دیکھتا ہوں کہ تم شاعری کے شائق ہو مگر غزل کبھی نہ لکھنا۔ جس سے شریف عورتوں کو عار آئے۔ اور مدح و بھجوں کی بھی مشق نہ کرنا۔ بھجوں نا انصافی ہے اور یہودہ مدح میں بھیجائی۔ ہاں اپنی قوم کے کارنامے تذکرہ کرو۔ اور ایسی مثال بیان کرو جو تمہارے لئے زینت اور غیر کیلئے آدب کا کام دیں"

ایک دفعہ عبداللہ بن صلح نے ان سے پوچھا کہ تم کو سب سے زیادہ پیارا کون ہے؟ کہا جو سب سے زیادہ میری محبت لوگوں میں پھیلاتا ہے۔

ہر کاروں کی ڈاک سب سے پہلے انہوں نے نکالی۔ اور لفافہ پر مہر کر نیکا طریق نکالا۔ اور مہر شاہی کیلئے علیحدہ عہدہ دار بنایا۔

حجاج بن یوسف لقمی

حجاج کی خوزری ضرب المثل ہے اور اسلامی بادشاہوں میں یہ شخص اپنے ظلم و ستم کے عجیب و غریب طوار میں عدیم المثل ہے۔

اسکی ماں فارعہ بنت ہمام ہے۔ ابن جوزی لکھتا ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات گشت کو نکلے ایک گھر سے گانے کی آواز آئی۔ کان لگا کر سنا تو یہ شعر گایا جاتا تھا۔

هَلْ مِنْ سَبِيلٍ إِلَى خَيْرٍ فَاشْرَبْنَا
أَمْ مِنْ سَبِيلٍ إِلَى نَصْرٍ بِنِ حِجَّاجٍ

کیا شراب حاصل کر نیکا کوئی طوبیاق بھی ہے۔ یا نصر بن حجاج کے ملنے کی کوئی تدبیر بھی ہے۔

اس عورت کا نام متمنیہ رکھا گیا۔ اور دریافت سے معلوم ہوا کہ فارعہ والدہ حجاج تھی۔

یہی فارعہ حرث بن کلدہ حکیم عرب کے گھر میں تھی ایک دن اُس نے دیکھا کہ صبح ہی صبح فارعہ اناتول میں خضال کر رہی ہے۔ حرث نے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ فارعہ نے پوچھا میرا قصور بھی تو بتلاؤ

کہا اگر تو نے صبح اٹھتے ہی کچھ کھایا ہے۔ اور اس لئے خدلال کی ضرورت پڑی ہے۔ تب تو تو بڑی
 پٹیل اور کھاڑ ہے۔ اور اگر رات کا کھانا کھا کر صبح کو خدلال کرتی ہے تو نہایت بدتمیز ہے اس نے
 کہا۔ دونوں صورتیں نہ تھیں مسواک کے ریشے و انتوں میں پھنس گئے تھے۔ خدلال سے نکال دینے
 غرض حیرت کے بعد یوسف ثقفی نے فارغہ کیساتھ نکاح کیا۔ اور حجاج اس سے پیدا ہوا جب
 پیدا ہوا تو مقعد کا سوراخ نہ تھا سوٹے کے ساتھ سوراخ کھولا گیا۔ پھر یہ مشکل ہوئی کہ ماں کی چھاتی
 منہ میں نہ لیتا۔ کسی نے بتلایا کہ سیاہ بکری لیکر فوج کرو۔ اور اس کا خون اس کے ہونٹ پر لگاؤ
 دوسرے روز بھی ایسا ہی کرو۔ تیسرے روز سیاہ بکرے کا خون منہ سے لگاؤ۔ چوتھے روز سیاہ
 سانپ کا خون منہ سے لگاؤ۔ اور سارے چہرہ پر بھی ملو۔ اس ترکیب کے بعد دودھ پینے لگیگا
 اسی کی تدبیر کے موافق عمل کیا گیا۔ اور چوتھے روز حجاج دودھ پینے لگا۔

کہتے ہیں کہ جو خون پیدا ہوتے ہی منہ کو لگا تھا۔ اسی لذت عمر بھر نہ بھولا۔ نسل انسانی کو قتل
 کرانا اور خوش ہوا کرتا تھا۔ اور خوزیری کے بغیر اسے چین ہی نہ آتا تھا۔ خود اس کا بیان ہے
 کہ سب بڑھکر مجھے خوزیری میں لذت آتی ہے۔

ابتدائی حال میں باپ کیساتھ مکتب پڑھنے میں شریک ہوا لیکن تھوڑے دن کے بعد ہی
 عبد الملک کے وزیر روح بن زبناغ کی خدمت میں رہنا سہنا اختیار کیا۔ وزیر نے اسے اپنی جائداد کا
 انتظام سپرد کر دیا تھا۔

ایک روز عبد الملک نے وزیر کے پاس فوج کے کوچ و مقام کی بیقاعدگی کا ذکر کیا۔ اور اس
 کیلئے آدھی سے زیادہ فوج پھلے پڑاؤ پر ہی پڑی رہتی ہے۔ وزیر نے کہا کہ میرے پاس ایک
 شخص ہے اگر اسے اس خدمت پر مامور کر دیا جائے تو تمام لشکر کا کوچ و مقام باقاعدہ ہو جائے
 اس شخص کا نام حجاج ہے۔ عبد الملک نے منظور کر لیا جس روز سے حجاج کو یہ خدمت ملی اس نے
 تمام فوج کو ایک ضابطہ کا پابند کر دیا۔ کہ مقررہ وقت پر کوچ ہو اور مقررہ وقت تک اگلے پڑاؤ
 پر پہنچ جایا کرے۔

وزیر کے ذاتی ملازمین جو حجاج کو اپنے میں سے ایک سمجھتے تھے۔ ہنوز پہلی عادت کے عادی
 تھے۔ ایک روز تمام لشکر کوچ کر گیا۔ اور صرف وزیر کا عملہ فعلہ رہ گیا۔ حجاج نے دیکھا تو وہ ابھی کھانا
 کھا ہے تھے۔ پوچھا تم لوگ کیوں شاہی لشکر کیساتھ روانہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے ہنس کر کہا
 آؤ تم بھی کھانا کھا لو۔ حجاج بولا اب وہ وقت گئے اس کے بعد ان سب کو قید کر کے وزیر کے تمام

کے پاس آگ لگوا دی۔ وزیر کو خبر ہوئی تو وہ روتے روتے عبد الملک کے پاس گیا۔ اور لمبی چوڑی شکر کرنے لگا۔ حجاج طلب ہوا۔ اور اس حرکت کا جواب طلب کیا گیا۔ حجاج نے کہا حضور میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ خلیفہ نے پوچھا تو اور کس نے کیا ہے۔ بولا حضور نے۔ کیونکہ میرا ہاتھ حضور کا ہاتھ اور میرا چاہا ایک حضور کا چاہا ہے۔ حضور کیلئے کچھ بھی دشوار نہیں۔ اگر وزیر صاحب ایک خیمہ کے عوض دو خیمہ اور ایک نوکر کے بدلہ دو نوکر عطا فرمادیں گے اور مجھے میری خدمت سے معزول نہ کریں۔ عبد الملک نے اس کے جواب کو پسند کیا۔ وزیر کے نقصانات کا معاوضہ دیا گیا اور حجاج کی اس روز سے قدر و منزلت بڑھ گئی تھی کہ عبد الملک نے اسے کل عراق اور خراسان پر گورنر مقرر کر دیا۔ عبد الملک کے بعد جب لید خلیفہ ہوا تو اس نے بھی اس کو اس عہدہ پر بحال رکھا۔

عقوبات جسمانی اور قتل و خوریزی کے متعلق اس نے عجیب عجیب ایجادات و اختراعات کیے تھے جن کا بیان مفصل تاریخ کی کتابوں سے مل سکتا ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت فائق اعظم کے بعد زیاد بن سمیہ نے (جو حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافتوں میں گورنر ایران رہا) حضرت عمر کی تقلید کرنی چاہی مگر حدود سے متجاوز ہو گیا پھر حجاج نے زیاد کی تقلید کرنی چاہی تو بالکل ہی ہلاکت میں گرا۔

زبان میں فصاحت غضب کی تھی۔ اور اہل فصاحت و بلاغت کی قدر بھی کیا کرتا تھا۔ بایں ہمہ سفاکی و بیزاری بسا اوقات فصاحت کی بدولت اس کی شمشیر سے بے قصور جانیں بچ جاتی تھیں۔

ایک دفعہ خطبہ کیلئے کھڑا ہوا تو کہا لوگو اللہ کے محارم سے صبر کر لینا آسان ہے مگر اللہ کے عذاب پر صبر مشکل۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ تیرے جیسا شوخ دیدہ بیچیا کوئی نہ ہوگا (کہ عمل و ماوا قول یہاں حجاج نے قید کا حکم دیا۔ اور جب نماز سے فارغ ہو کر آیا تو اسے طلب کیا۔ پوچھا تو نے ہمارے سامنے کیوں ایسی گستاخی کی۔ کہا تو خدا کے حضور میں گستاخی کرتا ہے۔ اور اسے برا نہیں سمجھتا۔ لیکن میں نے جب تیرے سامنے گستاخی کی تو اسے کیوں ناپسند جانتا ہے حجاج نے شرمندہ ہو کر اسے چھوڑ دیا۔

اس کے وقت میں اگر کوئی نیک کام ہو تو یہ کہ نصر بن عاصم نے اس کے حکم سے قرآن مجید کے الفاظ معجزہ پر نقطے لگائے اور تصحیف کیلئے ایک سہولت نکال دی۔

اسکی لطیفہ گوئی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جامع مسجد کا ایک دروازہ اس نے تیار کرایا اور ایک عبد الملک نے کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ کے بنوائے ہوئے دروازہ پر بجلی گری۔ دروازہ منہدم ہو گیا بادشاہ کو بہت گراں گزرا۔ حجاج نے خط میں لکھا کہ حضور میری اور آپکی مثال آدم علیہ السلام کے دو فرزندوں (ہابیل قابیل) کی سی ہے۔ قربانی دونوں نے پیش کی تھی۔ لیکن قبولیت صرف ایک کو نصیب ہوئی۔ قبولیت قربانی کی علامت بجلی کا قربانی کو جلا دینا تھا۔ بادشاہ یہ پڑھ کر خوش ہو گیا۔

ایک دفعہ اس نے خواب میں دیکھا کہ اسکی دونوں آنکھیں نکال لی گئی ہیں صبح اٹھ کر خواب کو نو سو بیوی کی بدفالی سے منسوب کیا اور اس کو طلاق دیدی۔ تھوڑے دن کے بعد اس کا بیٹا محمد مر گیا۔ اور جس دن وہ مرا اسی دن حجاج کے بھائی محمد کی لاش بھی مین سے ہینچ گئی۔ بولا یہی میرے خواب کی تعبیر تھی۔ کیا کوئی شاعر اس بارہ میں کچھ کہہ سکتا ہے۔ فرزدق نے اسی وقت یہ قطعہ پڑھا۔

ان الزبائت لا رزیت مثلها فقلان مثل محمد و محمد
ملکان قد خلت المناظرهما اخذ الحمام علیہما بالمرصد

یہ ایسی مصیبت ہے جس کی نظیر کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی۔ کہ محمد جیسا شخص اور دوسرے محمد جیسا مرد ہم میں سے گم ہو جاویں۔ یہ دونوں بادشاہ تخت کو خالی کر گئے۔ اور موت نے گھات میں سے نکل کر ان کو پکڑ لیا۔

کہتے ہیں جب بستر مرگ پر دراز ہوا۔ اور مرض الموت میں گرفتار۔ تو ایک نجومی سے دریافت کیا کہ اس سال کسی حکمران کی موت بھی تیرے زائچہ میں نظر آتی ہے۔ کہا ہاں۔ لیکن آپ تو یقیناً وہ نہیں۔ کیونکہ میرے زائچہ میں ایک شخص کلیب نامی بادشاہ کی موت معلوم ہوتی ہے۔ حجاج نے کہا بخدا میں وہی ہوں۔ کیونکہ پہلے میری ماں نے میرا نام کلیب ہی تجویز کیا تھا۔ جس موت میں یہ مرا ہے اس میں لرزہ اور سردی اسے از حد ستاتی تھی انکاروں سے دھکتی ہوئی انگلیٹھیاں جسم سے ایسی قریب کر دیتے۔ کہ جلد بھی جل جاتی۔ تاہم حجاج سردی کی شکایت کئے جاتا۔ حجاج نے تنگ آ کر حضرت امام حسن بصریؒ کے پاس کہلا بھیجا۔ کہ کچھ دعا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو تجھے پہلے ہی ظلم و ستم کرنے۔ بیگناہوں کو ستانے۔ نا کردہ قصور شخصوں کے قتل کرنے سے روکا کرتا تھا۔ حجاج نے کہا کہ میں صحت نہیں چاہتا۔ بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں

کہ خدا مجھے جلدی اٹھالے۔ اور عذاب زہریر سے نجات دے۔ امام حسنؑ یہ سن کر رونے لگے۔ کہ
اللہ اکبر جس نے دنیا پر سطوت و جباری سے حکومت کی ہے۔ اب کیسی در ماندگی و لاچارگی
کے ساتھ دم توڑ رہا ہے۔

خلیفہ ولید کے پاس اپنے الوداعی اشعار لکھ کر بھیجے۔

جب آپ مجھ سے راضی ہیں تو میرے لئے لٹے لٹے اطمینان کا موجب ہے۔	} اذما لقیت اللہ عنی راضیا فان سرور النفس فی ما هنالك حسی حیاة اللہ من کل میث وحی بقاء اللہ من کل حالک لقد ذاق هذا الموت من کان قلنا ولنحزن ذوق الموت من بعد ذلک
سب مہمانیوالے ہیں تو میرے لئے اللہ پاک کا زندہ اور باقی رہنا کافی ہے۔	
جو ہم سے پہلے آئے تھے وہ موت کا پہلے مزا چکے چکے اب ہم انکے بعد چکھتے ہیں۔	

آخری وقت پر شعر پڑھتا رہتا تھا جس میں اپنے گزشتہ افعال کو قبول کر کے ندامت کا
اظہار نیز استغفار کرتا ہے ۵

یاد بقد حلف الاعتداء واجتهدا ایما ہم اننی من ساکن النار

المخلفون علی عمیاء و یجھم ما ظنہم بعظیم العفو عفار

”خداوند امیرے دشمنوں نے یقین کر لیا ہے اور قسمیں کھا رہے ہیں کہ میں ضرور سنی جہنمی ہوں
افسوس یہ لوگ کیسے اندھے پن کیساتھ قسم کھا رہے ہیں اور پاک پروردگار پر جو بخش دینے والا
اور عظیم العفو ہے۔ کیسا گمان کر رہے ہیں۔“

پندرہ روز کی سخت بیماری و لاچارگی کے بعد رمضان ۹۵ ہجری کو ۵۵ سال کی عمر میں
وفات پائی اور شہر واسطہ میں جسے بصرہ و کوفہ کے درمیان ۸۷۰ میں اس نے خود آباد کیا
تھا دفن کیا گیا۔

امام حسن بصری نے اسکی خبر وفات سنی تو سجدہ شکر کیا اور دعا کی ”اللہی اسے وفات دی ہے
تو اس کے طور و طریق کو بھی وفات دیدے“

اس کے بیگناہ مقتولوں کی تعداد ستر ہزار اور بعض نے ایک لاکھ کئی ہزار تحریر کی ہے جس میں صحابہ
و تابعین ائمہ و مجتہدین بھی بکثرت شامل ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

معتد علی اللہ آخر ملوک حیرہ

معتد علی اللہ قرطبہ و اشبیلہ کا والی تھا۔ اور قرطبہ جزیرہ اندلس کے بڑے حصہ پر اسی کا فرمان جاری تھا۔ ایک شاعر نے معتد اور اسکے باپ معتقد کی تعریف میں کہا ہے۔

مِنْ بَنِي الْمُنْذِرِ وَهُوَ أَنْتَسَابُ زَادَتِي فخرُهُمْ بَنُو عَبَّادٍ
فِتْيَةٌ لَمْ تَلِدْ سِوَاهَا الْمَعَالِي وَالْمَعَالِي قَلِيلَةٌ إِلَّا وَكَلَدٌ

وہ نعمان بن منذر کی اولاد سے ہیں اور اس نسب کے فخر کو عباد بن عمر کی نسل میں ہونے نے اور بھی بڑھا دیا ہے۔ یہ ایسے جوان ہیں کہ ماوراء جلال نے ان کے سوا اور کوئی نہیں جتنا بیشک اجلال بہت کم بچوں کی مال ہے۔

اس کا دادا ابوطاہر محمد اشبیلہ کا قاضی تھا اور اپنی منصفانہ طبیعت کی وجہ سے تمام ملک میں مشہور تھا۔ اس وقت یحییٰ بن علی بادشاہ قرطبہ تھا۔ تمام ملک اسکے چور و ستم سے تنگ آ گیا آخر سرداران ملک نے قاضی ابوطاہر کے پاس جمع ہو کر کہا کہ اگر آپ مخلوق خدا کو اس عذاب سے نجات دلاویں تو ہم آپ کو بھی بادشاہ بنالیں۔ قاضی موصوف نے مان لیا۔ اور فوج کشی کیلئے یحییٰ بن علی قرطبہ کے محل میں بدست و بے خود پڑا ہوا تھا۔ حملہ آور فوج نے گرفتار کر لیا اور قتل ہوا۔ قاضی ابوطاہر کو بادشاہ بتایا گیا۔ اسی عرصہ میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں ہشام بن الحکم بادشاہ اندلس ہوں جو ۲۳ سال ہوئے مفقود الخیر ہو چکا تھا۔ قاضی نے اسے مان لیا۔ اور تاج و تخت اسی کو سو نپ کر خود بطور وزارت کام کرتا رہا۔ اور جب دعویٰ کرنے والا ہشام مر گیا تب مگر بادشاہ بن گیا۔ زبردست عالم و ادیب تھا اور سیاست ملک و ملک داری کا بہت بڑا ملکہ اسے حاصل تھا۔ اسکی وفات پر معتقد بافتد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا جو اگرچہ صفائی الذہن زکی الطبع ادیب و فاضل تھا مگر درشت خو سنت مزاج سلیم ہجری میں اسکی وفات کے بعد معتد علی اللہ حیرہ کا حال ہم لکھ رہے ہیں تخت نشین ہوا۔

ابوالحسن کتاب الملاح میں اسکی نسبت لکھتا ہے کہ معتد جملہ بادشاہان اندلس سے وسعت احوال و سخاوت و فضائل میں بڑا ہوا تھا۔ شعراء و فضلا اسکے آستان پر جمع ہو گئے تھے۔ اور ان میں وقتیہ و دور دور سے چلے آتے تھے حتیٰ کہ اسکے دربار سے بڑھ کر اس زمانہ میں اتنے فاضل موجود نہ تھے۔

معتد خود بھی شاعر تھا۔ اُسکے شعر میں پھیولوں کی کسی نزاکت و لطافت اور موتیوں کی کسی خالصی اور چمک پائی جاتی ہے۔ ہجرو وصال کے مضمون پر کہتا ہے۔

اکثرت هجرک غیر انک ربیما عطفک احیانا علی امور
فکانما زمن المهاجر بیننا لیل وساعات الوصال بدور

یعنی جدائی کے لمبے زمانہ میں کبھی کبھی جیب تول لیتا ہے تو یہ کہتا ٹھیک ہے کہ جدائی کا زمانہ تو راتوں سے مشابہ ہے اور وصل کا زمانہ پورنماشہ چاند سے۔

ایک دفعہ بیگمات کو قرطبہ سے اشبیلیہ روانہ کیا۔ روانگی رات کی تھی۔ معتد تھوڑی دور تک ساتھ گیا اور پو پھٹنے کی وقت اُن سے جدا ہوا۔ اُسی پر یہ قطعہ لکھا۔

سایر تھم والیل المقل توبہ حتی تبدی للتواذین علیا

توفقت ثم مودعا وتسلت من ید الا صبا ح تلك الخفاء

جبکہ رات نے چاروں طرف اپنے سیاہ پردے چھوڑ رکھے تھے میں اُنکے ساتھ ساتھ چلا گیا۔ اور جب صبح کا گلکار لباس نظر آنے لگا۔ تب میں ٹھیر گیا۔ اور اُن سے وداع ہو کر ان چمکتے ہوئے تاروں کے اُتھ کے صبح کے اُتھ میں دیکر چلا آیا۔

وداع پر ہی ایک قطعہ ہے

ولما وقضنا للوداع فدیة وقد خففت فی ساحتنا القصر رایا

بکیناد ما حتی کان عیوننا یجری الدموع الحمر منہا جراتا

صبح کی وقت جبکہ روانہ ہوئیو اے جھنڈے محل کے صحن میں لہرا ہے تھے ہم وداع کے لئے کھڑے ہوئے اور لہو کے آنسوؤں سے رویا کئے۔ گویا جن آنکھوں سے وہ لہو گر رہا تھا۔ آنکھیں نہیں۔ بلکہ پھر ہوا پھوڑا تھیں۔

اپنے مصاحبین کو جو صبح کی وقت قصر زہرا میں تھے طلب کرتا ہے۔

حسد القصر فیکم الزهراء ولعسری وعبرکم ما اساء

قد طلعتنہم بالشموسا نہارا فاطلعوا عندنا بدو ورامساء

قصر زہرا کو بھی تم پر حسد ہے۔ اور یہ حسد کچھ ناموزون بھی نہیں۔ ان میں تم یہاں سے کوچ ہو کر چمکے ہو تو شام کو یہاں چاند بن کر طلوع کرو۔

قصر زہرا جس کا ذکر اس قطعہ میں ہے دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ اسے عبد الرحمن اموی نے

قرطبہ سے چار پانچ میل پر اپنی بیگم زہراء کے نام پر ۳۲۵ ہجری میں تعمیر کرایا تھا۔ قصر کا طول دو ہزار سات سو گز عرض ایک ہزار پانچ سو گز تھا۔ قصر کی سقف کو چار ہزار تین سو ستون سر پر اٹھائے ہوئے تھے۔ جس وقت یہ قصر تعمیر کیا گیا ہے اس وقت اندلس کا محاصل اراضیات پانچ کروڑ چار لاکھ اسی ہزار دینار۔ اور محاصل متفرقہ سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھے۔ عبد الرحمن کل آمدنی کا ایک ثلث فوج پر ایک ثلث دیگر اخراجات سلطنت پر اور ایک ثلث اس عمارت پر صرف کیا کرتا تھا۔

مستند کے عہد میں کل ملک اندلس پر شانانہ اور اعلیٰ طاقت کے ساتھ ایک عیسائی بادشاہ اذقوش نامی تسلط تھا۔ اور تمام اسلامی ریاستیں اُسے خراج ادا کیا کرتیں ۷۷۵ھ ہجری میں اس عیسائی بادشاہ نے طلبہ فتح کیا اور اُس سال جو خراج مستند علی اشد نے اُسے بھیجا وہ قبول نہ کیا۔ بلکہ کہلا بھیجا کہ تم تمام جنگی قلعہ جہات چھوڑ کر صرف بہوار سطح پر اپنا قبضہ رکھو۔ مستند نے سفیر کو قتل کر دیا۔ اذقوش یہ سن کر بہارت طیش میں آیا۔ اور اسی بہانہ پر لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ جب علماء و فقہاء کو یہ معلوم ہوا۔ تو انہوں نے ایک انجن میں جمع ہو کر مشورہ کیا۔ کہا ہماری چھوٹی چھوٹی ریاستیں باہمی جنگ و جدل میں مصروف ہیں۔ اور نصاریٰ برابر کے بعد دیگرے اسلامی حکومتوں کو خاک میں ملا رہے ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو اسلامی حکومتوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ آخر قاضی عبد اللہ کی رائے یہ بھیری کہ یوسف بن تاشقین بادشاہ مراکو سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔ مستند علی اشد نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور یوسف بن تاشقین کی خدمت میں خط روانہ کیا گیا وہ فوراً دس ہزار جنگ آزماد فوج لیکر مقابلہ میں آیا اذقوش نے بے چوڑے خط لکھ کر امیر یوسف کو ڈراتا چاہا۔ جس کے جواب میں یوسف نے صرف یہ لکھ بھیجا۔ کہ جو ہونہے اُسے تم جلد دیکھ لو گے اگلے روز جنگ شروع ہوا۔ صرف اذقوش چند نفروں سمیت جان بچا کر بھاگ سکا۔ باقی تمام عیسائی فوج وہیں کام آئی۔ مستند علی اشد نے بھی لڑائی میں ایسی سعی و کوشش اور جرات و شجاعت دکھائی کہ ہر پانچوں سے چور ہو گیا۔

امیر یوسف اس فتح کے بعد اپنے دار السلطنت کو لوٹ کر چلا گیا۔ دوسرے سال پھر آیا۔ اور مستند کو ساتھ لیکر اہل فرنگ کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر دیا۔ لیکن جب قلعہ فتح نہ ہوا تو غناطہ کی سیر کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ غناطہ کی سیر کیا کی۔ وہ انکی نفاست و لطافت رمال و زر تجارت و صنعت میوہ جات اور ترکاریاں مہلات و باغات بازار اور تفریح گاہیں دیکھ کر حیران ہو گیا۔ مراکو میں

یہ سامان خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ امراء و مصاصین بھی اس ملک کے شیفتہ ہو گئے۔ امیر کو ترغیب دینے لگے کہ اس ملک پر تو خود قبضہ کر لینا چاہیے۔ اسی ضمن میں محمد علی اللہ کی نسبت ایسی باتیں بتائیں بنا کر سنتے رہے۔ جن سے امیر کا مزاج برگشتہ ہو جانے آخر اراکین دربار کا قریب چل گیا اور امیر نے اشبیلہ فوج کشتی کا حکم دیا۔ سخت محاصرہ کے بعد شہر فتح ہو گیا۔ تمام باشندگان بیک بینی و دو گوش کہ ستر عورت کھیلے بھی بدن پر دیچی نہ تھی۔ باہر نکلنے گئے۔ محمد علی اللہ قید کر لیا گیا۔ شاہی کنبہ کے تمام مرد و زن ایک رس سے بندھے ہوئے اور ایک دوسرے پر اوندھے پڑھے ہوئے تھے سب کو ایک کشتی میں ڈالا گیا۔ اور امیر کی خدمت میں بھیجا گیا۔ بعد الجبار شاعر نے کشتی کو روانہ ہوتے دیکھ کر ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

رفعت لسانی بالقیامة قدانت فہذا ای الجبال الراسیات تسیر

میری زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ کہ لو قیامت آگئی۔ دیکھ لو یہ بڑے بڑے پہاڑ چل رہے ہیں عربی شاعر عظیم المرتبت شخص کو پہاڑ سے تشبیہ دیا کرتا ہے۔

جب یہ قیدی امیر یوسف کے سامنے کئے گئے تو اس نے محمد کو شہراغمت میں طوق و سلاسل کے ساتھ قید رکھنے کا حکم دیا۔ جہاں یہ نیک شاہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک رہا۔ اللہ اکبر کیا عبرت کا مقام ہے کہ چار روز پہلے جس نام کا ملک میں سگے و خطبہ جاری تھا۔ جو سنہری تخت پر ناز سے قدم رکھتا تھا جس کے حضور میں بڑے بڑے گردن کش حاضر ہوتے ہوئے تھرتے تھے۔ وہ کیسی گنتامی کیساتھ فرش خاک پر طوق و سلاسل کے شکنجے میں پڑا ہوا ہے اور کس طرح ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کی مہربانی کیلئے التجا کرتا ہے۔

ایک شاعر نے جو نمک پروردہ بھی تھا۔ اپنے آقا کی اس رُلا دینے والی حالت پر قصیدہ لکھا ہے۔ عربی دماغ کے خیالات معلوم کر دینے کیلئے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

وقل لی مجازا ان عدمت حقیقتہ لعلک فی لعم وقد کنت منہما

گو حقیقتہ نہیں لیکن مجھ سے مجازاً ہی بتلا دیجئے کہ کیا آپ نعمتوں میں ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو کیونکہ قدیم سے آپ نعمت پروردہ تھے۔

افکر فی عصر مضی لك مشرقا فیرجم ضوء الصبد عندی مظلم

میں جب آپکے پچھلے روشن زمانہ کو یاد کرتا ہوں۔ تو صبح کی روشنی میری آنکھوں میں تاریک نظر آتی ہے۔

واجب من افق لبحرۃ اذ رای کسوفک شمسا کیف الطلع النجما

میں تو پیردین کو دیکھ کر حیران ہونکہ جب بڑے سے آفتاب کو گہناتے ہوتے دیکھ چکا ہے تو اب ستارہ ہو کر کس طرح چمکتا ہے۔

صباحہم کناہم محمد السری فلما عد مناہم سرینا علی عنی

اُنکے عہد میں ہم صبح کے خواب شیریں میں تھے لیکن جب وہ نرہے تو ہم اندھے رہ گئے۔

ولنا وعینا العزوجل حامہم فقد اجذبنا لمرعی وقد اقص الحمی

عزت و اقبال اُنکے بے زار کار کھوالا تھا۔ مگر اب وہ بے زار ہی خشک ہو گیا وہ پیر ہی کڑ شور بنگیہ

بلینک حتی لم یجل لی الا سی دموعا بہا ابکی علیک و لا دما۔

میں اس قدر رو یا ہوں کہ اب نہ آنسو ہی باقی رہے ہیں اور نہ خون جو آنکھوں سے نکلے۔

سینیک من بنی من الجب یوسفنا و یوویک من اوی المسید ابن مریمنا

تجھے وہ پاک پروردگار نجات دیکھا جس نے یوسف کو چاہ سے نکالا تھا۔ تجھے وہ مالک امن گاہ تک پہنچا بیگنا جس نے مسیح کو بچایا تھا۔

وفا و مروت میں جو لوگ ثابت قدم تھے وہ زنداں میں بھی جا کر معتد سے ملا کرتے اور پہلے کی

سی تعظیم و آداب کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابو بکر شاعر اُسے ملنے گیا اسے گیا۔ تو معتد نے

۲۰ دینار۔ ایک چوغہ قلم کار اُس کے پاس بھیجا۔ اور یہ قطعہ بھی لکھا۔

الیک التذ من کشف الاسیر فان تقبل تکن عین الشکور

تقبل ما یكون له حیاء وان عذرتہ احوال لفقیر

یہ آپکی نظر سے جو قیدی پیش کرتا ہے۔ اگر تم نے اسے منظور کیا۔ تو مشکوری کا باعث ہے

گو فقیرانہ حالت نے مجھے معذور کر رکھا ہے۔ تاہم مجھے اس تھوڑی سی چیز پر شرم آتی ہے پھر

حال تم سے منظور ہی کر لو۔

عید کا دن تھا اور شہر میں چہل پہل ہو رہی تھی۔ اتنے میں معتد کی دو بیٹیاں وہ ناز پروردہ

شہزادیوں اپنے باپ کو دیکھنے کیلئے زنداں میں آئیں۔ یہ لڑکیاں گلی بازار میں لوگوں کو گیت

سنانا کر بھیک مانگ کر گزارن کرتی تھیں۔ زنداں میں ایک عہدہ دار بھی موجود تھا جو پہلے معتد

کا ملازم اور ادنیٰ چاکر رہ چکا تھا۔ شہزادیوں کو دیکھ کر اُس کا دل بھر آیا۔ اور بے ساختہ یہ شعر

پر پڑھنے لگا۔

فیمامضی کنت بالاعیاد مسرورا فساءك العید فی انعامات مسورا

آج سے پہلے عید کے دنوں میں تو آپ خوش و خرم ہوتے تھے لیکن انعامات کی خرید میں بھی اسیر پڑے ہو۔

نری بناتک فی الاظمار جائعہ یخزن للناس کلا یملکن قطمیرا

تو اپنی بیٹیوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہے کہ پیٹ سے بھوکی اور بدن سے تنگی ہیں لوگوں کے سامنے گیت گاتی ہیں اور کوڑی پاس نہیں۔

بزر ن لحوک للتسلیم خاشعہ ابصار هن حیرات مکاسیرا

لڑکیاں تجھے موذیانہ سلام کرنے کیلئے آئی ہیں اور انکی نگاہ سے حسرت و شکستگی ٹپک رہی ہے۔

یطان فی الطین والاقدام حایفہ کانہا لم تطامبشکا وکافورا

وہ خاک دھول میں ننگے پاؤں چل رہی ہیں گویا ان قدموں کو مشک کا نور کبھی نہیں ملا گیا تھا۔

من بات بعدک فی ملک یسرہ قانما بات بالاحلام مغرورا

آپ کے بعد جو حکومت پر خوش ہوگا اُسکی وہی مثال ہے جو خواب و خیال پر خوش ہوتا ہے۔

ایک دن معتد کا بیٹا ابوالشتم زنداں میں اپنے باپ کو دیکھنے گیا۔ دیکھا لوہے میں جھکڑا ہوا

ہے کہ کروٹ لینا بھی دشوار ہے آنکھوں سے آنسوؤں کی چھری ایسی جاری ہے کہ بند نہیں

ہوتی۔ ورنہ کو دیکھ کر اور بھی دل بھر آیا۔ اور ذیل کے اشعار پڑھنے لگا۔

اے قید! کیا تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتی۔

کہ رحم و شفقت میرے لئے جائز نہیں سمجھی گئی۔

میرا لہو پی لیا گوشت کھا لیا۔

اور ہڈیوں کو چور چور بنا دیا۔

ابوالشتم میری خبر لینے آیا ہے۔ مگر اے قید مجھے تیرے ساتھ

دیکھ کر اُس کا دل ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔

تاوان بے تمیز گم کردہ ہوش و حواس بچے پر ہی رحم کر۔ جو

تیرے سامنے رحم کی درخواست کرے ذرا نہیں جھجکتا۔

اس بچہ کی بہنوں پر ہی رحم کر۔ جن کو اُس بچہ کیساتھ

ہی تو نے حنظل و زہر کا گھونٹ پلا دیا ہے۔

لڑکیوں میں سے کوئی تو اس عمر کی ہے جو اس صیبت کو سمجھتی

قیدی اما العلمنی مسلما

ابیت ان تشفق او ترحما

دمی شراب لك واللحم قد

اکلتہ لا تهشم الاعظما

یبصرنی منک ابوہاشم

فیثنی والقلب قد هشما

ارحم طفیلا طایش لبہ

لم یحشی ان یاتیک متحما

وارحم اخیات لہ۔ مثلہ

جرعہن السم والعلقما

منہن من یفہم شیئا فقد

خفتنا علیہ للبراء العالی | سو وہ اتنا رو رہی ہے کہ اُسکے اندھا ہو جائیگا اور ہے۔

والعین لا یفہم شیئا | کوئی لڑکی ایسی ہے جو کچھ بھی نہیں جانتی۔ وہ صرف
یفتی الا لرضاع فما | چھاتی چوسنے کیلئے منہ کا کھولنا جانتی ہے۔

ابو بکر جو دربارِ معتز کا شاعر خاص تھا ایک دفعہ اُس نے معتز کے پوتے کو دیکھا کہ زنگیزی کی
دکان کر رکھی ہے۔ اور فخر الدولہ کہلائے جانے کے بعد پیسہ پیسہ پر کپڑے رنگ رہے۔ یہ قطعہ
لکھ کر اُس کے سامنے پیش کیا۔ اور اپنی نمک صلائی کا ثبوت دیا۔

شکاتنا فیک یا فخر العلاء عظیمت | والذی یعظم فیمین قدرہ عظما
اے فخر العلاء تیرے بارہ میں ہم کو بہت بڑا افسوس ہے بیشک عظیم الشان کی مصیبت بھی عظیم ہی ہو اگر
طوقت من ثابتات الدر عنقۃ | صناقت علیہ و کم طوقتنا النعما

یا تو ہماری گردنوں میں قستی گلو بند پہنایا کرتا تھا۔ یا زمانہ نے تیرے گلو میں سانس کو بند کر دینے
والے طوق ڈال دیئے۔

صرفت فی آلة الصورغ انملة | لم تدرا الا الندی والسیف والقلما
تو نے ان انگلیوں کو زنگیزی میں ڈال رکھا ہے جو زبانشی سفیرائی۔ فلکیری کے سوا کچھ نہیں جانتی
تد عہد تک للتقبیل تبسطها | فنستقل الثریا ان تکون فما
وہ ہاتھ اگر تو اُسے بوسہ وہی کیلئے پھیلا دیتا تو ثریا سراپا دہن ہو کر آگے بڑھتا۔

معتز علی امتداد ۳۱۱ھ میں پیدا ہوا ۳۸۸ھ میں جیل خانہ کے اندر وفات پائی۔ صاحب
تحت قباچ اور مالک سکہ و خطبہ ہونیکے بعد گننامی کیساتھ دفن ہوا۔
اُس کے مرنے کے بعد بھی شاعروں نے دروناک الفاظ میں مرثیے لکھے۔ اور مدفن تک
پرانے نمکخوار قبر کے مجاور بنے۔

ایک روز چند شاعر اکٹھے ہو کر قبر پر پہنچے۔ عبد الصمد جو خاص شاعر تھا وہ آگے بڑھا۔ اور
قطعہ ذیل پڑھا۔

ملك الملوك اسامع قانادی | اے شہنشاہ کیا آپ سنیں گے میں کچھ عرض کروں۔ یا
ام قد عدتک عن السماء عوادی | آپ فریاد سننے سے بیزار ہیں۔
لما نقلت عن القصور ولم تکن | جب اُن محلوں سے (زندانی سے مراد ہے) جہاں
فیہا کما قد کنت فی الاعیاد | آپ کچھ زیادہ خوش نہ تھے۔ چلے آئے۔

اقبلت فی حد التی لک حجازاً تو میں بھی خاک گور پر ادب تو اضع کیساتھ حاضر ہو گیا
و جعلت قبرک موضع الانشاد ہوں۔ اور آپکی قبر کو بھی میں نے قصیدہ خوانی کی
چکھ سمجھ لیا ہے۔

اتنا پڑھتے ہی زمین پر گر پڑا۔ قبر پر لوٹا تھا۔ اور اپنے چہرہ پر خاک گور ملتا جاتا تھا۔
خود بھی رویا اور دوسروں کو بھی رُ لایا۔

پیائے ناظرین اس تمام دردناک داستان سے عبرت پکڑو اور چند سبق حاصل کرو
۱۔ ہم کو ایسے علماء کی ضرورت ہے جو قوم کے اسباب تنزل پر غور کرنے اور وجوہ ترقی پر عمل کرنے
کیلئے بادشاہ وقت کو مشورہ دینے والے ہوں جیسا کہ اذقونش کے حملہ پر علماء عہد نے معتمد کو دیا
تھا۔

۲۔ خواہ کوئی کیسا ہی عالی خاندان کیوں نہ ہو۔ اور کیسے ہی اعلیٰ عہدہ پر کیوں نہ رہے چکا بھوہیت
پڑنے کے بعد اسکو ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ اختیار کرنے اور وجہ حلال سے شکم پُری کا طریقہ نکال
میں تامل نہ کرنا چاہیے جیسے فخر الدولہ نے زنگریزی اختیار کرنے میں اپنی اعلیٰ جو المردی کا ثبوت دیا
۳۔ محسن کے احسانات کو ہمیشہ یاد رکھو اور اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔ تب جہاں تک
ممکن ہو ثبات و استقلال کے ساتھ اُسکی محبت میں رہو۔ جیسا کہ معتمد کے اکثر ملازموں اور
شاعروں نے کیا۔

۴۔ خیال کرو کہ کیونکر یہی پہلی سلطنتیں عروج پاتی اور مہبوط میں گرتی رہی ہیں۔

ملک شاہ سلجوقی

ابو الفتح کینیت ملک شاہ نام ہے۔ الپ اسلان سلجوقی اس کا باپ تھا۔ الپ اسلان سفر میں تھا
کہ بستر مرگ پر بیمار ہو کر پڑا۔ ملک شاہ ساتھ تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے کسی سفر میں بھی باپ
کیساتھ نہ ہوتا تھا۔ باپ نے بیٹے کو بلایا۔ اپنے سامنے بادشاہ بنایا۔ پھر اراکین سلطنت اور سرداران
فوج کو بلا کر اُسکی اطاعت و فرمانبرداری کا حلف لیا۔ پھر نظام الملک وزیر اعظم کو بلا کر سمجھایا کہ
فلان فلان اضلاع دوسرے بیٹوں کو تقسیم کر کے دیدے۔ اور وہ سب اپنے بڑے

بھائی کی اطاعت میں رہیں۔ سپہ رسدال فر گیا۔ اور ملک شاہ دار السلطنت کو روانہ ہوا۔ آگے چل کر معلوم ہوا کہ چچا مخالف ہو کر باغی بن گیا ہے۔ نظام الملک فوج لیکر آگے بڑھا۔ اسے شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر ملک شاہ کے سامنے لایا گیا۔ چچا نے معافی کی درخواست کی لیکن شاہ نے پذیرائی کی۔ اس نے جیب سے ایک بڑا خریطہ نکالا۔ جس میں سینکڑوں خطوط تھے۔ کہا جیتا کہ میرے پاس آپ کے سرداروں۔ اہلکاروں کے اس قدر خطوط نہ پہنچے۔ اس وقت تک سینے بغاوت نہیں کی۔ پس قصور صرف میرا ہی نہیں۔ شاہ نے نظام الملک کو بلایا۔ اور خریطہ دیکر کہا۔ کہ ان سب کو پڑھو۔ اور دیکھو کس کس نے کیا کیا لکھا تھا۔ نظام الملک نے خریطہ ہاتھ میں لیا مگر میں انگلیٹھی خوب روشن ہو رہی تھی۔ جھٹ اسکو انگلیٹھی میں ڈال دیا۔

جس وقت سے بادشاہ کے ہاتھ میں منافق سرداروں کے وہ خطوط آگئے تھے ان میں عجیب طرح کی کھلبلی اور بے چینی پھیل گئی تھی، سب کو مجسم موت نظر آنے لگی تھی۔ اور دل میں سب ٹھانے بیٹھے تھے کہ اگر شاہ نے قتل کا حکم دیا تو دو دو ہاتھ کٹے بغیر ہم بھی اپنی جان نہ دینگے۔ لیکن جب نظام الملک نے سب خطوط کو آگ میں ڈال دیا۔ تو سب کی تسکین ہو گئی اور ہر ایک نے یہی چاہا۔ کہ سب سے زیادہ وفاداری اور خدمتگزاری کا وہی اظہار کرے۔ تاکہ احتمالی طور پر بھی ان پر شبہ نہ ہو سکے۔ پس یہی ایک سادہ اور پر معنی تدبیر تھی۔ جس سے ملک شاہ کی حکومت مستحکم ہو گئی۔ اور آئندہ فتوحات بھی اس قدر بادشاہ کو حاصل ہوئیں کہ خلفائے متقدمین کے بعد کسی بادشاہ کے نصیب ہوئی تھیں۔ اس کی حدود سلطنت کا شجر سے لیکر بیت المقدس تک اور قسطنطنیہ سے لیکر بلاد خزر تک پھیلی ہوئی تھیں خاص بغداد بھی اسی کی زیر حکومت تھا۔ اور خلیفہ صرف نام کا خلیفہ رہ گیا تھا۔ جیسے اکبر ثانی وغیرہ شاہانِ دہلی پنشن خواری کی حالت میں بھی بادشاہ کہلاتے تھے۔ اتنی بڑی سلطنت میں امن وامان ایسا تھا کہ ماوراء النہر سے لیکر شام کی انتہائی سرحد تک قافلے بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے۔ اور ان کے ساتھ ایک سپاہی بھی حفاظت کیلئے ہوتا تھا۔ اگا دکا آدمی ہزاروں کا مال لیکر بے بے سفر کیا کرتا تھا۔ اور اسے بدامنی کا کوئی ہراس نہ ہوتا تھا۔

بادشاہ ایسا فتح نصیب تھا کہ جتنی لڑائیوں میں خود شامل ہوا۔ یا فوج بھیجی سب مظفر و منصور واپس ہوئی جمہور فتح کا خیال تھا۔ اسی قدر آبادی ملک کا بھی دھیان رکھتا تھا۔ تمام ملکوں میں نہروں کا جال بچھا دیا۔ اور ہر ایک بڑے شہر کی فصیل تیار کرادی تھی۔ اور

جہاں شاہراہوں پر پل بنوائے تھے۔ بغداد کی جامع سلطان کا بانی بھی یہی ہے۔ مکہ مکرمہ کی راہ میں بیسیوں مہمانسراییں تیار کر دیں۔ اور ان پر بہت زیادہ روپیہ صرف کیا۔ شکار کا تو عاشق تھا جب فرصت ملتی شکار کو چلا جاتا۔ ایک دفعہ حکم دیا کہ جتنے جانور ہم نے شکار کئے ہیں انکا شمار کیا جائے۔ بھول چوک چھوڑ کر دس ہزار گنتی میں آئے۔ بادشاہ نے دس ہزار دینار خیرات کئے کہا میں خدا سے عفو چاہتا ہوں۔ کہ بہت سے ایسے مارے گئے جو کھائے نہیں گئے۔ اس کے بعد جو شکار کرنا ایک دینار صدقہ دیتا۔

طبیعت میں تواضع اور انکسار اس قدر تھا کہ ایک دفعہ حاجیوں کو رخصت کرنے کیلئے کوفہ سے نکلا۔ تو کئی کوس تک انکے ساتھ پایادہ ہی چلا گیا۔ جب بیڑ میں پہنچا تو وہاں ایک بہت بڑا گورنر مل گیا۔ حکم دیا کہ جہاز پر ہم شکار کر چکے ہیں انکے سب کچھ اور سینگ اکٹھے کر کے اس جگہ ایک مینار تیار کر دیا جائے جسے دیکھ کر وحشی بھاگ جایا کریں۔

خبر آئی کہ حقیقی بھائی باغی ہو گیا۔ لشکر لے کر چلا۔ راتہ میں امام علی بن موسیٰ رضا رضوان اللہ علیہم کا مشہد آیا۔ نظام الملک کو لیکر روضہ میں چلا گیا۔ ایک گوشہ میں نماز پڑھی اور دونوں نے دعا مانگی باہر آ کر نظام الملک سے پوچھا کہ تم نے یہاں کیا دعا مانگی کہا حضور کی فتح و نصرت کی۔ کہا میں نے تو یہ دعا مانگی ہے کہ خداوند کریم ہم دونوں بھائیوں میں سے جو رعیت کو زیادہ نفع پہنچا نیوالا اور مسلمانوں کی حالت کو زیادہ درست رکھنے والا ہوا سو فتح دے۔

ایک دفعہ ایک واعظ سے وعظ سننے لگا۔ واعظ نے بیان کرتے ہوئے یہ حکایت سنائی اکاسرہ (فارس کے آتش پرست بادشاہ) میں ایک بادشاہ شکار میں تنہا رہ گیا۔ اور ایک باغ میں جا پہنچا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی وہاں موجود تھی اس نے پانی مانگا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد شربت اور برآب کا گلاس لے آئی۔ بادشاہ نے پوچھا کہ مٹھاس کس چیز کا ہے۔ کہا باغ میں بہاؤت عمدہ قسم کے پودے ہیں ہاتھ سے ڈرا دباؤ تو رس نکل پڑتا ہے۔ اس پانی میں ڈال کر میں نے شربت بنا لیا ہے کہا اچھا ایک گلاس اور لا۔ لڑکی چلی گئی۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ ایسا باغ ہمارے پاس ہونا چاہیے۔ ان کو معاوضہ میں کوئی اور باغ دے کر شاہی قبضہ کر لوں گا۔ لڑکی دیر کے بعد رونی شکل بنا کر آئی۔ کہا ہمارے بادشاہ کی نیت میں الوقت فرق آ گیا۔ بادشاہ کہا کیونکر۔ کہا ابھی دفعہ بڑی دقت اور زور سے رس نکلا ہے اور وہ بھی کم۔ بادشاہ نے دل میں کہا کہ اسکی آزمائش کرنی چاہیے۔ میں اپنے ارادہ کو نسخ

کرتا ہوں کہا اچھا ایک گلاس اور لے آ۔ لڑکی جلدی آگئی۔ اور سنتی ہوئی آئی۔ کہا شکر ہے کہ بادشاہ کی نیت درست ہو گئی اور پودے پہلے جیسے بن گئے۔

ملک شام نے یہ سکر و اعظا کو کہا کہ اسکے ساتھ وہ قصہ بھی تو لوگوں کو سنا دینا چاہیے۔ کہ نوشیروان نے ایک بخیان سے (جو بادشاہ کو پہچانتا تھا) انکوڑ کا ایک خوشنہ مانگا۔ باخیان نے کہا کہ بادشاہ نے ابھی بٹائی نہیں لی۔ اس لئے میں خیانت نہیں کر سکتا۔ مجلس و عظ کے حاضرین حیران رہ گئے کہ واعظ نے جس درجہ کی کہانی سنائی تھی جس سے رعیت کا بادشاہ پر حق ثابت ہوتا ہے اسی درجہ کی بادشاہ نے سنا دی جس سے بادشاہ کا رعیت پر حق نکلتا ہے۔ بیشک دونوں کو اپنے اپنے حقوق کی کامل نگہداشت کرنی چاہیے۔

ہمدانی لکھتا ہے کہ ایک دفعہ ایک حبشی روتا ہوا بادشاہ کے پاس آیا۔ کہا میں ایک تریوز خرید کر لایا تھا۔ دو تین فوجی ترک سامنے سے آئے کہوں کر لیگئے۔ بادشاہ نے کہا ہمارے خیمہ میں خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ۔ پھر خادم کو بلایا۔ کہا میرا دل تریوز کھانا نیکو چاہتا ہے کہیں سے لاؤ۔ اُس نے کمپ میں تلاش کرائی۔ وہی تریوز ایک سردار کے پاس مل گیا۔ جب اُسے خبر ہوئی کہ بادشاہ کھانا چاہتا ہے تو خود لیکر حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کہا یہ کہاں سے آیا۔ کہا چند سپاہی میرے پاس تحفہ لائے تھے۔ کہا انکو حاضر کرو۔ سردار سمجھ گیا کہ اُن کو سزا ملیگی۔ آکر کہہ دیا۔ حضور وہ تو اس وقت کمپ سے باہر گئے ہوتے ہیں۔ بادشاہ نے حبشی کو بلایا۔ کہا اس سردار کو ہم تیرا غلام بناتے ہیں۔ جیتک یہ تجھے خوش نہ کرے۔ تیرا غلام ہے۔ امیر نے خیمہ سے باہر جا کر اُسے تین سو روپیہ دیکر خوش کیا اور اپنا پیچھا چھوڑا۔

کہتے ہیں کہ سردرسانی افواج کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جس شہر یا قصبہ میں بادشاہ جا کر اُترتا وہاں کا نرخ روزمرہ کی نسبت اور سستا ہو جاتا۔ کیونکہ بعض مواقع پر عام لوگ بھی کمسریٹ سے ضروریات زندگی خرید کر سکتے تھے۔

ہمدانی لکھتا ہے کہ تے میں ایک مغنیہ نہایت حسین و جمیلہ تھی۔ بادشاہ نے اُسے راگ سننے کیلئے بلایا۔ مگر صورت دیکھتے ہی مفتون ہو گیا۔ جب اپنا ارادہ اُس پر ظاہر کیا۔ تو کہا حضور مجھے غیرت آتی ہے کہ خدائے مجھے ایسی صورت شکل عطا فرمائی ہے اور میں اسکو جہنم کا ایندھن بناؤں۔ حضور جانتے ہیں کہ عدل و حرام میں صرف ایک کلمہ کا فرق ہے اور حرام حلال ایسی آسانی سے میسر آسکتا ہو تو حرام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ بادشاہ نے کہا سچ کہتی ہو۔ اسی وقت

قاضی کو بلوا کر نکاح پڑھوایا۔

کہتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنی بیٹی کا نکاح خلیفہ مقتدی بائند کے ساتھ کر دیا تھا۔ اُس کے شک سے ابوالفضل جعفر پیدا ہوا۔ ولادت کی خوشی میں تمام شہر بغداد کی آئینہ بندی اور چراغاں کی گئی۔

ملک شاہ کو اب خیال پیدا ہوا کہ خلیفہ پر یہ زور ڈالے کہ جعفر کو اپنا ولیعہد قرار دے۔ خلیفہ ایسا کرنا نہ چاہتا تھا کیونکہ وہ اپنے بڑے بیٹے مستظہر کو ولیعہد بنا چکا تھا۔ خلیفہ نے پہلے تو انکار کر دیا۔ لیکن جب ملک شاہ نے خود بغداد میں آکر اس پر بہت زور ڈالا۔ تو خلیفہ نے دس یوم کی مہلت غور کرنے کیلئے طلب کی۔ بادشاہ شکار کو چلا گیا۔ شکار میں اُس نے ایک گور خرمارا۔ اُس کے کباب بنا کر کھائے۔ اور کھانا ہی بیمار ہو گیا۔ بغداد میں واپس لایا گیا۔ دو روز بیمار رہ کر مر گیا۔

کہتے ہیں خلیفہ نے دس یوم کی مہلت لیکر روزہ رکھنا شروع کیا۔ اور زمین پر اپنا بستر بچھالیا۔ افطار کی وقت دعا مانگا۔ کہ الہی مجھے ملک شاہ کے تقاضا سے نجات دے۔ چنانچہ بادشاہ اسی دس یوم کے اندر بیمار ہو کر مر گیا تھا۔ اس کے مرنے پر کسی قسم کا جرع و فرج اور اظہار ماتم نہیں ہوئے۔ دستور تھا۔ کہ ماتم شاہ میں سوار اپنے گھوڑوں کی دھن کاٹ ڈالتے تھے۔ یہ رسم بھی نہیں کی گئی نہ ماتم مہلت کیا تھا۔ بغداد سے جنازہ اصفہان لایا گیا۔ اور مدبرہ عظیمہ میں دفن کیا گیا۔ ولادت ۹ جمادی الاول ۳۴۷ھ وفات ۱۶ شوال ۳۵۷ھ مدت سلطنت ۲۰ برس۔

طغرل پک پانی خاندان سلجوقی

سلجوقی دراصل ترک ہیں اور صاحب ملک و حکومت ہوئے پیشتر یہ قوم بخارا اور ماوراء النہر کے درمیان بود و باش رکھتی تھی۔ وہ کسی سلطنت کو خراج نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی سلطنت ان پر حملہ بھی کرتی تو بھاگ جاتے یا محصور ہو کر مقابلہ میں حملہ آور فوج کو شکست دے کر نکال دیتے۔ سلطان محمود غزنوی نے ان کی طاقت و شجاعت اور کثرت تعداد و آزادی کو خوفناک سمجھ کر سردار قوم کو اپنی طرح کی مہربانیوں سے گرویدہ بنا لیا۔ اور اُسکی آمد و رفت دربار میں ہو گئی۔ ایک دفعہ موقعہ ملجانے پر اُسے قید کر دیا گیا۔ اور قوم کے افراد بھی اس پر کڑے گئے۔ اراکین۔

دربار میں سے کسی کی رائے تھی کہ ان کو جیچون میں غرق کر دیا جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ صرف زراعت کاٹی جائے تاکہ نہ تیر چلا سکیں اور نہ ہتھیار اٹھا سکیں۔ لیکن سلطان محمود نے ان کو دریائے جیچون سے پار اُتار کر چھوٹی چھوٹی بستیوں میں متفرق کر دیا۔ اور ہلکا سا خراج بھی مقرر کر دیا گیا کچھ عرصہ تک تو یہ لوگ امن و امان سے آباد رہے۔ لیکن پھر حکومت کے مضبوط ہوجانے پر عمال کی سخت گیری و زیادہ ستانی ان کو تنگ کرنے لگی۔ ایک ہزار گھر یہاں سے اُجڑ کر علاقہ کرمان کو چلے گئے۔ بہاء الدین عضد الدولہ وہاں کا حاکم تھا اُس نے چودہریوں کو خلعت و کیر سب اطمینان دلایا۔ اور اپنے زیر سایہ آباد ہونیکا ارشاد فرمایا۔ اس کا منشا ان سے فوجی خدمت لینے کا تھا۔ لیکن دس دن ہی گزرے تھے کہ بہاء الدولہ مر گیا۔ اور یہ مہاجر قوم و عیلم سے ڈر کر اصفہان کو چلی گئی۔ یہاں کا حاکم علاء الدولہ تھا۔ اُس نے بھی ان لوگوں سے مدارات ہی کی اور فوج میں داخل کر لینے کا ارادہ کیا۔ لیکن اتنے میں سلطان محمود کا مرسلہ پہنچ گیا جس میں ان لوگوں کو ملک سے خارج یا قتل کر دینے کیلئے تاکید کی گئی تھی۔ سخت خوزری کے بعد بچے چھے سلجوقی آذربجان کو روانہ ہو گئے۔ ان کے جو گھر خراسان میں ہی رہ گئے تھے۔ سلطان نے ان پر لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ وہ خوارزم کی متصلہ پہاڑیوں میں پناہ گزین ہو کر دو سال تک غزنوی فوج کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخر محمود نے خود حملہ کیا۔ اور پہاڑوں کی آڑ سے نکال کر اپنے حلقہ حکومت سے خارج کر دیا۔ سلطان محمود اس سے تھوڑا عرصہ بعد ہی راہ گرتے ملک جاودانی ہو گئے۔ سلطان مسعود کو تقویت لشکر کیلئے بہادر اشخاص کی ضرورت محسوس ہوئی اُس نے ان سلجوقیوں کو جو آذربجان چلے گئے تھے۔ طلب کیا۔ ایک ہزار مرد جنگی وہاں سے مل گئے۔ پھر خراسان کے متصل متفرق پرگنہ سلجوقیوں کو جمع کرایا۔ اور سب اطاعت کا حلف لیکر سابقہ وظیفہ جو شروع شروع میں سلطان محمود نے دینا تجویز کیا تھا جاری کر دیا۔ طغرل بک اور اُس کا بھائی ہنوز ماوراء النہر کی جانب ہی تھے۔ اور ملک شاہ صاحب بخارا سے چند لڑائیاں لڑ کر بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اس وقت انہوں نے سلطان مسعود کے پاس واپس آجانیکی اجازت حاصل کرنے کیلئے عرضداشت بھیج دی۔ سلطان مسعود نے پہلے تو ان لوگوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ لیکن چند لڑائیوں کے بعد طغرل بک کو معافی دیدی اور بشرط یہ ٹھہری کہ خوارزم کو فتح کر کے سلطان مسعود کی حکومت میں شامل کر دیں گے اس وقت انکی درخواست پر وہ بوڑھا چودہری یا سردار بھی جسے سلطان محمود نے شروع میں

قید کیا تھا پھر دیا گیا۔ سلطان مسعود کی طرف سے جنگی طاقت کے بڑھانے کی گویا اجازت ہی
 تھی۔ اس لئے ایک بھاری لشکر لیکر حکومت خراسان کی طرف انہوں نے رخ کیا۔ طوس سے
 نیشاپور کو طغرل بک نے اور بلخ کو داؤد نے جلد فتح کر لیا۔ ابتدا میں تو یہ لوگ سلطان مسعود کے
 نام کا ہی خطبہ پڑھتے اور اسی کو اپنا بادشاہ ظاہر کرتے رہے۔ لیکن طاقت پذیر ہوتے رہتے
 کیساتھ طغرل بک مستقل بادشاہ ہو گیا۔ اور خلیفہ قائم بامر اللہ والی بغداد نے ان کو آزاد
 بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور تھوڑے عرصہ میں ہی انکی سلطنت تمام عراق پر چھا گئی۔ اور شہر بغداد
 بھی دائرہ حکومت میں آ گیا۔ طغرل بک ہمیشہ افراد قوم کو عدل و تقویٰ، رفق و احسان کی
 تاکید کرتا تھا۔ اور خود بھی ان اوصاف سے متخلی تھا۔ وہ پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے
 کا پابند تھا۔ اور ہفتہ میں دو شنبہ و پچھنہ کو روزہ رکھا کرتا۔ صدقہ و خیرات بکثرت کرتا۔ اور حجہ حجہ
 مساجد تعمیر کرایا کرتا۔ وہ کہا کرتا تھا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے لئے تو مکان تعمیر کراؤں۔ اور خدا
 کیلئے اسکے پہلو میں گھر نہ بناؤں۔ ایک نیک کام طغرل بک نے یہ کیا کہ قسطنطنیہ میں جو ہنوز
 یونانیوں کے قبضہ میں تھا۔ نماز باجماعت اور جمعہ کی اجازت مسلمانوں کیلئے ملکہ سے حاصل
 کر لی۔ جمعہ کے دن خطبہ میں خلیفہ قائم بامر اللہ کا نام پڑھا گیا۔ مستنصر العبیدی خلیفہ مصر کا سفیر
 بھی قسطنطنیہ میں موجود تھا۔ جو اس بات سے چڑھا گیا۔ اور قسطنطنیہ کے ساتھ ان کی عداوت
 ہو گئی۔ قبضہ بغداد کے بعد طغرل بک خود بغداد میں داخل ہوا اور خلیفہ سے اسکی بیٹی کو اپنے
 نکاح کیلئے طلب کیا۔ خلیفہ نے انکار کیا۔ لیکن بہت سی خط و کتابت کے بعد اس درخواست
 کو منظور کر لیا گیا۔ نکاح کے بعد شاہزادی ایک سنہری تخت پر جلوہ آرا ہوئی۔ طغرل بک نے
 اول ملاقات میں سامنے جا کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ اور ایسے قیمتی تحفے پیش کئے جسے دیکھ کر
 شاہزادی بھی چکا چوند میں آ گئی۔ طغرل بک اس کے بعد پھر موڈ بانہ سلام کر کے چلا آیا۔ اور شاہزادی
 کے منہ سے نقاب تک بھی نہ اٹھایا۔ وہ اس رشتہ سے نہایت ہی مسرور اور بغاقت مفتخر تھا
 شاہزادی کی پہلو نشینی کا فخر اسے چھ ماہ حاصل رہا۔ اور پھر اسے راند کر گیا۔

یہ نیک اور نامور سلطان ستر برس کی عمر میں بمقامتے ۵۵۵ھ کو اس دنیا سے سد ہارا
 اور ایک ایسے خاندان کی بنا ڈال گیا جو عظمت و اہمیت سلطنت کے علاوہ علم دوستی اور
 عمدہ اوصاف کیلئے بھی آج تک مشہور ہے۔

مرض الموت میں اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ مجھے آسمان کی طرف

اٹھا کر لے چلے کہہ اور وہ ہند کی وجہ سے نظر کچھ کام نہ کرتی تھی۔ ہاں خوشبو بہت پائیز آ رہی تھی۔ کسی شخص نے کہا کہ اب تو رب العالمین سے قریب تیرے جو مانگنا ہو۔ وہ مانگ لے۔
 یسے دلیں خیال کیا کہ درازی عمر کا سوال کروں۔ چنانچہ یسے ہی کہا۔ آواز آئی کہ تیری عمر ستر برس کی ہے۔ یسے کہا یہ تو کافی نہیں آواز آئی کہ عمر تو ستر برس کی ہی ہے۔ اسی طرح تیسری دفعہ بھی۔ کہا میری مثال تو اس بھیر کی سی ہے۔ جسے اون اٹانے کیلئے پھاڑا گیا۔ تو وہ سمجھی کہ فرج کرے گا۔ اور فرج کرنے کیلئے گرایا تو وہ سمجھی کہ اون اٹاریں گے۔

ظفر بک کا فرزند زینہ کوئی نہ تھا۔ الپ السلطان بن داؤد جو اس کا بھتیجا تھا اس کے بعد زندہ آ رہا۔

ظفر بک نیز دنیا بھر کے ہر ایک بانی سلطنت کی عمر کی سوانح اگرچہ جزئیات میں مختلف ہوں لیکن ان سب کی ترقی کی کلید صرف ایک اصول تھا۔ اور آئندہ بھی ہر ایک ترقی کرنے والے کو اسی اصول کا پابند ہونا پڑیگا یعنی مردانگی و بہمت و حیب قوم میں مردانگی نہ رہی اور بہمت جاتی رہی تو زبانی نقلتے کسی کام نہیں آسکتے۔

آج کل ہندوستان میں مسلمان بھی انگریزوں کی شائستگی اور ہندوں کی دولت مندی کو دیکھ کر آرزو کرنے لگے ہیں کہ ہم بھی دولت مندی اور شائستگی میں اوروں کے برابر بلکہ بڑھ چڑھ کر ہو جاویں۔ لیکن کیا محض یہ آرزو جہتک اسکے ساتھ عمل بھی نہ ہو ہم کو کسی بلندی پر پہنچا سکتی ہے۔ عمل کرنے کیلئے نہ لیکچر دے دینے اور سننے کی ضرورت ہے اور نہ کسی انجن کے قیام اور اسکا نمبر پٹنے کی۔ بلکہ ہر شخص اپنے اپنی ذات سے شروع کر سکتا۔ اور اپنے کنبہ و خاندان میں آہستہ آہستہ اسے پھیلا سکتا ہے۔ فقہ بالاس سے میرا یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ میں لیکچر دوں اور انجنوں کے خلاف ہوں۔ نہیں میں تو اسکا موید ہوں لیکن میرا مطلب ہے کہ جو شخص کچھ کرنا چاہتا ہے وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ گواہیاب ظاہری موجود ہوں یا نہیں۔ بلکہ اس کے مخالف بھی ہوں۔ ائمہ تعالیٰ حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یونہی واحد تھے ائمہ یعنی گروہ عظیم قرار دیا ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ انہوں نے ایسے وہ کچھ کیا تھا جو سینکڑوں اور ہزاروں کے کرنے کے کام تھے۔ یہ کو بھی اسی خلیل کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور اسی ہی بہمت و مردانگی کیلئے مکرر بت ہوئی جسے دیکھنے والے ہمارے جو صلہ و طاقت سے افرق سمجھتے ہوں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ترقی خواہ دینی و دماغی ہو یا مالی و مادی بہمت و مردانگی کے بغیر پڑی حاصل نہیں ہو سکتی۔

ابن تومرت مہدی البرقی

ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن تومرت مغرب الاقصیٰ کے جبل سوس میں پیدا ہوا۔ اور طلب علم کیلئے شام و عراق کا سفر کیا۔ امام غزالی۔ کیا ہر اشی۔ طرطوسی وغیرہ مشہور فاضلوں سے استفادہ حاصل کیا۔ اور جب علم شریعت حدیث و فقہ و اصول میں دستگاہ حاصل ہو گئی تو مکہ شریف کو ہوتا ہوا افریقہ لوٹ گیا۔

بہائت پر ہیزگار۔ عابد عربی اور مغربی زبان کا فصیح پر چہرہ ہر وقت تہنم ریزہ شجاع و دلیر تھا جب کوئی اختلاف شرع دیکھ لیتا تو فوراً اس پر انکار کرتا۔ اور اس بارہ میں خواہ اسے کتنی ہی تکلیف برداشت کرنی پڑتی۔ اسے خوشی خوشی گوارا کر لیتا۔ مکہ شریف میں بھی اُسے اسی نیک عادت کی وجہ سے اذیت اٹھانی پڑی۔ یہاں سے نکل کر وہ مصر چلا گیا۔ اور خلاف شرع امور کا برابر انکار کرتا رہا۔ جہاں اُسے یقین ہو جاتا کہ مار پیٹ کا سامنا ہے وہاں دیوانہ بن جاتا اور دیوانہ کی بڑھ چلچل اہل مطلب (بدانت) کو ساتھ لے رہے ہل چلے بھی زبان سے نکالتے لگتا۔ مصر سے وہ اسکندریہ پہنچا۔ اور اسکندریہ سے بحری راستہ سے افریقہ کو چلا۔ جہاز پر جتنے آدمی تھے سب کو نماز کا پابند کر دیا۔ جہاز سے وہ شہر مہدویہ میں اُترا۔ جہاں کا بادشاہ کچی بن تمیم تھا۔ یہاں سردار ایک مسجد تھی۔ اُس میں زدکش ہوا۔ مسجد کی فصیل پر بازار کی جانب متہ کر کے بیٹھ جاتا۔ جو کوئی شخص ساز و ظنور یا شراب وغیرہ کا سامان لے جاتا اُسے نظر آ جاتا۔ فوراً مسجد اُترتا اور اُنہیں توڑ ڈالتا۔ لوگوں میں شور مچا گیا۔ سینکڑوں اُسے دیکھنے کیلئے آیا کرتے۔ جب معلوم ہوا کہ اہل علم ہے تو طلبہ بھی جمع ہو گئے اور مسجد میں درس شروع ہو گیا۔

بادشاہ کو خیر ہوئی۔ فقہاء کو دربار میں بلایا۔ اور ابن تومرت کو اُن کے سامنے طلب کیا۔ جب اُس کا شہسہ و رفتہ کلام سنا تو بادشاہ نے تعظیم و اکرام کیا۔ اور التماس دعا بھی کی۔ ابن تومرت نے اصدیک اللہ لر عیتک پر التفا کیا۔ یعنی خدا تم کو رعایا کے حق میں اچھا حاکم بنائے۔ اسکے بعد ابن تومرت بجایہ اور وہاں سے ملالہ پہنچا۔ یہاں اُس کو عبد المؤمن بل گیا۔ عبد المؤمن کون تھا یہ ناظرین کو اُس کے چل کر معلوم ہو جائیگا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ جب ابن تومرت عراق میں پڑھ رہا تھا۔ اُس نے خواب میں دو دفعہ

یہ دیکھا کہ تمام سمندروں کا پانی میں پی گیا ہوں۔ اس خواب کی تعبیر اس نے یہ سمجھی کہ دنیا پر وہ
 ایک بڑی شان سے ظاہر ہوگا۔ انہی ایام میں اسے ایک جغرافیہ کی کتاب ملگئی جس میں یہ لکھا
 ہوا تھا کہ پانچویں صدی کے بعد مسجد الاقصیٰ کی پہاڑیوں میں ایک شخص پیدا ہوگا۔ وہ دعوت
 الی اللہ کریگا۔ اور اس کا قیام و مدفن ایسی جگہ ہوگا جس کے نام میں ت۔ ی۔ ن۔ م۔ ل۔ حروف آتے ہیں۔ اس شخص کو ایسے شخص سے جس کے نام میں ع۔ ب۔ د۔ م۔ و۔ م۔ ن۔ حروف ہوں
 ممکن و استقامت حاصل ہوگی۔ ابن تومرت کا زمانہ پانچویں صدی کے بعد ہی تھا۔ اور وہ خود حیل
 نسوں کا پیدا شدہ تھا۔ اور دعوت الی اللہ پر جو شوق و شغف اسے تھا۔ وہ ظاہر ہی تھا اس لئے
 اس نے خیال کیا یہ بشارت میرے حق میں ہی ہونی چاہیے۔ لہذا اب ان حروف کے شخص اور
 مقام کو تلاش کرنا چاہیے۔ کتاب جغریہ میں ع۔ ب۔ د۔ م۔ و۔ م۔ ن۔ کا حلیہ بھی درج تھا۔ ابن تومرت نے
 حلیہ نقل کر لیا تھا۔ اور اسی تلاش میں مشرق سے مغرب الاقصیٰ پہنچا تھا۔
 مالہ کے بازار میں یہ چلا جا رہا تھا۔ کہ عبد المؤمن بھی بازار سے گزرا۔ ابن تومرت کو دیکھتے

ہی حلیہ یاد آ گیا۔ آواز دیکر اسے ٹھہرا۔ جب نام دریافت کیا تو اس نے عبد المؤمن بتلایا۔ جس
 میں تمام حروف موجود تھے۔ اسے اپنے ساتھ لیگیا۔ حلیہ کی تہ مطابقت کی گئی۔ تو ہو ہوا ویسا
 ہی نکلا۔ ابن تومرت نے کہا میں تو تیری تلاش میں ہی ہزاروں میل کا سفر کر رہا ہوں۔ اس نے
 کہا میں تو طلب علم کیلئے عراق جاتا ہوں۔ ابن تومرت بولا کہ جو علم پڑھتا ہو میں پڑھاؤں گا۔ لیکن
 اب تم کو جانے نہ دوں گا۔ اب اسکے سامنے اپنا سارا راز ظاہر کر دیا۔ اور اسے متفق بنا لیا
 ایک اور شخص عبد اللہ ابو شریسی نامی ابن تومرت کے پاس آیا جاکر تا تھا۔ یہ شخص بھی حسین
 جمیل و فصیح و بلیغ تھا۔ ملکی زبان اور عربی ادب پر مہارت تامہ رکھتا تھا۔ یہ بھی ان کے ساتھ
 شامل ہو گیا۔ اور یہ قرار دیا گیا کہ عبد اللہ بالکل جاہل بنا ہے اور اسکے علم و فضیلت۔ فصاحت
 و صداقت سے کسی موقع ضرورت پر بطور اعجاز کے کام لیا جائے۔ اس کے بعد چھ شخص آئندہ
 شیر پنجہ اور شامل کر لئے اور یہ مختصر جماعت مراکش پہنچی۔ مراکش (مراکو) میں ابن تومرت نے
 اپنی عبادت کے مطابق خلاف شریعت امور پر اخذ و اعتراض و انکار شروع کیا۔ اور خاص
 بادشاہ کے بیٹے پر بھی کھلم کھلا اعتراضات کرنے لگا۔

یہاں کا بادشاہ ابو الحسن علی جو امیر تاشقین کا پوتا تھا نہایت عادل و متواضع تھا۔ بادشاہ
 نے دربار میں اسے حاضر کر لیا اور علماء شہر کو مباحثہ کیلئے مقرر فرمایا۔

قاضی شہر نے گفتگو اس طرح پر شروع کی۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ ہم سے عادل و حلیم بادشاہ کی نسبت جو مطیع حق ہے اور اطاعت الہی کو اپنے نفس پر بھی مقدم رکھتا ہے ناشائستہ الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ اور یہ خبر کہاں تک صحیح ہے۔ ابن تومرت نے کہا کہ جو قوال میری جانب منسوب کئے جاتے ہیں وہ بیشک مینے کئے ہیں۔ اور انکے علاوہ اور بھی کہنا چاہتا ہوں۔ لیکن تم یہ بتلاؤ۔ کہ تم نے جو ابھی بادشاہ کی صفت میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ وہ مطیع حق ہے اور اطاعت الہی کو اپنے نفس پر مقدم رکھتا ہے یہ کہاں تک صحیح ہیں۔ میں تو جانتا ہوں کہ تم لوگ ایسے الفاظ سے ہی بادشاہ کو مغرور بناتے اور غلطی میں ڈالتے رہتے ہو۔ حالانکہ تمام بارگناہ بادشاہ کے سر پر رکھا جائیگا۔ قاضی صاحب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شراب کی دوکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ اور خنزیر مسلمانوں کے گھروں میں جا گھستے ہیں۔ تھیوں کا مال چھین لیا جاتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے جب یہ تقریر سنی تو اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ اور ندامت و حیل سے گردن کو جھکا لیا۔

حاضرین دربار اگرچہ ابن تومرت کے اوصاف و اطوار کو دیکھ کر یہ فتویٰ لگا چکے تھے کہ یہ شخص اپنے لئے سلطنت و حکومت کا خواستگار ہے لیکن جب انہوں نے بادشاہ پر اسکی جادو کلامی کا اثر دیکھا تو سب خاموش رہ گئے۔

مالک بن وہب نامی بادشاہ کا منہ چڑھا مصاحب تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں حضور کو اس وقت ایک نصیحت کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اسے مان لیا تو انجام کار اسکی عہدگی نظر ہو جاوے گی۔ اور اگر منظور نہ فرمایا۔ تو اسکے بڑے نتائج بھی تھوڑی دیر میں نظر آجائیں گے۔ بادشاہ نے کہا بتلاؤ۔ کہاں مجھے اس شخص میں اتنا ربحاوت نظر آتے ہیں بہتر ہے کہ اس کا ایک دینار روزانہ مقرر کر دیا جائے۔ اور اس جماعت کو زیر نگرانی رکھا جائے اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو ایک وقت سارا خزانہ بھی صرف کرنے کے بعد انتظام نہ ہو سکیگا۔ بادشاہ نے اس رائے کو پسند کر لیا لیکن وزیر نے اس کا خلاف کیا۔ کہا یہ مناسب نہیں کہ ابھی آپ جسکے وعظ پر آنسو بہا ہے اسے تھے۔ اس کو اسیر بنانیکا حکم دیں۔ اور ذرا خیال تو فرمائیں کہ یہ شخص حضور کی اتنی بڑی سلطنت کا کربھی کیا سکتا ہے۔ بادشاہ اس تقریر سے دب گیا اور ابن تومرت کو واپس جانے کی اجازت دی گئی۔

ابن تومرت وہاں سے نکلا۔ تو چہاں تک بادشاہ نظر آتا رہا۔ اسکی جانب پیٹھ نہیں کی بلکہ سر پر

نے پوچھا کہ کیا آپ کی تعظیم کرتے ہیں کہا نہیں یعنی چاہا کہ آخر وقت تک حق باطل کو تار تار سے
واپس آکر ابن تو مرت نے ہمارے میوں سے کہا کہ جب تک دربار میں ابن وہب موجود ہے ہم خاص
مراکز میں کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں سے وہ شہر مراعات میں پہنچے۔ اور وہاں ایک شخص عبد الحق
ابن ابراہیم کو ہمارا بنا لیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ یہاں سے ایک دن کی مسافت پر تھیل پہاڑ ہے
وہاں جا کر تم خوب قدم جمائے ہو۔ اور محفوظ بھی رہ سکتے ہو۔

ابن تو مرت کے دل میں وہی ہر حرف ت ی ن م ل خوب نقش ہوئے تھے تھیل پہاڑ کا نام
سکر اچھل پڑا۔ اور اگلے روز وہاں جا پہنچا۔ لوگوں نے طالب علمانہ حیثیت دیکھ کر سر آنکھوں پر
بٹھلایا۔ اور مسجد میں مقیم کر دیا۔ ابن تو مرت نے بہت سے حیلے نکالے اور تدبیریں بنائیں لیکن
رعایاء کو اطاعت شاہی سے منحرف نہ کر سکا۔

قریب تھا کہ وہ اپنی ناکامیابی کے تصوف میں گھل کر مچاتا کہ اسکی نگاہ پہاڑی لوگوں کی اولاد
پر پڑی دیکھا کہ پہاڑی تو سانولے اور گندم گون میس چشم ہیں مگر انکے بعضے بچے خوب
سرخ و سفید اور گربہ چشم ہیں۔ پوچھا اس کا سبب کیا ہے۔ کسی نے جواب دیا۔ تو ابن تو مرت نے
سمجھا کہ اسی پر زور دینا چاہیے۔ جب ہر اہر حد درجہ کو پہنچ گیا۔ تو لوگوں نے بتلایا کہ شاہی عہدہ دا
جو خراج لینے کیلئے آتے ہیں رات کو ہمارے گھروں میں رہتے ہیں اور عورتوں کو آلودہ کر دیتے ہیں
ہم کو اپنے گھروں میں بھی اُس شب بٹھیر نہیں ملتا۔ یہ ساری خرابی اس ظلم کی ہے۔

ابن تو مرت نے اس پر سخت لعنت تلاوت شروع کی اور انکی حرارت و حمیت کو اگلانے
لگا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر کوئی ہمارا حامی مددگار پیدا ہو تو ہم اُس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ لیکن
ہم خود کچھ نہیں کر سکتے۔ بولائیں تمہارا ساتھ دوں گا۔ اور تمہارے پر اپنی جان قربان کر ڈالوں گا
اور تم دیکھ لو گے کہ شاہی فوج تمہارا کچھ نہ کر سکے گی۔

اب تو ابن تو مرت کے سب لوگ مطیع و منقاد ہو گئے۔ اور تجویز یہ قرار پائی کہ جب شاہی
سپاہی آجائیں تو ان کو عورتیں خوب شراب پلاویں۔ اور جب نشہ میں بدست ہو کر گر پڑیں۔
تو ابن تو مرت کو اطلاع دیجئے۔ اسی تجویز پر عمل کیا گیا۔ اور سب سپاہی قتل کر دیئے گئے
صرف ایک بچ نکلا جس نے مرا کو جا کر اطلاع کر دی۔ اسوقت بادشاہ سمجھا کہ ابن وہب نے
جو مشورہ اُس روز دیا تھا۔ وہ صحیح تھا۔ آخر فوج کشتی ہوئی۔ فوج اگرچہ بہت تھی۔ لیکن پہاڑ کی
راستے ایسے دشوار گزار کٹھن اور تنگ تھے کہ ایک آدمی سے زیادہ چل نہ سکتا تھا۔ ابن تو مرت

کو پہلے سے توقع تھی۔ کہ شاہی فوج انتقام کیلئے آئیگی۔ اُس نے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ جب فوج نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ اوپر سے علاقہ والوں نے پتھروں کی بارش برسا دی۔ صبح سے شام تک فوج نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اور باوجود نقصان اٹھانے کے بھی کچھ ہار نہ ہوئی۔ آخر محاصرہ اٹھایا گیا۔ اور ابن تو مرت ہی اس پہاڑ کا حاکم مطلق ٹھہرا گیا۔ اور تمام پہاڑی علاقوں تسلط قائم ہو گیا۔ اب ابن تو مرت نے سمجھا کہ ابوشرسی کے علم و فضل کو بطور معجزہ ظاہر کر دینے کا یہی وقت ہے۔

قرارداد کے مطابق نماز صبح کے بعد جب تمام اشخاص مسجد میں ہی موجود تھے۔ ابوشرسی آگے بڑھا۔ اور جہانہ لہجہ اور ٹوٹے پھوٹے لہجے الفاظ میں (جیسا کہ اُس نے عادت کر رکھی تھی) بیان کرنا شروع کیا کہ رات میں خواب میں دیکھا کہ فرشتے آسمان سے اترے انہوں نے میرے دل کو لکر چیر ڈالا۔ پھر دھو دھا کر علم و حکمت و قرآن اُس میں بھر دیا۔ اب میں اپنے اندر تمام علوم کو موجود پاتا ہوں۔ یہاں پہنچ کر اُسکی تقریر نہایت فصیح و بلیغ و نشین و مردم فریب تھی ابن تو مرت خوشی خوشی اٹھا۔ اُسکے پاس آکر کہا کہ آپ ہمکو جلد بشارت دیں کہ آیا ہم نیک راہ پر ہیں یا غلطی پر پڑے ہوئے ہیں سعید ہیں یا شقی ہیں۔ کہا اے ابن تو مرت آپ تو مہدی القائم یا مرشد ہیں آپکے تابعدار اہل سعادت اور آپکے مخالف اہل شقاوت ہیں تم مجھے اپنے رفیق ایک ایک کر کے دکھاؤ۔ میں بتلاؤنگا۔ کہ ان میں ہمیشگی کون ہے اور دوزخی کون اس بہانہ سے ایک ایک آدمی طلب کیا گیا۔ جو اشخاص ابن تو مرت سے آجتک مخالفانہ رائے رکھتے تھے۔ یا نخل انتظام خیال ہو سکتے تھے وہ قتل کر دیئے گئے۔

اس کے بعد دس ہزار پیادہ و سوار کا ایک لشکر جرار تیار کیا گیا۔ اور عبدالمومن ابوشرسی کی ماتحتی میں مراکش پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ ایک ماہ کے محاصرے کے بعد اس فوج کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ عبدالمومن بچ رہا۔ ابوشرسی مارا گیا۔ جس وقت ابن تو مرت کو اس شکست کی خبر پہنچی۔ وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ اُس وقت بھی اُسکے استقلال میں ذرہ فرق نہ آیا۔ بلکہ سب کو جمع کیا۔ اور آئندہ کے لئے تدابیر کے متعلق وصیت کرتا رہا۔ اور ہر روز حتمی الفاظ میں کہتا رہا کہ تم ضرور فتحیاب ہو گے۔ تمہاری حکومت وسیع اور تعداد کثیر ہو جائیگی۔ تمکو ذرا گھبرانا نہیں چاہیئے۔ ایسی ہی وصیت کرتا ہوا دنیا سے چل بسا۔ اور اُسکے بعد عبدالمومن جا نشین ہوا۔ ابن تو مرت ہیں جو قابل تعریف و صفت تھا۔ وہ زہد فی الدنیا تھا جس تنگی کے ساتھ

طالب علی میں گندان کرتا تھا۔ وہی چال آخر تک چلی۔
 کہتے ہیں کہ بہن کات لیتی تھی اسی پر دونوں گزارہ کر لیتے تھے۔ روٹی کے ساتھ کبھی سر کہہتا
 کبھی زیتون کا روغن۔ ایک قوماں غنیمت بہت آیا۔ اور لوگوں نے تقسیم کیلئے ابن تومرت کو تنگ
 کرنا شروع کیا۔ اس نے سب کو آگ لگا دی اور بلند آواز سے کہہ دیا کہ جو شخص محض دنیا مگانے
 کی غرض سے میرے ساتھ ہوا ہے۔ اسے ہمیشہ کیلئے مایوس ہو جانا چاہیئے۔

اس شخص کے تمام واقعات میں اگر کوئی واقعہ کھٹکتا ہے تو ابو تشریسی الی چال اور دعوی
 مہدویت ہے۔ کل حالات پر غور کر نیے ہر ایک شخص صحیح نتیجہ نکال سکتا ہے۔

اس کا حلیہ صاحب کتاب المنزب فی اخبار اہل المغرب نے ان الفاظ میں لکھا ہے
 ”میانہ قدم گون بزرگ سر تیز نظر۔ ثری پر قدم ثریا پر نگاہ ابو سلم اسکی تدابیر کے سامنے
 بیچ تھا۔ شذیل اکثر پڑھا کرتا تھا۔ سے
 تَجَرَّدَ مَحْنِ الدُّنْيَا فَإِنَّكَ إِنَّمَا
 اَشَارَ ذِيلَ خِوَاكِي ابْنِي تَصْنِيفِ مِينِ“

اخذت باعضاؤہم اذا نا وا
 فکانت تنہی ولا تلتہی
 فیا حجر السن حتمتہ
 متنبی کے ان اشعار کو اکثر پڑھا کرتا تھا۔
 انما مرت فی شرف مرد م
 قطع الموت فی امر حقیر
 وخلفك القوم اذ ودعوا
 وتسمع وعظا ولا تسمع
 تسن الحديد ولا تقطع
 فلا تقنع بما دون النجوم
 كطعم الموت فی امر عظیم

افسوس کہ ابن تومرت اپنی کامیابی کو مکمل نہ دیکھ سکا۔ البتہ عبد المؤمن کیلئے وہ سڑک بنا گیا اور اس نے
 کامرانی کے ساتھ حکومت اعلیٰ پر دسترس حاصل کی۔

ناظرین ان حالات کو پڑھیں اور دیکھیں کہ مہدی کے نام سے دنیا میں بالخصوص دنیا کے
 اسلام میں کیا کچھ ہو چکا ہے مجھے اس مقام پر اس قدر لکھ دینا چاہیئے کہ ظہور مہدی کے متعلق
 اگرچہ روایات بکثرت ہیں جنکا شمار درجنوں پر ہے مگر ایسی حدیث ایک بھی نہیں جو محدثین
 کے مسئلہ اصول تنقید کے مطابق صحیح سند مرفوع کا درجہ رکھتی ہو۔ العلم عند اللہ

عبد المؤمن بن علی کا باپ کوزہ گر تھا۔ ابن تومرت کے بعد عبد المؤمن کی فتوحات کا سلسلہ

شروع ہوا۔ حتیٰ کہ وہ تخت مراکش کا زینت آرا ہوا۔ اور ۳۳ سال کے بعد ۱۰ جمادی الآخر ۵۸۸ھ
کو فوت ہوا۔ اس نے مندرجہ شعور ایک شاعر کو ایک ہزار پونڈ العام دیا تھا۔
مَا مِنْ خَلِيفَةٍ بَيْنَ الْبَيْضِ وَالْإِسْلَامِ مِثْلَ خَلِيفَةِ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ عَلِيٍّ

ضحاك بن اسحاق

احنف جو علم و بردباری میں تمام عرب کے اندر ایسے ہی ضرب المثل ہیں۔ جیسا کہ حاتم طے جو دو سخاوت
میں سادات تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی پایا۔ مگر شرف
صحبت سے شرف نہیں ہوئے۔

ابن قتیبہ کہتا ہے کہ جب قبیلہ بنی تمیم تک دعوت نبوی پہنچی۔ تو احنف نے اپنے قبیلہ کو کہا
کہ یہ شخص مکارم اخلاق کی طرف رغبت دلاتا۔ اور دائم عادات سے منع کرتا ہے۔ مناسب
کہ مسلمان ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے مدینہ منورہ میں حضرت فاروق رضی اللہ
عنه کے زمانہ میں آئے۔ اور حضرت عمر و عثمان کے زمانہ میں علاقہ خراسان کی بعض فتوحات
میں لشکر اسلام کے ساتھ شامل رہے۔ واقع جبل میں فریقین میں سے کسی طرف بھی نہ ہوئے
لیکن جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کے لشکر میں حاضر ہو کر جو ہر مردانگی دکھلاتے رہے
امام حسن نے جب خلافت کو ترک کر دیا۔ اور امیر معاویہ با استقلال سربراہی کے مملکت
ہو گئے۔ تو احنف کی آمد و رفت امیر معاویہ کے دربار میں شروع ہو گئی۔ ایک روز امیر معاویہ نے
کہا کہ جب مجھے جنگ صفین یاد آجاتا ہے تو تمہیں دیکھ کر ایک کانٹا سامیرے دل میں چبھ
جاتا ہے۔ احنف نے کہا۔ معاویہ اجن عداوت سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ ہم جھگڑاتے
تھے۔ وہ تو سینہ کے اندر پہنا ہوا ہیں۔ اور جن تلواروں کے ساتھ ہم لڑتے تھے۔ وہ نیام کے اندر
چھپی ہوئی ہیں۔ اب اگر تم لڑائی سے نزدیک ہونا چاہتے ہو تو ہم بھی اُسے منظور کریں گے۔ اور اگر
اس سے دور ہو گئے تو ہم بھی دور رہیں گے۔ اتنا کہہ کر باہر چلے گئے۔

امیر معاویہ کی بہن پس پردہ سے یہ گفتگو سن رہی تھی۔ احنف چلا گیا تو اُس نے پوچھا
بھائی یہ کون تھا۔ جو دہم کاتا بھی ہے۔ اور بھروسہ بھی دلاتا ہے۔ کہا یہ وہ ہے۔ کہ اگر بگڑ جائے

تو بنی تمیم کے ایک لاکھ جوان فوراً بگڑ جھاڑ بیٹھے۔ اور وجہ فساد کو کبھی دریافت کرنا بھی نہ چاہیں۔
 احنف بصرہ میں رہا کرتے تھے۔ اور زیاد اپنے زمانہ گورنری عراقین میں انکی اور حارثہ کی
 بہت عزت کیا کرتا تھا۔ جب عبید اللہ بن زیاد اپنے باپ کی وفات کے بعد گورنر عراقین ہوا
 تو اُس نے حارثہ کو بلا کر کہا۔ کہ آپ شرا بخواری کی عادت چھوڑ دیں۔ اور پھر بدستور میرے مہتاب
 رہیں۔ اُس نے کہا کہ میں تمہارے والد کے سامنے بھی پیا کرتا تھا۔ اور وہ میری دیگر قابلیتوں
 پر لحاظ کر کے میرے اس عیب سے درگزر کرتا تھا۔ اس لئے تم کو بھی درگزر کرنا چاہیے۔ عبید اللہ نے
 کہا کہ میرے والد کی پرہیزگاری اور مستقل مزاجی مسئلہ تھی۔ اس لئے نہ اُن کو تمہاری مصاحبت
 سے نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اور نہ وہ مطعون ہو سکتے تھے۔ لیکن میں سنو زنا تجربہ کار ہوں۔ اور ممکن
 کہ تمہاری بڑی عادت کیساتھ خود بھی لوگوں میں بدنام ہو جاؤں۔
 حارثہ نے کہا شراب تو چھٹ نہیں سکتی۔ ہاں دربار میں آنا چھوڑ دوں گا۔ عبید اللہ نے
 کہا نہیں۔ آپ مفصلات میں کوئی عہدہ اپنے لئے پسند کریں۔ کہا ضلع مسرق میں بھیج دو۔
 وہاں کی شراب کی توصیف سی ہے۔

غرض حارثہ تو عبید اللہ سے یوں غلیجہ ہو گیا۔ رہا احنف۔ عبید اللہ نے اُسکی کچھ زیادہ عزت و
 توقیر نہ کی۔ بلکہ اور لوگوں سے بھی کم تو بھی اور بے اعتنائی کا برتاؤ شروع کر دیا۔ سال کے شروع پر
 عبید اللہ سرداران عراق کو ساتھ لیکر امیر معاویہ کے سلام کو دمشق گیا۔
 امیر معاویہ نے اُنکی ملاقات کیلئے دربار لگایا۔ اور عبید اللہ کو حکم دیا کہ درجہ دار ہر ایک کو ہمارے
 سامنے لاؤ۔ عبید اللہ نے ایسا ہی کیا۔ سب سے پہلے جو سردار دربار میں آیا وہ احنف تھا۔ گویا عبید
 اللہ ان کا درجہ سب سے کم جانتا تھا۔ امیر معاویہ تو انہیں بذات خود جانتے اور اُن کی سیادت و طاقت
 سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ دیکھتے ہی پول اٹھے کہ ابوالخیر ادبہ شریف لایئے۔ یہ کہہ کر
 اپنی مسند پر اپنے پاس برابر بٹھلا لیا۔ جب تمام لوگ اپنی اپنی جگہ متمکن ہو چکے۔ تو سرداران
 عراق نے اپنے گورنر عبید اللہ کی صفت و ثنا شروع کی۔ احنف خاموش بیٹھے رہے۔

امیر معاویہ نے کہا کہ تم کیوں نہیں کچھ کہتے۔ کہا اگر میں کچھ کہوں گا تو انکے خلاف ہو گا۔ یہ
 سنتے ہی امیر معاویہ نے سرداران عراق سے فرمایا کہ میں عبید اللہ کو معزول کرتا ہوں۔ اور تمکو
 تین روز کی مہلت دیتا ہوں۔ کہ اس عرصہ میں اپنے لئے کسی لائق شخص کو گورنری کے لئے
 انتخاب کر لو۔ سردار باہر نکلے۔ اور اپنے اپنے خیال کے مطابق انتخاب کرنے لگے۔ اکثر تو اپنی

ذات خاص کیواسطے عہدہ کے جو یاں ہوئے۔ اور اراکین سلطنت کیساتھ ٹپس لڑانے لگے۔ اور اکثر نے کسی کسی شخص کو نامزد کیا۔ چوتھے روز پھر دربار ہوا۔ اور سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ احنف اب بھی خاموش تھے۔ امیر معاویہ نے سب کی رائے سنا کر کہا کہ احنف تم بھی تو کچھ کہو۔ کہا اگر تم اپنے خاندان میں سے کسی کو مقرر کرنا چاہتے ہیں تب تو عبید اللہ سے بڑھ کر اور کوئی شخص موزوں نہیں۔ لیکن اگر اپنے خاندان میں سے کسی کو یہ عہدہ دینا نہیں چاہتے۔ تب جسے آپ پسند کریں۔ امیر معاویہ نے یہ سنا کر فرمایا کہ میں عبید اللہ کو اس عہدہ پر بحال کرتا ہوں۔

سرداران عراق یہ سنا کر نہایت پشیمان ہوئے۔ اور افسوس کرتے تھے کہ میں نے بھی کیوں عبید اللہ کیلئے ہی رائے نہ دی۔ دربار برخواست ہوا تو امیر معاویہ نے عبید اللہ کو بلا کر کہا کہ تم ایسے شخص کی عزت کس لئے نہیں کرتے جو ایک فقہ میں تم کو مغزول اور ایک فقہ میں بحال کر سکتا ہے اور ایسے لوگوں پر کیوں اعتماد کرتے ہو جو فائدہ تو کچھ نہیں پہنچا سکتے۔ اور نقصان بسانی میں حصہ لینے کو تیار ہیں عبید اللہ کو اس روز سے اٹلی وقت معلوم ہوئی۔ اور پھر ہمیشہ ان کی تعظیم و اکرام کرتا رہا۔

مروئی سے کہ جب امیر معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنایا۔ اور باہنا بطماشتہ ہار ولایت کیلئے دربار کیا۔ تو لوگ آتے تھے پہلے امیر معاویہ کو سلام کرتے اور پھر یزید کی طرف جھک جاتے تھے۔ ایک شخص آیا۔ اس نے امیر معاویہ کو سلام کر کے کہا کہ اگر آپ یزید کو اپنا ولی عہد نہ بناتے تو مسلمانوں کا کام بگڑ ہی جاتا۔ احنف امیر معاویہ کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہا احنف تم بھی تو کچھ کہو۔ کہا جھوٹ بولتا ہوں تو اللہ کا خوف ہے۔ اور سچ کہتا ہوں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ امیر معاویہ نے کہا کہ خدا تمہیں اس اطاعت کی جزائے خیر دے۔ پھر اس شخص کو کئی ہزار روپے انعام دیئے۔ جب دربار برخواست ہوا تو وہی شخص احنف کو ملا۔ کہا چناب یوں تو میں جانتا ہوں کہ بدترین خلق ہمارا امیر اور اس کا فرزند ہے لیکن ان لوگوں نے زر و مال پر قفل لگا رکھے ہیں۔ اور وہ قفل۔

سے کہتے ہیں کیا ہم جاہلیت میں مادر زیاد کیسے ابو سفیان نے زند کیا۔ اور زیاد پیدا ہوا۔ ابتدائی زمانہ میں زیاد اپنی ماں کے جائز شوہر کا بیٹا مشہور رہا۔ لیکن جب امیر معاویہ شام پر تسلط ہو گئے۔ اور انہوں نے زیاد کی کاروائی و مشاوری وغیرہ کام شروع کیا تو زیاد کا ابن ابو سفیان ہونا تسلیم کر کے اسے اپنا بھائی مان لیا۔ زیاد کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گورنر فارس مقرر کر دیا تھا اور یہ شخص ایسا برا کارکن اور لائق نہیں تھا کہ اسے فارس والے اسے ثانی نو شیراں اور عراق والے اسے فی عہد فاروق کہتے تھے۔ امیر معاویہ کے اس ظہار و تسلیم قرابت کے بعد زیاد کی طرف جا ملا۔ اور زیاد ابن ابو سفیان ہوا۔ یہاں محتاط ہونا زیاد ابن امیر معاویہ دیتے ہیں۔ احنف عبید اللہ میں زیاد کو امیر معاویہ کے خاندان میں جو بتلایا ہے وہ اسی موت میں خاندان معاویہ ہو سکتا ہے کہ زیاد کو ابن ابو سفیان تسلیم کیا جائے اور

ایسے ہی فقرات سے کھل سکتے ہیں۔ احنف بولے کبھی ت چپ رہ دو رویہ شخص کبھی امتدعا کے اہل عزت نہیں پاسکتا۔

احنف کا قول ہے کہ مجھ میں تین خصلتیں ہیں انکا اظہار اس لئے کرتا ہوں کہ شاید کوئی سبق سیکھے۔

(۱) مئے کبھی کسی دو شخصوں کے درمیان دخل نہیں دیا جتک انہوں نے مجھکو شریک نہیں بنایا
(۲) حکام اور امر کے دروازہ پر میں کبھی نہیں گیا جتک کہ انہوں نے خود مجھکو طلب نہیں کیا
(۳) جن چیزوں کیلئے لوگ دوڑتے پھرتے ہیں مئے ان کے لئے کروٹ تک نہیں لی۔
آپ ہی کا قول ہے کہ سر پانفیع کی چیز جس میں کچھ نقصان نہیں خوش خلقی اور بدی سے بچتا ہے۔ بدترین مرنے کا کچھ علاج نہیں نہ خلقی اور بد زبانی ہے۔

انہی کا قول ہے کہ شریف کبھی خائن نہ ہوگا اور عاقل کبھی جھوٹ نہ بولیگا۔ اور مومن کبھی غیبت نہ کریگا۔

ان کا مقولہ ہے کہ سب سے بڑی دولت جسے باپ اپنے بیٹے کو وراثت میں دے سکتا ہے وہ اہل فضل و کمال کیساتھ احسان اور مروت کرنے کی عادت سکھانا دینا ہے۔
کہا کرتے تھے کہ زیادہ سنتے سے ہیبت وقار جاتا رہتا ہے اور ہنسی و مذاق بکثرت کرتے رہنے سے مروت جاتی رہتی ہے۔

ایک شخص کہہ رہا تھا کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ خواہ کوئی میری تعریف کرے خواہ بھوسا احنف نے سن کر کہا کہ تب تم ان مشکلات سے بچ نکلے جو مدبرین کو لاحق حال رہتی ہیں۔
کہا کرتے تھے کہ میرے سامنے عورتوں اور کھانے پینے کا ذکر نہ کیا کرو۔ میں تو اس شخص کو بہت ہی برا سمجھتا ہوں جو اپنے پیٹ اور اپنے رتر کا وصف گو ہے۔

ایک دفعہ ایک خون کے مقدمہ میں ان کو حکم بنایا گیا۔ وارثان مقتول نے کہا کہ ہم دو چند دیت لینگے۔ احنف بولے بہتر جیسا تم چاہتے ہو میں بھی ویسا ہی فیصلہ کر دوں گا لیکن یہ سوچ لو کہ خدانے ایک دیت کا حکم دیا ہے اور رسول خدانے بھی ایک دیت پر فیصلہ کیا ہے۔ آج گو تم مدعی ہو لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کیس وقت میں ایسے ہی مقدمہ میں تم مدعا علیہ بھی بن جاؤ وغور کرو کہ اس وقت تمہارے لئے بھی دو چند کا فیصلہ ہوگا۔ وارثوں نے سوچ کر جواب دیا کہ سچ کہتے ہو۔ معمولی خوبیاں دلا دو۔

ان سے سوال کیا گیا کہ مروّت کسے کہتے ہیں۔ کہا جب خوب بھوک لگی ہوئی ہو اور سوقت اپنا کھانا دوسرے کو دیدینے کا نام مروّت ہے۔
 کسی نے علم کے معنی ان سے پوچھے۔ کہا صبر جس کے ساتھ ذلت ملی ہوئی ہو۔ لوگوں نے کہا آپ تو حد درجہ بردبار ہیں۔ کہا تکلیف تو مجھے ہوتی ہے۔ لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ میں صبر کر لیتا ہوں۔

کہا کرتے تھے کہ حلم اور بردباری نے مجھے اتنا کام دیا ہے کہ فوج نے نہیں دیا۔ کہا کرتے تھے کہ میں نے مروّت اور بردباری کی تعلیم قیس بن عاصم سے پائی ہے۔ ان کے برادر زادہ نے ان کے فرزند کو مار ڈالا۔ لوگ قاتل کو مشین دیکر قیس کے پاس لے آئے۔ قیس نے پہلے تو لوگوں کو کہا کہ تم نے لڑکے کیساتھ بہت ہی سختی کی۔ اور اُسے بہت ہی ڈرایا۔ پھر قاتل کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ لڑکے تو نے بڑا کیا۔ کہ اپنی تعداد کو گھٹایا۔ اپنے بازو کو کمزور بنایا۔ اعداء کو ہنسایا۔ اور قوم کو ڈرایا۔ لوگو! اسے چھوڑو اور قاتل کی طرف سے مقتول کی ماں کو میری جیب سے خون بہا ادا کر دو۔ قاتل چھوڑ دیا گیا۔ اور لوگ رخصت ہو گئے۔ اس قضیہ کی وقت نہ قیس کے اہل میں بل پڑا اور نہ اُس نے نشست میں اپنے پہلو کو بدلا۔

غرض احنف اکابر تابعین میں سے ہیں قبیلہ بنی تمیم کے سردار تھے اور کل عرب میں عقل و تدبیر علم و حلم کے ساتھ موصوف و مدوح حضرت عمر فاروق و عثمان غنی و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے روایات بیان کی ہیں۔ حسن بصری اور دیگر اہل بصرہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

مصعب بن زبیر کے زمانہ میں ان کا انتقال شدہ کو کوفہ میں ہوا۔ عبدالرحمن بن عمارہ کہتے ہیں کہ لحد میں ان کا جنازہ رکھنے کیلئے میں بھی قبر میں اتر اٹھا جس وقت میں نے لحد میں جنازہ رکھ دیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ جہاں تک میری نگاہ پہنچتی ہے۔ لحدوں تک فراخ ہو گئی ہے۔ میں نے اپنے دوسرے ساتھی سے ذکر کیا۔ اُس نے کہا مجھے تو معمولی لحد کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس میں باپ کی کوئی صفت نہ تھی۔ کہا کرتا تھا کہ مجھے سستی اور غفلت نے اپنے باپ کی اوصاف سے محروم رکھا۔

احنف کے مذکورہ بالا حال سے ہم بہت سے قیمتی سبق لے سکتے ہیں۔ اور ان کے بہت سے گرائڈز اقوال کو اپنی زندگی کا رہبر قرار دے سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر ابن احنف کے اس فقرہ پوری عبرت پلے سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ادبار کے اسباب جوہ خواہ سینکڑوں یا ہزاروں بیان کئے

جاسکیں۔ لیکن اگر ان سب کا خلاصہ ایک لفظ میں کرنا چاہو تو وہ کسستی و غفلت ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے دماغ نفع و نقصان کو سوچ نہیں سکتے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتی؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اُنکے کان آفرین و نفرین کی صداؤں اور زم و کرخت آوازوں کو نہیں پہچان سکتے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ قدرت نے اپنی وسیع رحمت سے کتاب خیر اور اجتناب شر کی جو قوتیں اور طاقتیں بالعموم ہر فرد بشر کو عطا فرمائی ہیں۔ کل مسلمان قوم ان سے محروم و عاری ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اولوالعزمی اور عالی حوصلگی کا مادہ ان میں بالقوہ موجود نہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن بایں مسلمانوں کے ابداء و تنزلی پستی و افلاس کا سبب صرف اُنکی کسستی و غفلت ہے اور بس۔

کہتے ہیں کہ ایک قسم کا سانپ ایسا زہریلا ہوتا ہے۔ کہ جب کسی جاندار کی اُس سے چار آنکھیں ہوتیں۔ وہیں قوت رفتار اُسکی سلب ہوئی۔ انسان دیکھتا ہے کہ سانپ سے اور میری جانب چلا آتا ہے اور تھوڑی دیر میں آکر ڈس لیگا۔ اور مجھے اپنی پیاری زندگی سے دست بردار ہونا پڑیگا۔ لیکن پھر بھی اُسکی مقناطیسی حیوانی کشش کا ایسا مغلوب ہو جاتا ہے کہ ادھر ادھر ذرا نہیں سرکتا۔ اور کامل سکوت کیا تھ اپنے آپ کو نشانہ ہلاکت بنائے ہوئے کھڑا رہتا ہے۔

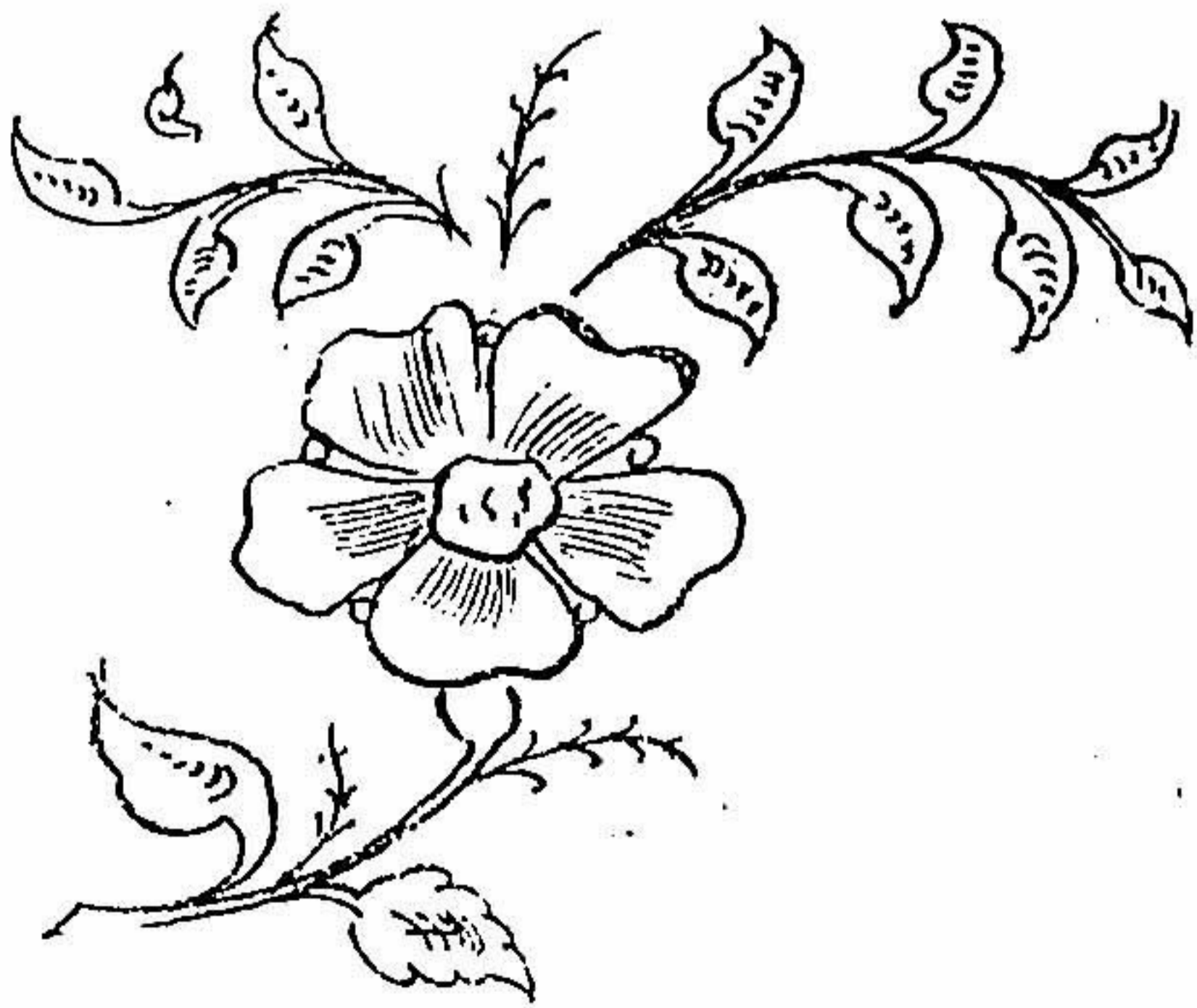
یہی حال اس زمانے کے مسلمانوں کا ہے جو افعی غفلت کی کشش مقناطیسی کے مغلوب بن گئے ہیں۔ ہماری آنکھوں کے سامنے اسی غفلت و کسستی کی بدولت بیسیوں دولتیں لٹ گئیں۔ بیسیوں حکومتیں خاک میں مل گئیں۔ بیسیوں تاجدار ہر خاک مذلت پر گرے ہوئے دیکھے گئے۔ بیسیوں خانوادہ علم و کمال کے چشم و چراغ جہاں کی صفِ نعال میں نظر آئے۔ لیکن جو غفلت چھائی ہوئی تھی اُس کے تہ بہ تہ بادل اسی طرح آفاق کو گھیرے ہوئے ہیں جس طرح گھن لکڑی کو اور زنگ لوسے کو کھا جاتا ہے اسی طرح غفلت انسانی قابلیتوں کا ناس کر دیتی ہے۔ جس طرح ٹھیرا ہوا پانی سڑ جاتا ہے اسی طرح بیکار شخص کا دماغ اور اُسکی دماغی قوتیں متعفن ہو جاتی ہیں۔

توریت میں لکھا ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے دنیا پر بھیجا گیا تو انہیں کہا گیا تھا کہ تو اپنی پیشانی کا پسینہ بہا کر روٹی کھا کرے گا۔ اب جو شخص بیکاری کے ساتھ روٹی کھانا پسند کرتا ہے وہ خداوند کے حکم کے خلاف کرتا ہے اور اپنے ابوالاہل کی راہ کو چھوڑتا

ہے۔ ایک معمولی شعر ہے جو عوام کی زبان پر مذاق اور ہنسی میں مستعمل ہوتا ہے۔
 بیکار مباحث کچھ کیا کر کپڑے ہی اور پیر کر سیکر
 میں کہتا ہوں کہ شاعر نے انسانی فطرت کی فلسفی اس شعر میں بھردی ہے اور بیکار ہی کی تونہ
 تصویر پوری پوری کھینچ کر دکھلا دی ہے۔ کپڑے کو ادھیر ٹٹا۔ اور پھر سینا تحصیل حاصل
 اور یہ وہ کام معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاعر بیکاری کو اس سے بھی بدتر بتلاتا ہے۔ بیشک ہم کہہ
 سکتے ہیں کہ کپڑا ادھیر کر سیتے سے اس کا اٹھ ہی رواں ہو جیائے گا۔ لیکن بیکار بیٹھنے سے بتلاؤ
 کہ کیا فائدہ نکلیگا۔

قوم کو ترقی کی راہیں بتلانا فضول ہے اور تعلیم یا صنعت صرفت یا تجارت وغیرہ پر توجہ دلانا
 بھی عبث۔ اُن کو صرف ایک سبق دینا چاہیے کہ سستی چھوڑ دو۔ کام کرنے کی عادت ہو جانے
 سے انسان بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اور عہدی بن کر بیٹھے رہنے سے کچھ بھی نہیں۔ قرآن مجید
 کے نزول کا آغاز جس سے پہلی سورہ سے ہوتا ہے اسی کے الفاظ کو دیکھو کہ کس قدر ہمت
 و جرات کی تعلیم دلاتا اور کس قدر اسباب و تدابیر پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتا ہے یا اِنَّهَا
 الْمُدَّةُ تَرْقُمُ قَائِدًا رَّوَّابِكَ فَكَيْفَ وَثِيَابِكَ فَطَّارًا وَ الرَّجْزُ فَالْحَجُّرُ مَبَارِكٌ ہں وہ لوگ
 جو قرآن مجید کی رموز سے مستفید ہوتے اور اپنی مساعی کیلئے سلف صالحین کی ترقیات کو نمونہ
 قرار دیتے ہیں۔

اندکے پیش تو کفتم عم دل ترسیم کہ دل آزرده شوی ورتہ سخن بسیار است



ابن کلس وزیر

ابو الفرج کنیت یعقوب بن یوسف نام۔ عزیز مصر کا وزیر تھا۔ اپنے آپ کو ہارون علیہ السلام کی نسل سے بتایا کرتا تھا۔ اور ابتدائے حال میں یہودی المذہب تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا۔ اور اسی جگہ ادب و انشاء و حساب میں تکمیل کر کے اپنے باپ کیساتھ بغداد سے شام اور وہاں سے مصر پہنچا۔ استاد کافر رخشیدی کے ایک مصاحب کے پاس جا رہا۔ کافر محل بنوا رہا تھا۔ پہلے داروغہ عمارت ہوا۔ پھر ڈیوڑھی خاص پر عہدہ مل گیا۔ رفتہ رفتہ جب کافر کو اس کی نجابت و شہامت۔ صیانت و تراہمت کے اوصاف معلوم ہوئے تو دیوان خاص میں کام کرنے لگا۔ ملکی و مالی معاملات کو ایسی خوبی کے ساتھ طے کیا کرتا کہ روز بروز اس کا وقار بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ حجاب اور مغزرا لکین دربار اسکی تعظیم کے لئے کھڑے ہوا کرتے تھے۔ بایں ہمہ تنخواہ کا کبھی روادار نہوا۔ کافر نے اگر کبھی کچھ دیا بھی تو اس میں سے صرف بقدر ضرورت رکھ لیا۔ اور باقی واپس کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر کافر نے حکم دے دیا کہ خزانہ سے کوئی رقم ابن کلس کے دستخط بغیر برآمد نہو۔ اس وقت تک یہ یہودی ہی تھا۔

۳۶۶ھ شہان کو اظہار اسلام کیا۔ اور تلاوت قرآن مجید و پابندی جماعت نماز پر روم کر لیا۔ اور ایک عالم قاری حافظ نحوی کو علوم شرع میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے اپنے پاس رکھ لیا۔

ابن الصیرفی لکھتا ہے کہ ابن کلس کی ترقی اور اعتماد کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ کافر کے پاس رپورٹ ہوئی کہ رملہ میں ایک سوداگر لاوارث مر گیا ہے جسکے مکان میں ۲۰ ہزار دینار مدفون ہیں اور خیر و مندہ وہ جگہ بتا سکتا ہے۔ کافر نے ابن کلس کو یہ روپیہ برآمد کر اگر خزانہ میں داخل کرنے پر مامور کیا۔ ابن کلس جب چلا تو اسے معلوم ہوا۔ کہ فرما میں بھی ایک سوداگر لاوارث مر گیا۔ اور قیمتی اسباب چھوڑ گیا ہے۔ ابن کلس نے اس اسباب پر قبضہ کر نیکی بھی اجازت منگوالی۔ رملہ میں ۲۰ ہزار کی جگہ ۳۰ ہزار دینار برآمد ہوئے۔ اور فرما کا اسباب بھی ۲۰ ہزار دینار کو فروخت ہوا۔ کافر نے یقین کر لیا۔ کہ یہ شخص ہناست متین اولیت بابرکت ہے۔ چیتک کافر زندہ رہا۔ ابن کلس کا جاہ و جلال بنا رہا۔ اسکے مرتے ہی

وزیر ابن الفرات نے حساب فہمی میں اسکو گرفتار کر لیا۔ یہاں سے مٹت و سماجت سعی و کوشش کے بعد رہائی ملی۔ رہا ہو کر اپنے بھائی سے قرض لیا۔ اور افریقہ کو چل دیا۔ راہ میں اُسے مہر العبیدی کا غلام القائد جو ہر ملا جو دیا۔ مصر پر تصرف و ملک کھیلنے آ رہا تھا۔ ابن کلس اس سے ملا اُس نے اپنی عرضداشت کے ذریعے اپنے آقا معزز کے پاس روانہ کر دیا۔ جس نے دیار مصر یہ میں بھی اُسے نامور کر دیا۔ اور پیارے ترقی یاب ہوتا رہا۔ جب معزز کے بعد اُس کا بیٹا عزیز تخت نشین ہوا۔ تو عمدہ وزارت اُس کو مل گیا۔ وزیر ہو کر نہایت عمدہ انتظام اور نہایت عمدہ اصلاح نگرانی قائم کئے۔ اور اہل علم و ہنر کی خوب قدر دانی کی۔ ہر سفتہ شب جمعہ کو مجلس مرتب کرتا۔ اور فقہاء و قراء و نخاۃ و شرع و قضاۃ کو جمع کرتا۔ اور ہر ایک علم کے متعلق بحث و تکرار علمیہ کا دور شروع ہوجاتا۔ اپنے ذاتی صرف سے اپنے گھر پر کتابان قرآن کریم کا تباہ حدیث فقہ و ادب طب و کلام نو کر رکھ چھوڑے تھے جو ہمیشہ کتب مفیدہ کی کتابت کرتے۔ اور علوم میں ساعی رہتے۔

خوان کرم ایسا وسیع تھا کہ اراکین سلطنت و اعیان دولت۔ اہل فضل و کمال مسافروں و سفیرین کے لئے جداگانہ مطبخ مقرر تھے اور ہر ایک کو حیثیت و درجہ کے موافق ہر وقت طعام مل سکتا تھا۔ محل ایسے وسیع علاقہ کے اندر تھا کہ ہر ایک جنس ہر ایک چیز کے بازار اُس کے اندر سے ہوتے تھے۔ اور بیرونی جانب سے ایک جنگی قلعہ کے برابر مستحکم و حصین تھا۔ مرنے سے چند روز پیشتر اُسے ایک کاغذ مسد پر گرا ہوا ملا۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

احْدَرُوا مِنْ حَوَادِثِ الْأَزْوَاجِ وَتَوَقُّوا طَوَارِقَ الْاِحْدَثَانِ

قَدْ اَمِنَهُ مِنَ الزَّمَانِ وَنَحْتَمِ رَبِّ خَوْفٍ فُكْمِنٍ فِي اَمَانِ

خلاصہ یہ ہے۔ کہ خوف امن کے اندر سے ہی نکل آتا ہے۔ حادثات زمانہ سے غافل و امین نہ ہونا چاہئے۔

ابن کلس لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ کر رہ گیا۔ اس سے تھوڑے دن بعد ہی بیمار ہو گیا۔ نزع سے کچھ پہلے بادشاہ عیادت کیلئے آیا۔ اُس کی خراب حالت دیکھ کر نہایت متاسف ہوا۔ کہا کاش اگر تیری زندگی قیمتا مل سکتی تو میں سلطنت کو دے کر بھی خرید لیتا اور اگر تیرے لئے قدیم منظور ہو سکتا تو میں اپنے بیٹے کو بھی تجھ پر فدا کر دیتا۔ اب جو وصیت تو کرتا چاہے۔ اسپر میں عمل کرونگا۔ ابن کلس نے کہا حضور اپنے پسماندگان کیلئے کچھ عرصہ کرنا نہیں چاہتا کیونکہ الطاف شاہی میرے حال پر اسقدر مبذول ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور تو مجھ دانا ممکن نہیں البتہ میں ملکی معاملات کے متعلق عرصہ کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) روم کے ساتھ کبھی نہ لگاڑنا۔ اور چیتک وہ سلامت روی سے رہیں اُن کے جنگ کا جو یا نہ ہونا۔

(۲) اہل ہمدان میں اگر حضور کا خطبہ و سکہ قائم رہے تو اسی پر قناعت فرمانا۔ اس سے بڑھ کر اگر اُن سے کچھ چاہا گیا تو بیچہ خوب نہ ہوگا۔

(۳) جب فرصت ملے مفرح بن زعفران کو باقی نہ رکھنا۔ اس کے بعد مر گیا۔
بادشاہ بذات شہزادہ تہیز و تکفین میں شریک ہوا۔ اور اپنے ہاتھ سے لحد میں اُسے رکھا۔ اُس روز اپنے سر پر چتر بھی نہ لگایا۔ حالانکہ چتر شاہی کے بغیر وہ کبھی سوار ہوا کرتا تھا۔ تمام بازار اور عدالتیں ماتم میں بند رہیں۔

اُس کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ ۶ لاکھ دینار سالانہ کی جاگیر ذاتی کا مالک تھا۔ اور ۶ ہزار غلام اُس کے گھر کی معتبر خدمات پر مامور تھے۔ ۵ لاکھ دینار کا قیمتی کپڑا اور ۶ لاکھ دینار کے جو امیرات گھر میں تھے۔ سودا گروں کا ۱۶ ہزار قرعہ دینا لکھا۔ جس کو بادشاہ نے خزانہ سے ادا کر دیا اور کفن و دفن پر دس ہزار دینار جو صرف میں آئے تھے وہ بھی سلطنت نے دینے سے زیادہ شاعروں نے مرثیے لکھے اور وہ سب ایک جگہ جمع کئے جا کر کتاب کی صورت میں مرتب کئے گئے۔

اُس کی شاعرانہ نازک خیالی کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے کہ بادشاہ اور وزیر کے پاس ایک ہی جنس کے عمدہ عمدہ پرندے تھے۔ ایک دفعہ اُن کو پرواز کیلئے چھوڑا گیا۔ وزیر کا پرندہ آگے نکل گیا۔ بادشاہ کو بہت ناگوار گذرا اور حاسدین کو کہنے کا موقع مل گیا۔ کہ حضور کیلئے تمام اشیاء و اسباب کھیل اور ادنیٰ درجہ کا آبلہ ہے۔ اور جو جنس جو چیز عمدہ ہوتی ہے۔ اُسے وزیر اپنے گھر میں رکھتا ہے۔ ابن کلس کو بھی خبر ہو گئی اُس نے ذیل کا قطعہ بادشاہ کے پاس لکھ بھیجا۔

قُلْ لَا مَبِيتَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَللّٰهُمَّ
كَانَ السَّابِقُ لَكِنَّهَا
لَهُ الْعِلَافُ وَالنَّسَبُ التَّارِبُ
جَلَّ وَنَبِيٌّ خَدْمَتِ الْحَاجِبِ

ترجمہ۔ امیر المؤمنین سے جنگ کا نسب عالی اور درجہ بلند ہے۔ عرض یہ ہے کہ پرندہ تو حضور کا ہی بڑھا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے آگے آگے چویدار کا ہونا ضروری تھا۔

بادشاہ نے اسے بہت پسند کیا۔ اور سرور ہو گیا۔

ابن کلس کا سال ولادت ۳۱۸ھ اور سال وفات ۳۸۰ھ ہے۔

بعض شخصوں نے اس کے اسلام پر شک کیا ہے۔ اور بتلایا ہے کہ دل سے یہودی ہی تھا۔ ان ظاہر بینوں کو دل پر حکم لگاتے ہوئے ذرا خوف نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص حسن الاسلام تھا۔ اور معتقدات یہود کے متعلق نہایت شرح و بسط سے روکیا کرتا تھا۔

ابوالطاهر محمد بن بقیہ و زبیر

ابوالطاهر محمد بن بقیہ الملقب نصیر الدولہ۔ عزالدولہ بختیار بن معز الدولہ بن یوہ کا وزیر تھا۔ پہلے معز الدولہ کا باورچی تھا۔ جب عزالدولہ اپنے باپ کی جگہ مسند نشین ہوا۔ تو ابن بقیہ منظور نظر عنایت ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ ترقی پاتا ہوا درجہ وزارت تک پہنچ گیا۔ اگرچہ شروع شروع میں لوگوں کو ایک ایسے شخص کا جو پہلے کہیں باورچی رہ چکا ہو وزیر بن جانا ناگوار گذرے مگر ابن بقیہ کے جود و سخا اور کرم و عطائے اس کے تمام عیوب پر پردہ ڈال دیا۔

کہتے ہیں کہ بیس روز میں اس نے بیس ہزار خلعت لوگوں کو عطا کیے تھے۔

ابوالحق کہتا ہے کہ ایک شب جلسہ میں میں بھی موجود تھا ابن بقیہ نے دو سو دو قدم پوشاک بدلی پہلی پوشاک اُتار کر انعام میں دے دیتا۔ ایک گویا لونڈی دیکھ کر بولی۔ کہ حضور ان پوشاکوں میں شاید بھڑپیں ہونگی جو بدن پر کپڑے رہتے ہی نہیں دیتیں۔ ابن بقیہ یہ سن کر ہنس پڑا۔ اسی امارت یا اسراف کا اندازہ کرنے کیلئے دوسری روایت یہ ہے۔ کہ موسم ہتی کا خرچ اسکے ہاں دو ہزار اشرفی ماہوار کا تھا۔

اس کے عہد وزارت میں عزالدولہ کا اپنے چچے بھائی عضد الدولہ شاہ اہواز کے ساتھ جنگ شروع ہوا۔ پچاس دن کے محاربہ کے بعد عزالدولہ کو شکست ہوئی۔ چونکہ جنگ کا مشورہ ابن بقیہ ہی نے دیا تھا اس لئے بادشاہ نے شکست کا عصبہ اسی پر لٹکا نا۔ اور اُسے گرفتار کر کے عضد الدولہ کے پاس بھیج دیا۔ کہ بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے والا یہی مایہ فساد تھا۔

عضد الدولہ جنگ سے پہلے بھی اسکے خون کا پیرا سا تھا کیونکہ ابن بقیہ ہمیشہ عضد الدولہ کو برے الفاظ میں یاد کیا کرتا اور پھرے دربار میں سخاوت آمیز فقرات اس کے لئے استعمال

کیا کرتا تھا۔ اور اُس کو ترہ فروش کہا کرتا۔ اُس وقت تو ایسے الفاظ و فقرات سے ابن بقیہ کی غرض اپنے آقا و والد کو خوش کرنا ہوتا تھا۔ مگر یہ کیا معلوم تھا کہ ان کا خمیازہ بھی کبھی اٹھانا پڑے گا۔

عہد الدولہ نے پہلے تو اُسے تمام شہر میں شہیر کرایا۔ اور پھر مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈال کر کچلا دیا۔ اور پھر بیرون دروازہ شہر پھانسی پر لٹکوا دیا۔ ابوالحسن محمد انباری وزیر کا احسان پر درود و صلہ خورہ تھا۔ اُس نے نہایت درد انگیز ترنہ لکھا چند اشعار شاعرانہ حیثیت سے ایسے عجیب ہیں کہ انہی کی وجہ سے یمنے ابن بقیہ کا حال انتخاب کیا۔ وہ کہتا ہے اور پھانسی پر کھلی ہوئی لاش کا سماں مدح کے پیرایہ میں دکھاتا ہے۔

زندگی میں بھی تو بلند تھا۔ اور مرنے کے بعد بھی بلند ہی رہا
حق تو یہ ہے کہ تو بھی گویا ایک معجزہ ہے۔

لوگ جو تیرے گرد و گھڑے ہیں ایسے معلوم دیتے ہیں کہ تجھے
العالمات معطیات لینے کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔

تو درمیان میں ایسا تادہ ہے اور لوگ بھی گھڑے ہوئے ہیں
اس سے ایسا نظر آتا ہے کہ تو خطیب ہے اور لوگ نماز کیلئے گھڑے ہیں۔

تو نے اپنے ہاتھوں کو گونگی طرف پھیلا رکھا ہے غالباً انکے بلانے
کیلئے ہے اور اس طرح تو اپنے ہاتھوں کو سخاوت کیلئے پھیلا کر دیتا تھا۔

جب موت کے بعد بھی زمین تیری برتری پر مٹی
نہ ڈال سکی۔

تو تجھے خلا میں دفن دیا گیا اور کفن کی جگہ مرگ کے کپڑوں
سے کفنا یا گیا۔

چونکہ آپ کی عظمت دلوں میں جمی ہوئی ہے اس لئے آپ سے
ہیں اور معتبر ہو کیدار و دربان پر وفے ہے ہیں۔

جب طرح زندگی میں آپ کے باورچی خانہ کی آگ ہمیشہ روشن رہتی
تھی اس طرح اب بھی تمام رات آپ کے قریب آگ روشن رہتی ہے۔

جس سواری پر گذشتہ زمانہ میں حضرت زید بن زین العابدینؓ

علو فی الحیوة و فی الممات
لحق انت احدی المعجزات
کان الناس حولك حین قالوا
وقودتلك ایام الصلاة
كانك قائم فیہم خطیبا
وكلهم قیام للصلاة
مددت یدك نحوہم احتفا
كمدہما الیہم بالہیات
ولما ضاق بطن الارض عن ان
تضم علاك من بعد الممات
اصاروا یحوقبرك واستنابوا
عن الاكفان ثوب الساقنات
لعظمت فی النفوس تبیت ترعی
بحفاظ و حراس ثقات
وتشعل عندك النیران لیل
كذلك كنت ایام الحیوة
رکبت مطیة من قبل زیدؓ

علاہاتی السنین الماضیات | سوار ہوئے تھے آپ بھی اسی پر سوار ہوئے ہیں۔
ولما رقبل جندك قط جندنا | آپکی لاش سے پہلے بیٹے کوئی ایسی لاش نہیں دیکھی جس نے
تکن من عناق المکرات | بزرگیوں کیساتھ یوں معانقے کئے ہوں۔

یہ مرثیہ لیا ہے اور اس جگہ صرف شاعر کی ندرت خیال کا اظہار مقصود تھا۔ شاعر نے
یہ مرثیہ بغداد کی گلیوں میں متفرق کاغذات پر لکھ کر پھیلا دیا۔ شدہ شدہ عہد الدولہ تک بھی
یہ اشعار پہنچ گئے۔ اُس نے حکم دیا کہ اس کا مصنف معلوم کیا جائے۔ سال بھر تک تلاش
ہوتی رہی۔ آخر صاحب ابن عباد کو جو حاکم کے تھا پتہ لگ گیا۔ اُس نے مصنف کو وعدہ
امن دے کر طلب کیا۔ جب ابو الحسن انباری سامنے آیا۔ تو کہا کہ مرثیہ تو میں دیکھ چکا ہوں
مگر مصنف کے منہ سے سننے کی آرزو ہے۔ انباری نے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے
جب ولما رقبل جندك قط جندنا۔ پر پہنچا تو حاکم نے اٹھ کر منہ کو چوم لیا۔ اور پھر بادشاہ
کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ وہ رات کی وقت بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ عہد الدولہ نے کہا
کہ ایسا مرثیہ لکھنے کی جرأت تجھے کیونکر پیدا ہوئی۔ کہا مرحوم کے سابقہ احسانات اور دیر پا
عنایات نے میرے کلیجہ میں آگ بھڑکار رکھی تھی۔ چند شعر کہہ کر میں اُسے ٹھنڈا کر لیا۔ بادشاہ
جسکے سامنے شہجائے بلورین روشن تھے۔ بولا کہ شمع کے بارہ میں بھی تجھے کوئی شعریاد ہے۔
انباری نے کہا ہاں!۔

كَانَ الشَّمْعُ وَقَدْ أَظْهَرَ
مِنَ النَّارِ فِي كُلِّ رَأْسٍ نَانَا
أَصَابِعُ أَعْدَائِكَ الْخَالِفِينَ
تَضَعُ تَطْلُبُ مِنْكَ الزَّمَانَا

ہر ایک شمع جس کے سر پر آتش بار سنان ہے۔ گویا تیرے خائف و ترساں دشمنوں کی
انگلیاں ہیں جو گر گڑ گڑاتی ہوئی تجھ سے آمان کی خواہاں ہیں۔
بادشاہ سُنکر خوش ہوا۔ ایک گھوڑا۔ ایک کیسہ زر ایک خلعت دیکر رخصت کر دیا۔ ابن
بقیہ کی لاش جب تک عہد الدولہ زندہ رہا پھانسی پر ہی لٹکتی رہی لیکن اُسکے مرنے کے
بعد اتاری جا کر دفنائی گئی۔ انباری نے اس بارہ میں بھی چند اشعار کہے۔

لَمْ يَلْحَقُوا بِكَ عَارًا فَصَلِّتْ بِلِيٍّ - بَأْوَابِائِمْكَ ثُمَّ اسْتَرْجِعُوا نَدَا

پھانسی پر لٹکائے جانے سے تجھے کوئی عیب نہیں لگ گیا۔ بلکہ انہوں نے ایک گناہ کیا
اور خود ہی ندامت اٹھا کر اُس سے رجوع کرنا پڑا۔

لَنْ يَكُنَّ بَلِيَّتٌ فَلَا يَكُنُّ بَدَلًا وَلَا تَنْسِيْ وَكَمْ هَالِكٌ يُنْسِيْ اِذَا قَدَّ فَا

گو آپ پر مصیبت آئی مگر آپ کی سخاوت کو تو کوئی حد نہ نہیں پہنچا۔ اور نہ بھلائی جاسکتی ہے حالانکہ بہت سے اشخاص ایسے ہیں کہ میرے بعد انہیں کوئی جانتا بھی نہیں۔
تَقَاسَمَ النَّاسُ حَسَنَ الَّذِيْ كَرِمِيْكَ كَمَا مَا زَالَ مَالِكٌ بَيْنَ النَّاسِ مُنْقَسِمًا
لوگوں میں آپ کی تعریف اب اس طرح پر تقسیم ہو رہی ہے جس طرح پہلے کبھی آپ کا عطا کردہ زر و مال تقسیم ہوا کرتا تھا۔

ابن بقیہ کا واقعہ شوال ۳۶ھ کو ہوا۔ اس وقت اسکی عمر پچاس ساٹھ کے درمیان تھی۔ ابن بقیہ کا قصہ سبق سے رہا ہے کہ غلط مشورے دینا۔ اقارب کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی سعی کرنا۔ ناشائستہ الفاظ کا استعمال کبھی نہ کبھی ضرور بڑے انجام پر ختم ہوتے ہیں۔ انتہائی شاعر کا واقعہ ظاہر کر رہا ہے کہ اخصاص و رزی محسن کی شکر گزاری۔ استقلال ضرور اچھے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ دنیا میں گو بہت سے اشخاص ایسے پلٹے جاتے ہیں جو خود غرضی اور مطلب براری کے سامنے خلوص اور شکر گزاری محسن کو نہایت حقارت سے دیکھا کرتے ہیں اور ان صفات کو کمزور انسانی خیال کہا کرتے ہیں۔ لیکن سچی شرافت اور حقیقی انسانیت ان لوگوں کے ساتھ کبھی اتفاق نہیں کر سکتی۔

انتہاری نے ابن بقیہ کو پھانسی پر لٹکاٹے جانے میں حضرت زید بن امام زین العابدینؑ کا مشبہ قرار دیا ہے۔ سو اس بزرگوار بید کو بھی بجرم بغاوت ہشام اموی کے حکم سے حاکم نے نے چند سال تک پھانسی پر لٹکاٹے رکھا تھا۔ آخر جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں ابارہ میں جوش پھیل رہا ہے تو لاش کو جلا کر راہ دریا میں بہا دی تھی۔

بنی امیہ کے بعد عباسیہ کا دور خلافت شروع ہوا۔ اور انہوں نے بنی امیہ کے اس ظلم و ستم کا جو فرزدان اہلبیت نبوی صلعم پر کئے گئے تھے بدلہ لینا شروع کیا۔ مگر اس بڑے طریق پر کہ قبر میں سے مردہ نکالا اور راہ کر دیا اور کہا کہ یہ زید شہید رضی اللہ عنہ کا بدلہ ہے۔ اللہ اکبر خود

سرانہ حکومت کیسی کیسی خونریزیوں اور زیادتیوں کا سرچشمہ رہی ہے اور مدعیان پیروی مقدس مذہب نے کیسے کیسے ناپاک افعال کئے ہیں۔ قرآن مجید نے وَاذْكُرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاذْكُرُوا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَلَهُمْ اور خلافت راشدہ کے تابال جو امر نے اس عمارت کی حفاظت کی لیکن اُنکے بعد اس حکم سے چشم پوشی و سرتابی کی گئی اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں

سے وہ کچھ دیکھنا نصیب ہوا کہ اعداد سے بھی ظہور میں آنے کی توقع نہ کیجا سکتی تھی۔

نظام الملک

یہ وہی مدبر اور علم دوست وزیر ہے جس نے اپنے نام پر نظامیہ بغداد کی بنیاد ڈالی۔ اور تین کروڑ روپیہ سالانہ کی جاگیر اس اسلامی یونیورسٹی کیلئے دو اناؤ وقف کی یہ وہی نظامیہ ہے جہاں کے وظیفہ خوار طالب علم ہونے پر سعدی شیراز کو فخر ہے ہوتاں میں فرماتے ہیں۔

مراد نظامیہ ادرار بود شب و روز تلقین و تکرار بود

یہ وہی نظامیہ ہے جس میں امام غزالی۔ امام نووی و فاضل اجل ابن جوزی جیسے پروفیسر نظام الملک بروز جمعہ ۲۱ ذیقعد ۷۷۷ھ کو نوقان صنلع طوس میں پیدا ہوئے۔ نام حسن ابن علی بن اسحاق بن عباس۔ کنیت ابوعلی لقب نظام الملک قوام الدین ہے۔ لیکن مشہور صرف نظام الملک ہوا۔ اور نام و کنیت پر بھی غالب آگیا۔

ان کا باپ ایک معمولی زمیندار تھا مگر بیٹے کو حدیث و فقہ کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی دلائی تھی۔ جب نظام الملک سن بلوغ کو پہنچا۔ تو علی بن شاقون حاکم بلخ کے پاس جا کر نوکر رہ گیا۔ لیکن وہ ڈرشت مزاج تند خو تھا۔ اس کو بہت جلد مستعفی ہونا پڑا۔ اس کے بعد وہ داؤد بن میکائیل سلجوقی کی خدمت میں رہنے لگا۔

داؤد کو رفتہ رفتہ اس کے جوہر قابلیت دیکھ کر محبت بڑھتی گئی۔ بالآخر اپنے بیٹے الپ ارسلان کا اتالیق بنا دیا۔ اور شام ہزادہ کو بلا کر سمجھا دیا کہ اُسے میرے برابر سمجھنا۔ اور اس کے مشورہ سے کبھی تجاوز نہ کرنا۔

جب الپ ارسلان نے سر پر تاج رکھا تو تدبیر مہام اور مہارانتظام کو نظام الملک کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ سالہ حکومت کے بعد الپ ارسلان مر گیا اور ملک شاہ اپنے باپ کی جگہ شاہ مقرر ہوا۔ بادشاہ کے پاس آبادی میں صرف تخت تھا اور جنگل میں شکار باقی سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک نظام الملک ہی تھا۔ اسی جاہ و جلال کے ساتھ اپنی عمر کے آخری بیس سال پورے کئے۔

نظام الملک کی مجلس ہر وقت علماء کبار اور صوفیائے نامدار سے بھری رہتی تھی۔ اور یہ بھی صوفیہ کی خدمت خصوصیت کیساتھ حد سے بڑھ کر کیا کرتا۔ ایک دفعہ اس کا سبب چھا گیا۔ کہا ابتدائی عمر کا ذکر ہے میں ایک امیر کی خدمت میں مشغول تھا۔ ایک درویش ادھر آنکے فرمایا ایسے شخص کی خدمت کرنی چاہیے جس سے کچھ منفعت حاصل ہو۔ تو ایسے شخص کی خدمت لگا ہوا ہے جس نے کل تک کتوں کا لقمہ بنجانا ہے۔ میں اُس وقت اس فقرہ کے معنی نہ سمجھا۔ درویش چلا گیا۔ اس امیر کے ہاں شکاری کتے بہت تھے جو خونخواری و درندگی میں درندوں سے بڑھ کر تھے۔ یہ سب رات کو محل کے گرد چھوڑے جاتے۔ جو کوئی غریب ناواقف محل کے آس پاس ملجاتا اُسے پھاڑ ڈالتے۔ رات کو امیر نے شراب پی۔ او حالت نشہ میں تنہا محل سے باہر نکل آیا۔ نہ کتوں نے مالک کو پہچانا اور نہ مالک نے اپنے آپ کو شناخت ہی کرایا۔ کتوں نے اُسے اجنبی سمجھا اور چیر ڈالا۔ تپ میں سمجھا کہ وہ درویش با خدا اور صاحب باطن اور اہل صفا تھا۔ اب میں اس لئے ہر ایک کی خدمت کرتا ہوں کہ شاید کوئی رسیدہ ملجائے۔

علماء میں سے نظام الملک۔ ابوالقاسم قشیری۔ اور امام الحرمین ابوالمعالی کی تعظیم و اکرام میں بہت غلو کیا کرتا تھا۔ اور جب ان دونوں میں سے کوئی صاحب تشریف لے آتے تو مستند چھوڑ کر سامنے دوزانو ہو بیٹھتا۔

اس بندہ صالح کی عادت یہ تھی کہ بانگ نماز سنتے ہی سب کام چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔

کہتے ہیں کہ یونیورسٹی کا بانی سب سے پہلے ہی ہوا۔ اور ہر جگہ اسی کی تقلید کی گئی جس وقت اس نے تین کروڑ سالانہ کی جاگیر نظامیہ کیلئے وقف کر دی۔ تو بعض مضامین نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ دیکھئے حضور سے بلا امتزاج کتنے بڑے حصہ سلطنت کو خزانہ سے علیحدہ کر دیا۔ بادشاہ نے نظام الملک کو بلا کر صاف لفظوں میں تو نہ کہا۔ لیکن یہ کہا کہ فوجی مصارف کی بہت ضرورت ہے۔ آپ مدارس کے لئے کچھ رقم مقرر کیا کریں۔ تو اُس کا لحاظ کر لیا کریں۔ نظام الملک نے کہا کہ جو فوج آپ طیار کرتے ہیں وہ دشمن کو خروج و بغاوت کے بعد زیر کرتی ہے۔ اور جو فوج میں طیار کر رہا ہوں۔ وہ بغاوت سے پہلے مادہ دشمنی کو خارج کر دیتی ہے۔ آپ کی فوج کے تیر دشمن ارضی کے حملہ کی روک نہیں۔ مگر اس فوج کے تیر دعا آسمانی

قضا کو تھام دیتے ہیں پھر کہا۔ جان بابا میں تو ضعیف پیر ہرم ہو گیا ہوں۔ لیکن تم ماشاء اللہ جوان ہو۔ ترک ہو۔ خوب سرخ و سفید۔ بھلا اگر تم کو نخاس میں فروخت کیا جائے تو اس تین و توش اور رنگ روپ پر کیا قیمت پڑے۔ یہی ہزار بارہ سو درہم! اس حیثیت خلتی پر خداوند تعالیٰ نے جو اتنے بڑے ملک کا تمکو والی و بادشاہ بنا دیا ہے تو اب تم کو اسکی راہ میں اور علوم انہیہ کی ترویج میں صرف تین کروڑ سالانہ دیتے ہوئے بھی درد آتا ہے!!۔ بادشاہ روپڑا کہا معاف فرمائیے آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ عین مصلحت و صواب ہے۔

نظامیہ کی بنیاد ۱۸۵۷ء میں رکھی گئی اور ۱۸۵۹ء میں عمارت پوری ہو گئی۔ شیخ ابوالحق شیرازی کو پرنسپل کیلئے انتخاب کیا گیا۔ اور انہوں نے اس تقرر کو منظور کر لیا۔ افتتاح کے دن نظام الملک تو موجود نہ تھا۔ اُس کے بیٹے مویہ الملک نے رسم پوری کی۔ استاد ابوالحق کا نہایت انتظار کیا گیا۔ اور ہر جگہ اُن کو ڈھونڈا گیا۔ لیکن کچھ پتہ نہ ملا۔ آخر شیخ ابونصر بن صباغ کو اُن کی جگہ بٹھلایا گیا۔ جب نظام الملک کو اطلاع ہوئی تو اُس نے بیٹے کو لکھ بھیجا کہ تم نے غلطی کی۔ اگر افتتاح کالج میں ایک سال کا وقفہ بھی پڑ جاتا۔ تو کچھ پرواہ نہ تھی۔ مگر ابوالحق کے سوا پرنسپل کا شایاں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آخر بیس یوم کے بعد انکو ہی منت سماجت کر کے رضا مند کیا گیا۔

الغرض نظام الملک وہ شخص ہے جو وزیر سلطنت بھی تھا۔ اور عالم دین بھی۔ اس کا عمل کثرت علم سے مشید تھا اور اسکا علم مداومت عمل سے مزین تھا۔ جا بجا ہمان سرایش پل اور مدارس تعمیر کرائے تھے۔

حدیث پاک کے درس میں طالب علمانہ حاضر ہوا کرتا۔ اور گاہے گاہے خود بھی روایت کیا کرتا۔ کہا کرتا تھا میں جانتا ہوں کہ روایت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیت مجھکو نہیں۔ لیکن تمنا ہے کہ راویان حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ روز شمار میرا شمار کیا جاوے۔

ایسے ہی اخلاق جمیدہ اور خصائل جمیلہ کیوجہ سے نظام الملک ایک ایسے ذاتی اعزاز کا مالک ہو گیا تھا۔ جو محض ایک وزیر سلطنت کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک دفعہ خلیفہ مقتدی باعد کے دربار میں پیش ہوا۔ خلیفہ نے محض اُس کے ذاتی اعزاز کیوجہ سے اسکو حضور میں نشست کی اجازت دیکر کہا کہ اے حسن امیر المؤمنین تجھ سے خوشنود ہے۔ خدا

بھی تجھ سے خوش رہے۔

نظام الملک کبھی کبھی خدا داد موزونی طبع سے بھی دل بہلایا کرتا۔ اور شعر کہا کرتا تھا۔ دل

کا قطعہ اسی کا ہے جو حسب حال بھی ہے سے

بَعْدَ الثَّمَانِينَ لَيْسَ قُوَّةٌ

قَدْ ذَهَبَتْ شَرَّةُ الصَّبَوَةِ

كَانَتِي وَالْعَصَاءُ بِكَفِّي

مُوسَى - وَلَكِنْ بِلَا نَبْوَةٍ

یعنی ہشتاد سالہ عمر کے بعد قوت نہیں رہتی۔ اور لڑکپن کی امنگوں کا تو نشان بھی نہیں ملتا

جب میرے ہاتھ میں عصا موجود ہے تو گویا میں بھی موسیٰ ہوں۔ گو نبوت مجھے حاصل نہیں۔

کہتے ہیں اسفہان کو بادشاہ کے پاس جا رہا تھا۔ جب ہناوند کے قریب پہنچا تو کہا یہ

وہ جگہ ہے جہاں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے

تھے۔ مبارک ہے جسکو اُن کا ساتھ نصیب ہو۔ تھوڑی دوری آگے چلے تھے۔ کہ ایک

دیلمی لڑکا صوفیانہ لباس پہنے ہوئے سامنے آیا۔ ظاہر کیا کہ عرضی پیش کرنا چاہتا ہے۔

نظام الملک نے قریب بلایا۔ اور ہوج میں سے اٹھ کر عرضی لینے کیلئے ہاتھ نکالا۔ ظالم

لڑکے نے اسی وقت پھری چلائی جو سیدھی دلیر لگی۔ اور طائر روح کی پرواز کے لئے

قفس کی کھڑکی کھل گئی۔ نظام الملک شہید ہو گیا۔ قاتل بھاگ چلا تھا۔ مگر پکڑا گیا۔ اور

اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ طناب اخیرہ کے ساتھ قاتل کا سر بھی مقتول کی تدفین سے پہلے

آویزاں نظر آتا تھا۔

بادشاہ تعزیت کیلئے خود اس کے کمپ میں آیا۔ اور مرحوم کے جملہ ملازمین واقربا کو تسلی و صبر

دلاتا رہا۔

بعض کا خیال ہے کہ قاتل نے بادشاہ کے اشارہ سے ہی وار کیا تھا۔ کیونکہ بادشاہ

اس کے سامنے محض شاہ شطرنج تھا۔ اور مرحوم کی بست سالہ وزارت کے طول زمانہ نے جہان نڈید

وزیر کو مالک کے دل و دیدہ پر اور بھی زیادہ گراں کر رکھا تھا۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ تاج الملک ابو الغنائم خسرو کی سازش سے ہوا۔ کیونکہ

نظام الملک اور مرزبان میں کچھ چلی ہوئی بھی تھی۔ اور مرحوم کے بعد وزیر بھی وہی ہوا۔

مسلمان کے نزدیک یہ سب قیاسات ہیں اللہ تعالیٰ نے اُس بندہ صالح کی تمنا کو

دیکھا۔ دعا کو سنا۔ صحابہ کرام و شہدائے عظام کے پہلو میں خواب راحت کی اجازت دی۔ اور

اسی مقام پر جہاں جہاد کرتے ہوئے اصحاب نبوی نے جان دی تھی۔ اسے انصاف کرتے ہوئے نعمت شہادت از زانی فرمائی۔ جو حکومت وزارت سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ ہے۔

ابو الہیہ مقاتل بن عقیبہ نے مرثیہ میں یہ قطعہ لکھا۔

كَانَ الْوَزِيرُ نِظَامَ الْمَلِكِ لَوْ لَوْةٌ نَقِيْسُهُ صَاعِمٌ بِأَلْحَسَنِ مِنْ شَرَفٍ
عَرَّتْ فَلَمْ تَعْرِفِ الْاَيَّامُ قِيَمَتَهَا فَرَدُّهَا غَيْرَةٌ صُنِيْدًا إِلَى الصَّدَقَاتِ

یعنی نظام الملک وزیر ایک نفیس موتی تھا۔ جسے رحمن نے دریا سے نثر سے نکالا تھا اس نے دنیا کو اپنی آب و تاب دکھلائی۔ مگر دنیا نے اُسکی کچھ قدر و قیمت نہ پہچانی۔ اس لیے غیرت آئی۔ اسے کو پھر صدف میں ہی رکھ دیا۔

صدف میں رکھنے کا کتا یہ مینہا خلقنا کذو فیہا لنعید کذ سے ہے۔ شہادت کا واقعہ ۷ ماہ رمضان ۸۵ھ ہجری کو ہوا۔ بادشاہ بھی اس سے ۳۵ یوم بعد مر گیا۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

جعفر برکی

خلافت عباسیہ کی تاریخ میں جو قدر و منزلت عزت و شہرت جعفر اور اُسکے خاندان و زار کو حاصل ہوئی ہے اور جو سبق عبرت اس خاندان سے حکومت و اختیار کے شیدا بنوں کو مال و زر کے فدا بنوں کو حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ شاید دوسری ہیگز نہ مل سکے۔

بریک پارسى نژاد شخص تھا۔ آتشکدہ بلخ کا مدت العمر پوجاری رہا۔ اُس کا بیٹا خالد مسلمان ہوا۔ اور خلیفہ عبدالمد سفاوح و خلیفہ منصور کا وزیر اعظم رہ کر اکراد فارس پر فوج کشی کرتا ہوا اپنی موت سے مر گیا۔ اُس کا بیٹا یحییٰ ہمیشہ سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہا۔ اور آخر میں بادشاہی محلات کا منتظم بننا یحییٰ کے دو بیٹے تھے فضل اور جعفر۔ ہارون رشید کے وقت میں ان دونوں کو جو عروج حاصل ہوا۔ وہ کسی وزیر کو تو کیا شاید بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں ہوا۔

ہارون فضل کو ہمیشہ بھائی صاحب اور یحییٰ کو ہمیشہ باوا جان کہہ کر بلایا کرتا تھا۔

اس کی وجہ محبت بھی تھی۔ اور رشتہ رضاعت بھی۔ یعنی ہارون رشید نے فضل کی ماں کا۔ اور فضل نے ہارون رشید کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ فضل اور جعفر دونوں بھائی اعلیٰ درجہ کے لائق اور قابل تھے۔ اور اگر ان دونوں میں زیادہ غور کی نگاہ سے فرق و تمیز کی جاتی تو وجہ تمیز یہ تھی کہ فضل کی سخاوت جعفر سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور جعفر کی بلاغت فضل کی ایشاء خفیلت رکھتی تھی۔ پہلے فضل ہارون رشید کا وزیر تھا۔ لیکن پھر اُس نے چاہا۔ کہ جعفر کو خلعت و وزارت عطا کرے۔ سخی کو بلایا۔ کہا با واجان میں جعفر کو فضل کی جگہ بٹھلانا چاہتا ہوں۔ اور خود کوئی حکم دینا نہیں چاہتا۔ آپ جس طرح مناسب خیال کریں۔ اس کام کو انجام دیں۔ یحییٰ نے کہا بہتر اُس نے وہیں بیٹھے ہوئے فضل کو لکھ دیا۔ امیر المؤمنین کا ارادہ ہے کہ خاتم وزارت کو دست راست سے بدل کر دست چپ میں پہنایا جائے تم کو لازم ہے کہ تمہیں کرو۔

جعفر فضل سے چھوٹا تھا۔

الغرض جعفر ہارون رشید کا وزیر تھا۔ اور علو قدر و تفاؤد امر۔ جلال منزلت قدر و عزت کی اس حد تک پہنچا ہوا تھا۔ کہ آج تک کوئی وزیر شاید وہ درجہ حاصل نہیں کر سکا۔ کشادہ پیشانی۔ خندہ روئی کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا مالک تھا۔ جو دو سخاوت کے واقعات آج کل تو کہانیاں معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن تاریخی طور پر تفحص کیا جائے تو شاید ایسے شخص کو اگر گہرا بار کہتا موزوں تشبیہ ہو۔

کہتے ہیں کہ ہارون رشید کو اپنی بہن عباسہ اور جعفر وزیر کے ساتھ از حد محبت تھی۔ نہ جعفر کے بغیر اُسے شکیب تھا اور نہ عباسہ کے بغیر عہد۔ ایک دن جعفر کو کہا۔ کہ مجھے اتنی بڑی سلطنت میں بھی بے غش زندگی حاصل نہیں۔ جیب باہر مٹھاسے پاس ہوتا ہوں تو عباسہ یاد آتی ہے اندر عباسہ کے پاس ہوتا ہوں تو جعفر کی یاد بے چین رکھتی ہے۔ جعفر میں چاہتا ہوں کہ عباسہ کا تیرے ساتھ نکاح کر دوں۔ تاکہ تم سامنے ہو سکو۔ اور مجھے بیماری دوںوں کے پاس بیٹھنا میسر آئے۔ مگر دیکھ میرے بغیر بھی تم نے ایک جگہ جمع نہ ہونا۔ اور یا ہم گفتگو و کلام نہ کرنا۔ اس حکایت سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ کہاں تک جعفر کی محبت ہارون رشید کو تھی ایک اور حکایت بھی ملتی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ جعفر کو کہاں تک ہارون رشید پر اقتدار حاصل تھا۔

ابراہیم بن مہدی کہتا ہے کہ ایک روز جعفر نے اجاب کا جملہ کیا۔ ہر ایک شریک دعوت

کیلئے ریشمی لباس تیار کرایا گیا تھا۔ لباس پہنایا گیا۔ اور سب کو عطر سے بسایا گیا۔ اور حکم دیا
 کہ عبد الملک بن بکران کو بلا لاؤ۔ اُس کے سوا اور کوئی اندر نہ آئے۔ دربان نے عبد الملک کو
 سنا اور ابن بکران نہیں سنا۔ وہ جا کر عبد الملک بن صالح ہاشمی کو بلا لایا۔ اور اندر آ کر اطلاع
 کی وقت بھی صرف یہی کہا کہ عبد الملک آگئے۔ کہا بلاؤ۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ عبد الملک بن صالح
 جبہ و دستار میں آئے ہیں۔ جعفر کا منہ سفید ہو گیا۔ کیونکہ ابن صالح نبیذ نہ پیا کرتا تھا۔
 اور خاص خلیفہ کو جواب دے چکا تھا۔ جب عبد الملک نے جعفر کا چہرہ دیکھا تو وہ بھی پچان
 گیا۔ جبہ و عمامہ اتار کر اُس کے حوالہ کیا۔ اور کہا میرے لئے ایسا ہی لباس لاؤ۔ جو اجاب نے
 پہنا ہوا ہے۔ پھر ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی کھایا۔ اور قدمے نبیذ بھی پی۔ کہا۔ بخدا آج سے
 پہلے مینے کبھی اسے منہ نہ لگایا تھا۔ صرف اس لئے کہ تمہاری مجلس مکدر نہ ہو جائے۔ شریک
 صحبت ہو گیا ہوں۔ پھر تو خوب ہی جلسہ کا رنگ جما اور نہایت مسرت و سرور کے ساتھ
 جلسہ ختم ہوا۔ جب عبد الملک واپس جانے لگا تو جعفر نے کہا کہ میرے متعلق کچھ کا رخسار
 ہو تو فرمائیے۔ عبد الملک بولا۔ کہ امیر المومنین کے دل میں میری طرف سے کچھ خلش ہے۔ اُسے
 دفع کرو۔ جعفر بولا کہ ابھی تم سمجھ لو کہ امیر المومنین تم سے نہایت خوش ہیں۔ عبد الملک نے کہا
 مینے چار لاکھ درہم قرض دینا ہے۔ جعفر نے کہا یہ لو۔ روپیہ حاضر ہے۔ اتار دو۔ مگر میں بہتر سمجھتا
 ہوں کہ یہی روپیہ تم کو امیر المومنین سے دلا دیا جائے۔ تاکہ تم پر ثابت ہو جائے کہ وہ تم سے
 خوش ہو گئے ہیں۔ اس کے سوا اور کچھ فرماؤ۔ عبد الملک نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میرے
 بیٹے ابراہیم کی شادی شاہی خاندان میں ہو جائے۔ جعفر نے کہا اچھا امیر المومنین کی بیٹی
 عالیہ کا نکاح اُس سے کرایا جاوے گا۔ عبد الملک نے کہا میں چاہتا ہوں۔ کہ ابراہیم کو حسب
 نواد بنا یا جائے۔ جعفر نے کہا بہتر وہ گورنر مصر کر دیا گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم سب یہ گفتگو
 سن کر حیران تھے۔ کہ جعفر کیونکر ایسے ایسے امور عظیمہ کی بابت بید ہرک وعدہ کر رہا ہے
 تھوڑی سی دیر کے بعد جعفر سوا ہو کر خلیفہ کے پاس گیا۔ چند منٹ تخلیہ کے بعد قاضی
 ابو یوسف۔ امام محمد بن حسن اور ابراہیم بن عبد الملک طلب ہوئے۔ نکاح پڑھا گیا۔ شلعت
 گورنری مصر دلا دیا۔ روپیہ پیچھے پیچھے تھا اور علی آگے آگے۔ ہم یہ سب دیکھ کر حیران ہو گئے
 ہم نہیں کہہ سکتے کہ عبد الملک جیسے ضعیف و باوقار و متشرع کا فوراً ایسی عجیبانہ نبیذ پینا محب خیر
 تھا۔ یا جعفر کا اُس سے جملہ امور میں وعدہ کر لینا اُس سے بڑھ کر حیرت میں ڈاک والا تھا۔

یا ہارون رشید کا اتنی جلد سب باتوں کو مان کر فوراً تعمیل کرا دینا دونوں سے بڑھ کر عجیب تھا۔ اس اقدار و محبت شدید کے بعد خاتمہ یہ ہوا کہ ہارون رشید نے اُس سے ناراض ہو کر جعفر کو قتل کرا دیا۔ اور فضل کو جسے بھائی کہا کرتا۔ اور تکی کو جسے ابا کہا کرتا۔ اور دامدانیس بنایا۔ مورخین کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ ہارون رشید کس بات پر جعفر سے ناراض ہوا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ جب عباسہ کا نکاح جعفر سے پڑھا گیا۔ تو جعفر ہمیشہ اُس سے محتر زراہ۔ مگر عباسہ نے اپنی ساس کو کہا کہ بھیجنا شروع کیا۔ کہ کسی طرح میرے شوہر تک مجھے پہنچاؤ۔ ورنہ میں اپنے بھائی کو تم سے ریگشتہ کر دوں گی۔ بڑھیا نے مان لیا ایک شب جب جعفر نشہ میں چور تھا۔ عباسہ کو بلا کر اُس کے پاس بھیج دیا۔ عباسہ رات بھر وہیں رہی اور چلتے وقت اُسے کہنے لگی کہ وزیر صاحب تہزادیوں کے ہتھکنڈے بھی دیکھو جعفر بولا تہزادی کون۔ کہا میں عباسہ امیر المؤمنین کی بہن ہوں۔

خدا کی قدرت عباسہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہ احنائے راز کیلئے مکہ مکرمہ بھیج دیا گیا۔ اسی اثنا میں یحییٰ کی بیگمات سے بگڑ گئی۔ یحییٰ ناظر محلات تھا۔ شروع شام سے ہی آمد و رفت بند کر دیتا تھا۔ اور بیگمات تند ہوتی تھیں۔ زبیدہ خاتون نے ہارون رشید سے شکایت کی ہارون نے کہا کہ مجھے یحییٰ کی نسبت کوئی بھی شک نہیں ہو سکتا۔ زبیدہ بولی اگر وہ ایسا معتبر ہے تو اس کا بیٹا جعفر کیا خاک اڑا رہا ہے۔ رشید نے پوچھا کیا کہا عباسہ نے بچہ جنما ہے۔ رشید نے کہا ثبوت۔ بولی مکہ مکرمہ میں خود بچہ موجود ہے۔ رشید ننگے چپ کر گیا اور چند ماہ کے بعد حج کے پہانہ مکہ مکرمہ کو روانہ ہوا۔ عباسہ نے بچہ کو ملین بھیجا دیا۔ مگر رشید کو یہ امر متحقق ہو گیا۔ اور حج سے واپس آ کر جعفر کو اسی وجہ سے قتل کرا دیا۔

دوسرا مؤرخ کہتا ہے کہ ایک تلوی نسب کو بغاوت سلطنت کے جرم میں گرفتار کر کے جعفر کے سپرد کیا گیا تھا۔ اُس نے جعفر کو کہا کہ تم کیوں میرے نانا محمد کو اپنا دشمن بناتے ہو جعفر نے اُسے چھوڑ دیا۔ رشید نے کہا کہ اب وہ فتنہ و فساد برپا کرے گا۔ کہا نہیں میں نے اطمینان کر لیا تھا۔ خلیفہ نے کہا بہتر تب کچھ مضائقہ نہیں۔ اس گفتگو کے بعد جعفر جب وہاں سے اٹھ کر چلا۔ تو رشید نے آنکھیں اٹھا کر اُسے دیکھا اور آہستہ سے کہا کہ خدا مجھ کو بھی ہلاک کرے اگر میں تجھ کو قتل نہ کروں۔

تیسرا مؤرخ سعید بن سالم کا قول نقل کرتا ہے کہ پیامک کا کچھ قصور نہ تھا۔ بات یہ ہے کہ

کہ اُن کو حکومت کرتے کرتے ایک زمانہ طویل ہو چلا تھا۔ اور طوالت سے طبیعت کا ملول ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔

چوتھا مؤرخ کہتا ہے کہ رشید کے ناراض ہونے کی وجہ ایک گنہگار شخص کے اشعار ذیل تھے۔
 خلیفہ سے جس کے ہاتھ میں سب انتظام ہے یہ عرض ہے۔

قل لا مین اللہ فی ارضہ
 ومن الیہ الحکل والعقد

کہ جعفر بن یحییٰ تیری برابر کا مالک بن گیا ہے اور تجھ میں اور اس میں کچھ فرق نہیں رہا۔

ہذا ابن یحییٰ قد عدل بالکمال
 مثلك ما بینکما حد

آپ کا حکم اس کے حکم کے سامنے پھیر دیا جاتا ہے۔ اور اس کے حکم کو کوئی ٹوٹا دینے والا نہیں۔

امرک مردود الی امرہ
 وامرہ لیس لہ مردود

اُس نے ایسا محل تعمیر کرایا ہے کہ ہندو فارس میں اُسکی نظیر نہیں۔

وقد بنی الدار التي ما بنی الفرس
 لها مثلاً ولا الهند

در ویا قوت اس محل کی کنکریاں ہیں اور عنبر و کا فور وہاں کی مٹی ہے۔

الدر والیا قوت حصبا وھا
 وتربھا العنبر والندر

ہمیں یہ ڈر ہے کہ جس دن آپ لحد میں جاسوئے تو ملک کا وارث یہی بن جائیگا۔

ولن یبالی انہ وارث
 ملکک ان غیبک اللحد

غلام آقا کی برابری تب ہی کرتا ہے جب وہ نمک حرامی کرنے لگے۔

ولن یبالی العبد اربا بہ
 الا اذا ما سطر العبد

رشید کے دل میں اشعار پڑھ کر برا مکہ کی طرف سے بدی بیٹھ گئی۔

ابن بدرون کہتا ہے کہ علیہ بنت مہدی نے ایک روز رشید سے پوچھا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ جب سے برا مکہ تباہ کئے گئے ہیں حضور کامل خوش نظر نہیں آئے۔ بدیں صورت اُن کے بگاڑنے کی وجہ کیا تھی۔ بولا عزیز از جان اگر میں سمجھ لوں کہ اسکی اصلیت میرے قمیص کو معلوم ہو گئی ہے تو اُسے بھی چاک کر ڈالوں۔

واقفی لکھتے ہیں کہ حج سے واپس ہو کر رشید برا مکہ سے بگڑا۔ صفحہ کی پہلی تاریخ تھی کہ جعفر کو قتل کیا گیا جس پر بغداد کی ایک طرف اُس کا دھڑ اور دوسری جانب اُس کا سر آویزاں کیا گیا تھا۔

واقفی لکھتے ہیں کہ حج سے واپس ہو کر رشید برا مکہ سے بگڑا۔ صفحہ کی پہلی تاریخ تھی کہ جعفر کو قتل کیا گیا جس پر بغداد کی ایک طرف اُس کا دھڑ اور دوسری جانب اُس کا سر آویزاں کیا گیا تھا۔

سندی بن شاہک کا بیان ہے کہ میں رات کو کو توالی میں سویا پڑا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ
جعفر بن یحییٰ سرپا سرخ لباس پہنے ہوئے ساتھ کھڑا ہے اور یہ اٹھتا پڑھ رہا ہے۔

كَانَ لَمْ يَكُنْ يَلِينُ الْحُجُونَ إِلَى الصَّفَاءِ اَنْ يَسْ وَ لَمْ يَسْمُرْ نَمَكَةً سَا مِرْ
گویا حجوں اور صفادگہ کے دو مقامات کے درمیان میں کوئی انیس بھی نہ تھا اور نہ کوئی داست
گو (جو داستان کے طور پر ہی ہمارا ذکر کرے)

بَلَى لَحْنٌ كُنَّا اَهْلَهَا قَابَاءَنَا صُرْفُ اللَّيَالِي وَالْبِدْوَةُ وَالْعَوَائِدُ

ہاں اہم اسی جگہ کے رہنے والے ہیں۔ لیکن زمانہ کی گردش اور ہلاکت کی راہوں نے ہم کو
وہاں سے نکال دیا۔

خواب دیکھتے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ مینے ایک درست سے ذکر کیا۔ بولا یہودہ خواب
وخیال ہے۔ اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ انسان جو کچھ خواب میں دیکھے۔ اس کے لئے تعبیر بھلی ہو۔
میں پھر پلنگ پر جا پڑا۔ مگر آنکھوں میں نیند نام کوٹھ تھی۔ تھوڑی دیر گزری تھی۔ کہ گھوڑے
کی ٹاپ اور منہناہٹ کی آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ پر بھی زور سے کھٹکھٹاہٹ ہوتی
مینے دروازہ کھلوا دیا۔ سلام ایرش جو رشید کا خاص خادم تھا اور جو مہمات عظیمہ میں ہی مامور
کیا جاتا تھا۔ اوپر چڑھ آیا۔ اسے دیکھ کر میرے تو ہوش و ہواس گم ہو گئے اور میں سمجھا کہ کچھ
میری آفت آئی۔ خادم میرے برابر بیٹھ گیا۔ اور اس سے بے خط لکا لکھ دیا۔ مینے کھول کر پڑھا
تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا۔

سندی کو معلوم ہو کہ یہ خط خاص ہمارے قلم کا نوشتہ اور ہمارے دست خاص کی مہر سے
مزیں ہے۔ اور سلام ایرش اسے لیکر مہارے پاس آتا ہے۔ تم اس خط کو دیکھتے ہی یحییٰ بن
خالد کے گھر کا محاصرہ کر لو۔ اسے پکڑ کر بیٹری ڈال کر جیل میں پہنچا دو۔ اپنے نائب عبداللہ کو
فضل کی گرفتاری کے لئے بھیجو۔ اور خیر مندر شہرت سے پہلے اسے جیل میں بھیجو
اس کے بعد اس کے عزیز واقارب کو بھی گرفتار کر لینا چاہیے۔ تحقیق اور فضل زندان خان
زمارقہ میں قید کئے جاویں۔ سلام مہارے ساتھ ہے اور خداہ و گار

ابن بدرون لکھتا ہے کہ جب رشید موضع انبار میں آ کر آرا۔ تو اس نے اپنے قلام یا سر
کو خلوت میں بلایا۔ کہا یا سر مینے تجھے ایسے اعتبار میں کام پہلے بلایا ہے۔ جس کے لئے میں اپنے
بیٹوں پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتا۔ تجھے لازم ہے کہ جو اعتبار تجھ پر کیا گیا ہے۔ اسے صحیح ثابت کر

دکھلاؤ۔ یا سر نے کہا اگر حضور مجھے خود کشتی کا بھی حکم دینگے تو میں فوراً تمہیں کرونگا۔ رشید نے کہا۔ اچھا ابھی جاؤ۔ اور جعفر بن ابی اسر کا سر کاٹ لاؤ۔ یا سر نے نہایت بن گیا۔ رشید نے ڈانٹ کر کہا تجھے کیا ہو گیا؟ کہا حضور نہایت مشکل کام ہے۔ کہا نہیں ابھی جاؤ۔ اور تمہیں کرو۔ یا سر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ جعفر بیٹھا ہوا ہے اور ابو زکار مغنی اُسکے سامنے گارہا ہے اور حسین وزہرہ جمال کنیزیں ستار بجارہی ہیں۔ یا سر ذرا پس پردہ ٹھہرا ابو زکار نے گایا

مَا يَرِيْدُ النَّاسُ مِنْهَا مَا يَتَاْمُرُ النَّاسُ مِنْهَا
اِنَّمَا هُمْ رَاٰتُ يَنْظُرُوْنَ مَا قَدْ دَفَنَّا

لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں کہ ہماری غیرتیں کرتے ہوئے سوتے بھی نہیں۔ بیشک وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دفینوں کو ظاہر کر دیں۔

اسکے بعد اس نے پھر یہ اشعار گائے۔

اس بات کو کچھ بعید نہ سمجھو کہ ہر ایک شخص پر موت صبح	فلا تبعد فكل فتى سياتى
یا شام نازل ہوتی ہے۔	غلب الموت يطرق او يعادى
ہر ایک ذخیرہ کیلئے خواہ کیسا ہی بچا کر رکھا ہو ضروری ہے	وكل ذخيرة لا بد يومها
کہ ایک روز صرف میں آئے۔	وان بقيت تصير الى نفاذ
اگر تجھ پر گردش دہر سے کوئی مصیبت آئے تو میں تجھ پر اپنا	ولو فوديت من حدث الليلي
نیا پرانا اندوختہ فدا کرونگا۔	قد يتك بالطريف وبالتلاد

یا سر اس قدر سکر کر کے اندر داخل ہوا۔ جعفر نے اُسے دیکھ کر کہا کہ۔ یا سر! میں تمہارے آئنے خوش ہوا لیکن بلا اجازت اندر آنے سے ناراض بھی ہوں۔ یا سر نے کہا مصیبت اس سے بھی بڑھ کر آئی ہے۔ مجھے امیر المؤمنین کا حکم ہے کہ آپ کا سر کاٹ اسی وقت پیش کروں جعفر وزیر خادم کے قدموں پر گر پڑا۔ کہا مجھے اجازت دو۔ کہ میں اندر جا کر وصیت کر آؤں۔ غلام نے کہا کہ اندر جانے کی تو میں اجازت نہیں دیکھتا البتہ وصیت آپ کر سکتے ہیں۔ جعفر نے کہا میرے بہت سے احسانات تجھ پر ہیں اور ان کا معاوضہ تم اسی وقت دیکتے ہو۔ یا سر نے کہا کہ میں ہر ایک خدمت کیلئے حاضر ہوں۔ مگر امیر المؤمنین کے حکم کا خلاف نہیں ہو سکتا۔ کہا تم لوٹ کر جاؤ۔ اور کہدو کہ میں قتل کر آیا۔ اگر خلیفہ یہ شکر پشیمان ہوا۔ تب گویا میری زندگی تیرے طفیل ہوگی۔ یا سر نے کہا میں واپس نہیں جاسکتا۔ جعفر نے کہا اچھا میں تمہارے ساتھ

چلتا ہوں۔ اور پس پردہ ٹھہر جاؤنگا۔ اور اپنے کانوں سے خلیفہ کا کلام سنونگا۔ اگر اس نے میرے قتل پر مسرت کا اظہار کیا تو تم نے باہر نکل کر قتل کر دینا یا نہ کرنے کہا البتہ یہ ہو سکتا ہے آخر دونوں محل تک گئے۔ رشید نے آہٹ پا کر پوچھا کون۔ کہا یا سر۔ کہا ساتھ کون ہے کہا حضور جعفر ہے اور یہ کہہ کر ساتھ آیا ہے۔ رشید نے ماں کی گالی دیکر کہا کہ قتل کرنا ہے یا تجھے بھی اس سے پہلے قتل کروں۔ یا سر نے باہر آ کر جعفر کا سر کاٹ لیا۔ اور سامنے جا کر رشید کے رکھ دیا۔ سر بریدہ کو دیکھ کر رشید ہنانت مغموم ہوا اور دیر تک ساکت رہا۔ آخر بولا۔ یا سر! فلاں فلاں شخص کو بلاؤ۔ جب وہ آگئے تو حکم دیا کہ یا سر کی گردن اڑادو۔ مجھ سے جعفر کا قاتل دیکھنا نہ جائیگا۔

کہتے ہیں جس شب کو جعفر موضع انبار میں قتل کیا گیا ہے اُسکی صبح کو خراسان میں علی بن عیسیٰ گورنر کے محل پر موٹے قلم سے یہ اشتہار لکھے ہوئے دیکھے گئے۔

إِنَّ الْمَسَاكِينَ بِنِي بَرْمَكٍ صَبَّ عَلَيْهِمْ غَيْرًا لَدَّهُنَّ

مسکین براہم پر غضب نے جوش کھایا۔ اور زمانہ بدل گیا۔

إِنَّ لَنَا فِي أَمْرِهِمْ عِبْرَةً فَلْيَحْتَبِرْ سَاكِنُ ذِ الْقَصْرِ

ہم کو ان کے حالات سے عبرت کا سبق ملتا ہے اس محل میں رہنے والی کو بھی عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم نے جو حدیث کے بزرگ ترین حفاظ میں سے ہیں۔ جب جعفر اور براہم کا یہ انجام سنا تو اپنا چہرہ قبلہ رخ کر کے یوں دعا فرمائی اللّٰهُمَّ اِنَّكَ كَانَتْ كَقَاتِي مَوْتُهُمُ الدُّنْيَا فَالْفِيهِ مَوْتُهُ الْاٰخِرَةُ۔ الہی جعفر میری دنیوی ضروریات کو پورا کرتا تھا تو اُسکی ضروریات آخرت کو پورا کرے۔

ان کی مصیبت پر جس کثرت کے ساتھ نوحہ و لکھا ہوا۔ مرثیہ اور قصیدے لکھے گئے۔ وہ قیاس و وہم سے بالا تر ہیں۔ مرثیہ لکھنے کے جرم میں بیسیوں شاعروں کا قتل و قید ہوئے سینکڑوں وطن سے بیوطن کئے گئے۔ تاہم نمک خوردہ احسان پروردہ باز نہیں آتے تھے۔ یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ زندگی میں براہم کے سامنے اتنے قصائد پیش نہیں ہوئے تھے جتنے مصیبت کے بعد لکھے گئے۔

رقاشی شاعر نے پر درد مرثیہ کے آخر میں لکھا۔

خدا کی قسم اگر مخبری کی مخبری اور خلیفہ کی چشم پیرد
کا خوف نہ ہوتا۔
تو ہم تیری لاش کے گرد طواف کرتے اور حجر اسود کی
طرح تجھ کو چوما کرتے۔

اما والله لو لا خوف واش
اعين للخليفة لا تنام
لطفنا حول جذعك واستننا
لما للناس يا بھجر استلام

محمد بن عنان کہتا ہے کہ میں نے ایک روز عید کے دن اپنی والدہ کے پاس ایک بڑھیا دیکھی
جسکی حالت بہت ہی خراب تھی۔ میں نے پوچھا ااجان یہ کون ہے۔ کہا جعفر برکی کی والدہ
میں نے ادب سے سلام کیا۔ پاس بیٹھ گیا۔ پوچھا مائی صاحبہ کوئی بات بناؤ۔ کہا بیٹا۔ ایک عید
تو میں نے ایسی دیکھی کہ چار سو لونڈیاں باندیاں خاص میری خدمت میں دست بستہ حاضر ہیں
با اینہم میں سمجھتی تھی کہ میرے بیٹے بڑے نالائق ہیں۔ اور ایک آج بھی عید ہے۔ بکرے کی
دو کھالیں میرے پاس ہیں۔ ایک کو نیچے بچھا لیتی ہوں۔ اور ایک کو اوڑھ لیتی ہوں۔ میں نے پانچ سو
درہم اُسکو دیئے۔ انہیں لیکر وہ ایسی خوش ہوئی کہ گویا خوشی کے مکے مر جا ویگی۔ حالانکہ کبھی
کر وڑو نکا اُسکے سامنے شمار نہ تھا۔

مکئی بن خالد برکی

یہ مکئی مہدی کے زمانہ میں ایک مقہدا فر تھا۔ مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کی تربیت اسی کے
متعلق کر دی تھی۔ جب کہ ہارون خلیفہ ہوا۔ تو اُس نے مکئی کی خدمات کا ان الفاظ میں اعتراف
کیا۔ یا واجان آپکے ہی مین و برکت اور عہدہ تربیت کی طفیل آج میں تخت پر متمکن ہوں۔
میں آپ کو ملازم المہام مقرر کرتا ہوں۔ جسکے ہر طرح سے آپ مستحق اور لائق ہیں۔ یہ کہہ کر اپنی
خاتم خاص مکئی کے ہاتھ میں پہنادی۔ ندیم موسیٰ کہتا ہے۔

المرتبان الشمس كانت سقيمة
فلمّا ولى هارون اشرق نورها
فما دون واليهما ويحيى وزيرها

ہارون ہمیشہ اُسکی تعظیم کیا کرتا۔ اور با واجان کہہ کر تا تھا مگر آخر میں اُسے قید کر دیا۔ اور

قیدی میں یہ پیارا راز۔

مستعدی کہتا ہے کہ یحییٰ کے چاروں فرزند اگرچہ اعلیٰ اوصاف میں بہانت نامی ہوئے
میں تاہم محبوبت بھی اپنے باپ کے جداگانہ اوصاف کی برابری نہ کر سکتے تھے نہ فضل میں
وہ سخاوت تھی نہ جعفر میں وہ فصاحت۔ نہ محمد میں وہ برترین ہمت۔ اور نہ موسیٰ میں وہ
ہور و شجاعت۔

یحییٰ کا قول ہے کہ تین چیزوں سے اُسکے بھینے والے کی عقل و انانی کا اندازہ ہو سکتا

(۱) خط (۲) تحفہ (۳) قاصد۔

ندیم موصل کہتا ہے کہ میرے والد نے مجھے سنایا کہ میں نے ایک دفعہ یحییٰ برکی سے اپنی تنگدستی
کا ذکر کیا۔ وہ بولا۔ افسوس ہے کہ میں اسوقت کچھ ادا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میرے پاس بھی
کچھ نہیں۔ ماں ایک جہلہ بتاتا ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔ کہ گورنر مصر کا نائب میرے پاس
آیا تھا۔ اور بڑی زور اور التجا سے مجھے کوئی ہدیہ قبول کر لینے کیلئے کہتا تھا۔ اب میں اُسے کہہ دینگا
کہ تمہارے پاس جو لونڈی تین ہزار دینار کی خرید ہے وہ بھکوپسند آگئی ہے۔ نامحالہ وہ تمہارا
پاس پہنچے گا۔ اور لونڈی کو خریدنا چاہیگا۔ تم تیس ہزار دینار سے کم پر راضی نہ ہونا۔ میں اپنے
گھر چلا آیا۔ اور چند گھنٹے کے بعد ایک شخص کنیز کی خریداری کیلئے پہنچا۔ میں تیس ہزار سے
نیچے نہ اترتا تھا۔ اور وہ پانچ سے شروع ہو کر رقم کو آہستہ آہستہ بڑھاتا جاتا تھا۔ جب بیس ہزار
تک نوبت پہنچی تو میں صبر نہ کر سکا۔ اور لونڈی کو اُسکے ہمراہ کر دیا۔ میں اس معاملہ کے بعد یحییٰ
کی خدمت میں گیا۔ اُس نے مجھ سے حال پوچھا۔ میں نے کہا کہ بیس ہزار دینار سے زیادہ میں
صبر نہ کر سکا۔ اُس نے کہا افسوس۔ خیر تم اپنی لونڈی کو اپنے گھر لیجاؤ۔ خدا تمہیں برکت دے
میرے پاس شاہ فارس کا معتمد آئیگا۔ اور میں اُسے بھی اسی کنیز کی خریداری قبول کر نیکیو کہوں گا
پس تم اُس کے سامنے پچاس ہزار دینار سے کم نہ اترنا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص آیا
اور کنیز کی خریداری کا سوال کیا۔ میں پچاس ہزار سے کم نہ اترتا تھا۔ لیکن گفتگو ہوتے ہوتے
جب خریدار تیس ہزار پر پہنچا۔ تو میرا دل نہ رہ سکا۔ میں نے کنیز کو اُسکے ہاتھ بیچ دیا۔ جب میں یحییٰ
کے پاس پہنچا اور اُسے حال سنایا۔ تو اُس نے کہا کہ ایک دفعہ کے بعد بھی تم کو عقل نہ آئی
خیر اپنی کنیز کو لیجاؤ۔ میں نے کنیز سے کہا کہ تیری طفیل پچاس ہزار دینار یا کر اب تجھے
میں لونڈی نہیں رکھ سکتا۔ بلکہ تجھے آزاد کرنا ہوں۔ اور اپنی زوجہ بتاتا ہوں۔

اسی کہتا ہے کہ میں ایک بار روز یحییٰ کے پاس گیا۔ پوچھا اٹھی تیری بیوی بھی ہے

یہنے کہا نہیں۔ کہا کہ نیزک بھی ہے۔ یہنے کہا نہیں۔ ایک خاومر ہے۔ یہ سن کر ایک نہایت ہی حسین و ظریف لوندی کو طلب کیا، اور مجھے بخش دیا۔ یہنے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ مگر لوندی سٹ پٹائی۔ کہا حضور مجھے ایسے کر یہ المنظر بد رو شخص کو دیتے ہیں میرے حال پر رحم کریں۔ یحییٰ نے مجھے کہا کہ اگر تم کو اسکے عوض دو ہزار دینار دیتے جائیں تو تم خوش ہو سکتے ہو؟ یہنے کہا ہاں۔ لوندی سے کہا اچھا۔ اندر جاؤ۔ پس مجھے مخاطب کر کے کہا۔ کہ میں اسکی ایک حرکت سے ناراض ہو گیا تھا۔ اور اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ مگر اسکی گریہ و زاری پر رحم آگیا اور اسے معاف کر دیا۔ یہنے کہا کہ اگر حضور مجھے پہلے سے بتا دیتے۔ تو میں کپڑے بدل کر بالوں میں کنگھی اور خوشبو لگا کر اُسکے سامنے ہوتا۔ تاکہ وہ مجھ سے نفرت نہ کرتی۔ یحییٰ اسپر ہنس پڑا۔ اور مجھے ایک ہزار دینار اور عنایت فرمایا۔

اسحق ندیم کہتا ہے کہ یحییٰ کا قاعدہ یہ تھا کہ جب گھر سے سوار ہو کر خلیفہ کی خدمت میں جایا کرتا تو جو شخص اُسے پہلے مل جاتا۔ اُسے دو سو روپیہ انعام دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُسے ادیب شاعر مل گیا اور اُس نے یہ اشعار پڑھ کر سنائے۔

يَا سَمِيَّ الْكُحُوْرِيَّيْ اِثْمِيَّتْ
كُلُّ مَنْ سَرَفِي الطَّرِيْقِ عَلَيْكَ
مَاتَادِرْهُمْ مِثْلِي قَلِيْلٌ
لَكَ مِنْ فَضْلِ رَبِّنا جَنَّتَانِ
فَذَاهُ مِنْ نُورِ كَلْمِ مَائِيَّتَانِ
هِيَ مِنْكَ لِلْقَابِسِ الْجَلَانِ

اے یحییٰ نبی حضور علیہ السلام کے ہم نام (خوف خدا کی وجہ سے) خدا نے تیرے لئے جنتان کو تحیہ بنا رکھا ہے۔ تمہارا طریق ہے کہ سانسے آجانیوالے شخص کو دو سو روپیہ دیا کرتے ہو مگر یہ تو شتاب رو در یوزہ گر کا عقیقہ ہے اور میرے لئے ناکافی۔

یحییٰ نے کہا سچ کہتے ہو۔ تم میرے مکان پر چلو۔ جب لوٹ کر کچھ مکان پر پہنچا تو اُس سے حال دریافت کیا۔ کہا یہنے شادی کی ہے۔ اور تین میں سے ایک بات کیلئے مجھے سروسٹ فکر ہے۔ یا چار ہزار روپیہ مہر کا ادا کروں۔ یا اُسکی خدمت کیلئے تا اداٹے مہر ایک لوندی چھوڑ دوں۔ یا طلاق دوں۔ یحییٰ نے اُسے چار ہزار روپیہ مہر کیلئے۔ چار ہزار مکان کے لئے۔ اور چار ہزار ضروری اسباب کیلئے اور چار ہزار مصروف متفرقہ کے لئے اور چار ہزار روپیہ لوندی غلام کی خریداری کیلئے (کل بیہزار) عنایت کیے۔

محمد بن ہشام شاعر کہتا ہے کہ ہارون رشید بمعہ اپنے دو شہزادوں ابن اور مامون کے

حج کیلئے گیا۔ یحییٰ بھی مدعا اپنے دو فرزندوں فضل اور جعفر کے ہمراہ تھا۔ پہلے تو ہارون نے مدعا یحییٰ کے لوگوں کو عطیات دیئے۔ پھر آئین نے مدعا فضل کے لوگوں کو انعام سے مالا مال کیا۔ حتیٰ کہ عرب میں سال کا نام ہی عام الاعطیۃ الثلاثہ ہو گیا۔ یعنی اسپر چند اشعار لکھے یہ

اَنَا ابْنُ الْأَمَلِكِ مَرْزُوقٌ بِرُفْقِ
فِي طَيْبِ أَخْبَارٍ بِأَحْسَنِ مَنَظَرِ
فَتَطْلَمُ بَعْدَهُ دُونَكَ لَنَا الدُّجَى
بِمَلَكَةٍ مَا جُؤْأَلُ ثَلَاثَةَ أَقْسَمِ
إِذَا نَزَلُوا بِطَيِّبِ الْمَلَكَةِ أَشْرَقَتْ
بِحَبِيْبِي وَبِالْفَضْلِ بَرِيْدِي وَبِجَعْفَرِي

سرزمین برک میں سے چند شانہزادے یہاں پہنچے جنکی شہرت بھی پاکیزہ ہے اور چہرہ بھی خوشنما۔

بغداد میں اندھیرا پڑ گیا۔ اور یہاں کی تاریکی اٹھ گئی جبکہ مکہ میں حج کیلئے تین چاند آ گئے۔

جب وہ اترے تو مکہ کی تمام پہاڑیاں یحییٰ اور فضل اور جعفر کے نور سے روشن ہو گئیں۔

خطیب نے اپنی تاریخ میں واقعی نامی شخص کا قصہ درج کیا ہے۔ کہ میں ایک لاکھ روپیہ کے ساتھ بیچ ہو پار کیا کرتا تھا۔ یکبارگی خسارہ آنے سے میرا دیوالہ نکل گیا۔ میں مدینہ منورہ سے بغداد پہنچا۔ اور چند روز کی آمد و رفت سے یحییٰ کے خدام و نواب سے رمل گیا۔ انہوں نے مجھے بتلایا۔ کہ جب دسترخوان بچتا ہے تو کسی آدمی کیلئے اسوقت روک نہیں رہتی۔ تم اسی وقت جانا۔ چنانچہ میں دسترخوان پر ہی پہنچا۔ یحییٰ نے میرا حال دریافت کیا۔ اور مینے سب کچھ سنا دیا۔ وہ منکر خاموش رہا۔ کھانا کھانے کے بعد میں آگے بڑھا۔ کہ اُسکے سر پر بوسہ دوں مگر مجھے روک دیا۔ جب میں وہاں سے باہر نکلا تو سوار ہونے سے پہلے ہزار دینار کی تھیلی لیکر خادم میرے پاس آیا۔ کہا وزیر نے سلام کے بعد کہا ہے کہ اس سے تم اپنی ضروریات کو پورا کرو۔ اور کل کو پھر آؤ۔ اگلے روز پھر میری حالت دریافت کی۔ کھانا کھانے کے بعد جب میں اُسکے سر پر بوسہ دینے کو بڑھا تو مجھے روک دیا۔ جب میں وہاں سے نکل کر سوار ہونے لگا تو ہزار دینار کی تھیلی لیکر خادم آیا۔ اور کہا وزیر نے کہا ہے کہ کل کو پھر تشریف لائیں۔ عرض تیسرے روز بھی مجھے ایک ہزار دینار ملے اور چوتھے روز بھی۔ تب مجھے سر پر بوسہ دینے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔ پھر کہا کہ مینے تین روز تک تم کو اس لئے ہٹایا تھا کہ میری جانب سے کوئی ایسا سلوک نہ ہوا تھا۔ اب چونکہ حضور اہبت منہا سے پاس پہنچ گیا ہے۔ اس لئے مینے اجازت دیدی ہے۔ اسے غلام فلاں گھر رہنے کیلئے اور فلاں فرش بچھانے کیلئے ان کو دیدو۔ نیز وہ لاکھ درہم بھی۔ تاکہ ایک لاکھ کا قرض ادا کر کے ایک لاکھ سے پھر اپنی حالت کو درست

بنالیں۔ ایک روز ابو قاپوس حمیری یحییٰ کے پاس آیا۔ اور یہ شعر پڑھ کر سناٹا۔

لَا تَدْرِي يَحْيَىٰ انَّمَا لَلَّهِ نَهْمَتُهُ
عَلَيْهِ يُوقِي الذِّي لَمْ يُوقِ أَحَدًا
يَكْسِبُ الذِّي مَنْ مَعْرُوفِهِ أَبَدًا
إِلَى الرِّجَالِ وَكَأَيُّنِي الذِّي يُجْعِدُ

یعنی یحییٰ کو دیکھا کہ خدا نے اس پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور اُسے وہ کچھ دیا ہے جو کسی کو نہیں دیا۔ (اس میں حضرت سلیمان کی دعا کی طرف تلخ ہے) اپنے کٹے ہوئے احسانات کو تو بھول جاتا ہے مگر اپنے وعدہ کو کبھی نہیں بھولتا۔ یحییٰ نے سنا کر جو کچھ اُس نے مانگا وہی دیا۔

حسن بن بہل کہتا ہے کہ یحییٰ کے کاتب نے اپنے فرزند کے غسلِ نعتہ کا جلسہ کیا۔ تمام عمدہ داروں افسروں۔ علماء دارا کین نے اُس کے پاس قیمتی تحائف بھیجے۔ اس کا ایک دوست تنگدست تھا اُس نے ایک تھیلی میں نمک اور دوسری میں خوشبودار ابدنا ڈالا۔ اور رقعہ کے ساتھ بھیج دیا۔ یحییٰ جب اُس کے مکان پر دعوت کھانے گیا تو کاتب نے تمام تحائف اُسے دکھلائے یحییٰ نے وہ تھیلیاں دیکھ کر کہا۔ کہ اُسے دینار کے ساتھ بھر کر واپس کرنا چاہیے ان میں چار ہزار دینار آئے اور وہ اس پر جوش و دست کے پاس بھیج دیئے گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اُسے کہا کہ آپ احنف بن قیس سے بھی بردبار ہیں۔ یحییٰ نے کہا کہ جس وصف کا میں مستحق نہیں اُسے سنا کر کبھی متکلم کا قرب نہیں بڑھ سکتا۔ اس کا مقولہ تھا کہ جب دنیا تیری طرف متوجہ ہو تب بھی خرچ کر کیونکہ اوہ کم نہ ہوگی۔ اور جب دنیا تم سے منہ پھیرے تب بھی خرچ کر۔ کیونکہ اب وہ تیرے پاس نہ ٹھیرے گی۔

کہا کرتا تھا۔ کہ منعم اگر اپنے احسان کو یاد دلائے تو کدورت کا باعث ہے لیکن اگر منعم علیہ اُسے فراموش کرے۔ تو صریح کفر و تقصیر ہے۔

ایک دفعہ اسحاق موصلی نے اپنے خدام کو پکارا۔ کوئی نہ بولا۔ کہا یحییٰ بر مکی سچ کہتا تھا۔ کہ بردبار کی بردباری کا ثبوت یہ ہے کہ اُس کے خدام گستاخ ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ ہارون رشید جا رہا تھا۔ یحییٰ ہمراہ تھا۔ کسی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین میرا گھوڑا مر گیا۔ ہارون نے کہا اسے پانچ سو درہم دلا دو۔ یحییٰ کے چہرہ پر یہ حکم سنا کر ایک تغیر معلوم ہوا جسے ہارون بھی پہچان گیا۔ میل میں جا کر یحییٰ سے اُس تغیر رنگ کی وجہ پوچھی کہا حضور کی زبان سے پانچ سو درہم کا نکلنا عجب اور سخاوت کا موجب ہے تمہاری زبان سے پانچ کروڑ دس کروڑ نکلنا چاہیے۔ ہارون نے کہا کہ جب ایسا سوال کوئی شخص کرے۔ جیسا

آج گھوڑے والے نے کیا تھا۔ تب کیا کریں، کہا کہہ دیا کرو کہ گھوڑا اولاد و غیرہ اس شخص کی سخاوت اور عظمت کی حکایات جو ہمارے اس زمانہ میں واسطہ ان سے زیادہ وقت نہیں لگتیں بہت ہیں قید کے متعلق جو حرف کے حال میں لکھا ہوا ہے اسی حالت میں ہی مرگ مفلحات سے وفات پائی۔ مرنے کے بعد اسکی بیب سے ایک پرچہ نکلا جو ہارون رشید کے پاس پہنچایا گیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ مدعی عدالت میں حاضر ہو گیا ہے اور مدعا علیہ بھی اس کے پیچھے ہے۔ حاکم نہایت عادل و منصف ہے اور اس سے شہادت یا ثبوت کی ضرورت نہیں ہارون رشید پر پندرہ تمام دن روتا رہا۔ اور چند روز تک اس کے چہرہ پر سوچ و غم نمایاں تھا۔ کہا اگر مجھے برآمدگی صفائی نیت کا یقین ہو جاتا۔ تو میں ان کی پہلی شان و شوکت پر ان کو بحال کر دیتا زرخشری کہتا ہے کہ میرے بوردیچی کے ہنر کے

وَحَقُّ اللَّهِ أَنْ يَكْفُرَ كَوْمًا
إِلَى دِيَارِ يَوْمِ الدِّينِ نَحْنُ
وَإِنَّ الظُّلْمَ مَرْتَعَةٌ وَخَسِيلَةٌ
وَعِنْدَ اللَّهِ يَجْمَعُ أَحْصَوْمًا

ناظرین کیلئے کے حال سے عبرت پڑو۔ اور خیال کرو کہ وہ اسلامی شوکت کہ ایک اسلامی سلطنت کا وزیر لاکھوں روپے کے عطیات متواتر اور مسلسل دیا کرتا تھا۔ کہہ گئی۔ برآمدگی کے احسان پروردہ اسکی نعمتوں کو یاد کر کے روتے ہوئے۔ اور ہم محسن اور محسن الیہ کو یاد کر کے حسرت کرتے ہیں خداوند کریم اہل اسلام پر رحمت فرمائے اور اس بخت وادبار قومی سے جو روز بروز ترقی پذیر ہے ہمکو نجات بخشے۔

حکایت ابن مسیرہ و زبیر

یحییٰ بن مسیرہ نام رعون الدین لقب عراق کے ایک گاؤں میں سپاہی کے گھر پیدا ہوا صفحہ سنی میں ہی بغداد میں باپ کے پاس آ رہا۔ اور علم کی تحصیل میں سرگرمی کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ فقہاء اور اہل علم کی خدمت میں بیٹھتا رہا۔ نحو اور ایام العرب اور تاریخ۔ علم قرأت اور حدیث و ادب میں عمدہ دستگاہ رکھتا تھا۔ مسلم بلخی و فصیح اساتذہ کے اشعار و فقرات از بر تھے۔ ادب ابو منصور جو ایتھی۔ اور حدیث پاک اچھانی و بہتہ اشہد کاتب اور حسین بن محمد قرآء سے حاصل کی

تھی اسکی فضیلت کا اندازہ کرنے کیلئے ہی خیال کرو کہ ابن جوزی نے ان سے روایت کی ہے۔
 ابن ہبیرہ نے اپنی ملازمت اور ترقی کے متعلق عجیب قصہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں
 بہائت منگوت ہو گیا۔ یعنی سنا ہوا تھا کہ معروف کرخی کی قبر پر دعا قبول ہوتی ہے۔ میں گیا
 اور دعا کے واپس آتا تھا کہ ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد مجھے مل گئی۔ میں نے دلیس کہا کہ یہاں
 دو گانہ بھی پڑھ چلوں۔ وہاں گیا تو دیکھا کہ ایک فقیر حالت زخ میں ہے۔ میں نے کہا کہ اگر
 کسی چیز کو دل چاہتا ہو تو بتلاؤ۔ کہا خر بوزہ کو دل چاہتا ہے۔ میں بازار گیا۔ اور خر بوزہ
 خرید کر لے آیا۔ فقیر نے کھایا اور بہت خوش ہوا۔ پھر گھستا ہوا مسجد کے ایک گوشہ میں پہنچا
 اور اُسے کھود کر ایک برتن نکالا۔ جس میں پانچ سو دینار تھے۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ اس کا مستحق
 تو ہی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تیرا کوئی وارث نہیں۔ کہا ایک بھائی تھا۔ لیکن برسوں سے اسکا
 کچھ پتہ نہیں۔ میں نے ایک دفعہ سنا تھا کہ وہ مر گیا۔ میں رصافہ کا باشندہ ہوں۔ وہاں
 سے جدا ہونے کے بعد میں نے بھائی کو نہیں دیکھا۔

ابن ہبیرہ کہتا ہے کہ میں نے پورے لئے۔ اور وہ میرے کھڑے کھڑے ہی جان بحق ہو گیا
 میں نے جہیز تکھن کرانی۔ اور فارغ ہو کر جبکہ سے پرے کتارہ جانے کیلئے گھاٹ پر پہنچا۔
 ایک شکتہ حال ملاح نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلئے میں اسی کی کشتی میں بیٹھ گیا۔ میں نے پوچھا
 تم کہاں سے ہو۔ کہا رصافہ سے۔ لڑکپن میں ہی یہاں آیا تھا۔ اور ہمیں آکر ہوش سنبھالا
 ہے۔ میں نے پوچھا تیرا کوئی رشتہ دار نہیں۔ بولا نہیں ایک بھائی تھا مگر سالہا سال سے
 اُس کا کچھ پتہ نہیں۔ میں نے کہا اپنا دامن پھیلادو۔ اُس نے دامن پھیلادیا۔ اور میں نے پانچ سو
 دینار اُسکے پلگے میں ڈال دیئے۔ وہ ششدر رہ گیا۔ پوچھا یہ کیسے۔ میں نے تمام قصہ اُسے سنا دیا
 ملاح نے کہا نصف تم لیاور میں نے انکار کر دیا۔ وہاں سے آکر میں نے امیدواری کی عرضی پیش کی
 پیش ہوتے ہی خزانچی مقرر کیا گیا۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ ترقی پاتا ہوا وزارت تک پہنچ گیا
 ہوں۔

ابن ہبیرہ کے وزیر بنائے جانے کے متعلق اسکی سوانح عمری لکھنے والے نے یہ تحریر کیا ہے
 کہ بغداد میں سلطان محمود سلجوقی کی طرف سے بطور نیابت مسعود خادم رہا کرتا تھا۔ اسوقت
 خلیفہ بغداد کی ذہنی رسالت تھی جو شاہ عالم کی دہلی میں ہو رہی تھی اور آنریبل کمپنی کو اپنے وزیر
 کہا کرتا تھا۔ مسعود خادم کے گستاخانہ لڑائی اور شوخانہ انداز اور اندرونی سازشانہ کاروائیوں کے

متعلق خلیفہ کی جانب سے چند مراسلے سلطان کو لکھے گئے۔ مگر ادھر سے کچھ جواب نہ آیا۔ مراسلات کا کاتب وزیر قوام الدین ابوالقاسم تھا۔

ایک نے فوج ابن ہبیر نے مراسلہ کا مسودہ تیار کیا۔ اور اس میں سلطان کے آباد اجداد کی حسن طاعت اور تادب اور تعظیم خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے مراسلات کا جواب نہ دینے اور مسعود کی ناقابل برداشت حرکات کی ترقی پذیر ہونیکا ذکر کیا۔ اس مراسلہ کا جواب بہت جلد آیا جس میں سلطان نے موذبانہ الفاظ میں عند و معافی کا اظہار کر کے لکھا تھا کہ مسعود کی کاہلہ وایتوں کا مجھے علم نہیں تھا۔ اور اب اسے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔

خلیفہ متقی بادشاہ کو اس جواب سے نہایت مسرت ہوئی اور اس روز سے ابن ہبیر کی قدر و وقعت اس کے دل میں زیادہ ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ فرمان خاص اسکی وزارت کیلئے صادر ہوا۔ ابن ہبیر نے اس خبر کو افواہا سنا۔ اور تصدیق کیلئے ایوان کی جانب خود روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر نہ صرف خبر کی ہی تصدیق ہوئی بلکہ خلیفہ نے باہابطہ تخت پر جلوس آور ہو کر اسے طلب کیا اور چند ساعت تک کچھ خفیہ گفتگو کرنے کے بعد رخصت کیا۔ ایوان شاہی کے دروازہ پر وہ تمام جلوس شاندار جو وزیر اعظم کے تقرر پر مرتب ہوا کرتا ہے موجود تھا۔ سواری کیلئے مشکی گھوڑا جس کے چاروں پاؤں اور چہرہ سفید تھا۔ سونے کے زیورات سے آراستہ موجود تھا۔ اعیان دولت اور امراء حضرات آگے آگے اور دیگر تمام عہدہ دار ملکی و مالی پیچھے پیچھے تھے۔ نقارہ و علم پیش پیش تھا۔ اس جلوس کے ساتھ مسند وزارت پر متمکن کیا گیا۔ اور فرمان تقرر سدید الدلہ عبد الکریم انباری نے پڑھ کر سنایا۔

ابن ہبیر عالم و فاضل تھا۔ راتے صائب اور سیرت صالح رکھتا تھا۔ اپنے عہد وزارت میں ایسی عمدگی اور خوبی کے ساتھ کاروبار چلایا۔ کہ بالعموم عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اہل علم کی بہت تکریم کیا کرتا۔ اور اپنی مجلس کو اہل فضل و کمال سے آراستہ رکھتا۔ اسکی حضوری اناؤ اور استفادہ سے خالی نہ ہوتی تھی۔ دفتر کے کاروبار سے فرصت ہوتی تو تصنیف بھی کیا کرتا۔ کتاب الافصاح عن شرح معانی الصلح نو جلد کی کتاب ہے جس میں صحیحین کی متفقہ احادیث کی شرح لکھی ہے۔ کتاب مقصد جسکی شرح ابن خشاب نے چار جلدیں لکھی ہے۔ کتاب العبادات فقہ حنبلیہ پر ایک رسالہ علم الخطیر پر ایک رسالہ مقصور و محدود پر لکھا۔ نیز ابن سبیت کی کتاب الملنق کو مختصر کیا۔

ایک دفعہ اس وزیر کے پاس کسی نے بلور کی دوات جو مرجان سے مرقع تھی تحفہ بھیجی چیز
شراء بھی حاضر تھی۔ ابن ہبیرہ نے کہا کہ کچھ اسپر لکھو۔ ایک شاعر نے جو نابینا بھی تھا۔ یہ قطعہ
پڑھا

أَلَيْسَ لِدَاوُدَ الْحَدِيدَ كَرَامَةً يُقَدِّدُهُ فِي السُّرِّ كَيْفَ يَرِيدُ
وَلَا لَكَ الْبَلُورُ وَرُوحِي حَيَاةً وَمُعْطَفَةٌ صَعْبُ الْمَرَامِ شَدِيدُ

یعنی حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ اور تمہارے ہاتھ میں بلور جو پتھر ہے نرم ہو گیا
ہے پتھر کا نرم کرنا مشکل امر تھا۔

جیسا بیس مشہور شاعر بھی موجود تھا۔ وہ بولا کہ دوات کے کارپنگر کی تعریف تو اس قطعہ
سے ضرور نکلتی ہے۔ مگر دوات کی تعریف کچھ نہیں۔ وزیر نے کہا۔ اچھا تم کہو۔ وہ بولا۔

صُنِعَتْ مِنْ يَوْمِيكَ فَاشْتَبَهَا عَلَى الْأَنَامِ بِتُورٍ وَمَرْجَانِ
يَوْمٌ سَلِمَ مِيقُضُ يَفِيضُ لَدَى وَيَوْمٌ حَرَّيْكَ قَانَ بِالْدَمِ الْقَلْبِي

یہ دوات تیرے دو دنوں کے مجموعہ سے بنائی گئی ہے اس لئے سب کو بلور اور مرجان کے
مشابہ نظر آتی ہے۔ تیری صلح کا دن تو ریم پاشی کی وجہ سے سفید ہے اور یوم جنگ خوزیری
کی وجہ سے سرخ۔

اس نیک فاضل وزیر کا انتقال ماہ ربیع الثانی ۵۵۵ھ ہجری کو ہوا۔ اور بغداد کے مقبرہ جامع
میں دفن کیا گیا۔

شیخ ابو الفرج اپنی تاریخ منظم میں لکھتا ہے کہ ابن ہبیرہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے شہادت کا
سوال کیا کرتا تھا۔ مرنے سے ایک شب پہلے تک بالکل صحیح سالم تھا۔ رات کو آرام سے
سویا۔ صبح کی وقت ایک تے آئی۔ اپنے مشیر طبری کو بلایا۔ اُس نے دوا میں زہر ملا کر پلا دی جس کے
اثر سے مرحوم مر گیا۔

یہی مؤرخ لکھتا ہے کہ جس رات کی صبح کو مرحوم مرا ہے۔ یقیناً خواب میں دیکھا کہ میں مرحوم کے
گھر میں اُس کے سامنے موجود ہوں۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اور اُس نے چھوٹے سے حربہ سے
وزیر کو زخمی کیا۔ زخم بہہ فوارہ کی طرح خون نکلا اور دیوار پر جا کر گرا۔ میں نے چاہا کہ وزیر کو سینہ مالوں
کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قیمتی انگشتری گری پڑی ہے۔ یقیناً اٹھالی اور انتظار میں رہا
کہ کسی کو دول۔ ایک خادم آگیا۔ اُس کے حوالہ کر دی صبح اٹھ کر میں یہ خواب ایک دوست

کے سامنے بیان کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی نے آکر اطلاع دی کہ وزیر مر گیا۔ میں
مرحوم کے مکان پر گیا۔ اُن کے فرزند نے مجھے غسل دینے کو کہا۔ جب میں نے بغل تک پانی
پہنچانے کیلئے ہاتھ اٹھایا۔ تو مرحوم کے ہاتھ سے انگشتری گر گئی۔ مجھے اپنے خواب اور
واقع کی اشد مطابقت سے ہنارت حیرت ہوئی۔

یہی مؤرخ لکھتا ہے کہ مرحوم کے ماتم میں تمام بازار بند ہو گئے۔ تھے اور خلیفہ سے لیکر
ہر اونے شخص کو اس صالح مرد کے انتقال کا افسوس تھا۔

ناظرین اس وزیر کے حالات سے مختصر طور پر دیانت و امانت کا قیمتی سبق حاصل کریں
اور زبانِ انبیاء و انبیاء نگاری کو عزت و توقیر حاصل کریں۔ کجا تجرب نسخہ تھنور فرادیں۔ رویائے
صداقہ کا فطرت انسانی کے بہت سے مخفی رازوں میں سے ایک راز ہونا بھی اس سیرت
سے واضح ہوتا ہے۔

معن بن زید شیبانی

حاتم طائی کے بعد یہ دوسرا شخص ہے۔ جو عرب بلکہ اسلام میں جو دو کرم پھیلنے ضرب المثل ہوا
اس کو حاتم کے ساتھ نہ صرف سخاوت میں ہی تشبیہ ہے۔ بلکہ شجاعت و مردانگی۔ طاقت و
فرزانگی۔ فصاحت و بلاغت اور شاعری میں بھی۔ لیکن حاتم کی طرح ان جملہ اوصاف کمال پر
سخاوت ہی غالب رہی اور اسی کے ساتھ زیادہ تر اس کو شہرت ہوئی۔

معن جو اپنے قبیلہ کا سردار بھی تھا۔ شروع شروع میں زید بن عمر فرزاری امیر عراقین کا
مصاحب تھا۔ منصور عباسی کی نبرد آزمانی میں معن نے زید کا پورا پورا ساتھ دیا لیکن جب
زید کو فریب آمیز صلح کے بعد قتل کر دیا گیا۔ تو معن خود فرزدہ ہو کر مخفی ہو گیا۔ منصور نے اسکی
گرفتاری کے اشتہار جاری کر دیئے۔ اور العام بھی مقرر کیا۔ معن کا بیان ہے کہ میں اپنی
جان کے خوف سے اوہرا اوہرا پھرتا تھا۔ دھوپ میں چلنے سے رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔
اور بدن روزانہ لکاپوس سے سوکھ گیا۔ ایک روز میں بغداد میں ہر رات کو نکلا۔ دروازہ شہر سے
نکلنے ہی مینے دیکھا کہ ایک سپاہی بھی آتا ہے جب ہم شہر سے کچھ فاصلہ پہنچے تو اس وحشی

مسلح سپاہی نے میرے اونٹ کی مہار آپکری۔ اونٹ کو بٹھلا کر مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ میں نے
 پوچھا تو کون ہے اور مجھے کیوں پکڑتا ہے۔ کہا تو اشتہاری ہے۔ اور امیر المؤمنین تیری
 تلاش میں ہیں میں نے کہا تو یہ کرو۔ مجھے امیر المؤمنین کی کیا غرض ہو سکتی ہے۔ اُس نے کہا
 تو حسن بن زاہد ہے۔ میں نے کہا کجا معنی اور کجا میں بیچارہ غریب۔ سپاہی بولا خیر کجی کچھ
 ضرورت نہیں میں آپکو آپ سے بھی بڑھ کر جانتا ہوں۔ جب میں نے دیکھا کہ اب رانی
 محال ہے۔ تو میں نے کہا مجھے گرفتار کر لینے سے تمہیں انعام شتہرو کی توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن
 میں تم کو ایسی چیز دے سکتا ہوں۔ جو زر انعام سے کئی چند زیادہ قیمتی ہو۔ اس صورت میں
 مجھے گرفتار کرنے پر ہی اصرار کرنا۔ اور بلا وجہ میرے خون کا دشمن بننا کیا فائدہ۔ وہ بولا بہتر
 میں نے جیب سے جو اہرات کا کٹھنہ نکالا۔ اور اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ سپاہی نے دیکھ کر کہا
 کہ واقعی یہ بہت قیمتی اور عمدہ ہے۔ مگر میں اسے تب لے سکتا ہوں۔ جب میری ایک بات کا
 صحیح صحیح جواب تم دو گے۔ میں نے کہا پوچھو۔ کہا تمہارے جو دو کرم کی دنیا بھر میں بہت بڑی
 شہرت ہو رہی ہے۔ سچ بتانا کہ کبھی تم نے اپنا تمام سرمایہ بھی سائلین کو دیا ہے۔ میں نے کہا
 نہیں۔ کہا نصف۔ تہائی۔ چوتھائی۔ پانچواں چھٹا حصہ میں ہر دفعہ نہیں کہتا رہا۔ سپاہی
 دسویں حصہ تک پہنچا۔ اُس وقت مجھے نہیں کہتے شرم آئی۔ میں نے کہا ان دیا ہے۔ سپاہی
 نے کہا سوال حصہ دیدینا کچھ چیز نہیں۔ اور نہ چنداں قابل تعریف۔ کہ اُسکی سخاوت کی دوام
 پڑ جائے۔ دیکھو میں ایک پیدل سپاہی ہوں۔ اور میں دس ماہوار سے میری آمدنی زیادہ نہیں۔
 مگر میں اس قیمتی گلوبند کو واپس کرتا اور تمہیں چھوڑتا ہوں۔ تم کو تمہاری سخاوت کی وجہ سے
 چھوڑتا ہوں۔ اور اس گلوبند کو اپنی عالی ظرفی سے واپس کرتا ہوں۔ تاکہ تم یاد رکھو کہ دنیا میں
 تم سے بڑھ کر سخی موجود ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ تم اپنی سخاوتوں پر مغرور نہ رہو گے اور بڑی بڑی
 دولتوں کا دینا تم کو ناگوار نہ ہو کر لگا۔ یہ کہہ کر گلہ بنا پھینک دیا۔ اور مجھے چھوڑ کر واپس چل دیا۔
 میں نے کہا سپاہی تم نے تو مجھے خوب ہی ذلیل کیا۔ اس سے تو مر جانا زیادہ آسان تھا۔ اب
 آپ مہربانی کر کے یہ گلوبند جی جیب کچھ بھی ضرورت نہیں ضرور لیتے جائیں۔ یہ سب کچھ
 سپاہی ہنس پڑا۔ کہا خوب اب آپ چاہتے ہیں کہ مجھے بھوٹا بھی بنا لیں۔ بخدا میں اسے نہ اونٹ
 اور اپنے احسان کو قیمت پر فروخت نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر چلا گیا۔ حسن کہتا ہے کہ میں اس کے بعد اسکی
 بہت ہی تلاش کرانی مگر کچھ بھی نہ نکلا۔

معن کچھ عرصہ تک پوشیدہ کر دن کاٹتا رہا۔ ہاشمیہ کی لڑائی میں منصور کا لشکر اہل خراسان کے سامنے سے بھاگ رہا تھا۔ اور شکست فاش کی منحوس صورت منصور کو نظر آ رہی تھی۔

کہ میدان میں یکایک معن پہنچ گیا۔ اور اس نے اپنے گروہ کو لیکر اس جوالمزدی اور بہادری کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور منصور درحقیقت منصور ہو گیا۔ فتح

کے بعد منصور نے دریافت کیا کہ ہماری بروقت پہنچ جانے والا یہ کون شخص ہے معن نے اپنی وضع بدل رکھی تھی۔ جب خود منصور نے اس سے سوال کیا۔ تو چہرہ کھول دیا۔ اور کہا کہ

میں منصور کا حیرم معن بن زاہد ہوں۔ منصور نہایت خوش ہوا۔ اور اسے اپنا مصاحب بنا لیا۔ معن کی سخاوت کی داستانیں عجیب و غریب ہیں

کہتے ہیں کہ ایک دن اس نے تین لاکھ روپیہ تقسیم کئے تھے۔ سخن پروری و عیال نوازی میں ممتاز تھا۔ اور ہزاروں سے کم صلہ نہ دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی اعرابی نے آکر دو شعر اس

مضمون کے پڑھے کہ کئی زیادہ ہے اور آمدنی کم۔ گھر والوں نے مجھے مہاکے پاس بھیجا ہے

انکی آنکھیں میری واپسی پر لگی ہوئی ہونگی۔ معن نے اپنی سواری خاصہ کی ناقہ اور ہزار دینار عطا کر دیئے۔ آخر عمر میں گورنر سجستان ہو گیا تھا۔ وہاں اپنے لئے محل تعمیر کر رہا تھا کہ مزدور

میں سے ایک مزدور نے اسے قتل کر دیا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ وہ خوارج میں سے ہے اور چونکہ معن نے خوارج کو شکست دیکر قاتل کے اقارب کو بھی قتل کیا تھا۔ اس لئے قاتل نے اپنا بدلہ لے لیا۔

اسکی وفات پر شاعرین نے بیشمار قصیدے لکھے۔ سب سے زیادہ مشہور مروان حنفہ کا جو اس کے دربار کا خاص شاعر تھا مرثیہ ہے۔ یہ مرثیہ نہایت عجیب ہے۔ جسے جتہ شعر ذیل میں درج کرتا ہوں۔ اشعار کے درج کرنے سے میرا مطلب اس زمانہ کی شاعری کا دکھلانا

ہے۔ جس سے ناظرین یہ اندازہ کر سکیں گے۔ کہ عرب شاعر اگر مبالغہ بھی کرتے تھے تو کس خوبصورتی کے ساتھ۔ نیز وہ قابل مدح اوصاف کو سمجھتے تھے نہ خیالات کو۔

مضی لسبیلہ معن و ابقی

مکارم لرتبید و لن تبالا

اصحاب الموت یوم اصابنا

من الاجیاد اکرمہم و الا

معن مر گیا۔ اور اس کے ایسے مکارم باقی ہیں جو نہ فنا

ہونگے اور نہ دوسرے کو حاصل کر سکیں گے۔

جس دن معن مرا۔ اس دن موت نے تمام زندہ شخصوں

سے سب سے بہتر میں کو لے لیا تھا۔

وكان الناس كلهم لمعن
الى ان نامر حضرت عياض
واعمد الوفود لمثل معن
ولاحظوا بسا حته الرجال
ولم يك اكثره ذهباً ولكن
سيوف الهند والحلق الذكالا

قبر میں جلنے تک معن سب کی پرورش یوں کرتا رہا گویا
تمام خلقت اسی کا کنبہ ہے۔
معن کے برابر کسی کے پاس ڈیپوٹیشن نہیں آئے اور نہ کسی کے
پاس دور دراز ممالک سے اتنے طالب وسائل پہنچے
اُس کے خزانہ میں زر و سیم جمع نہ تھا۔ صرف
تلواریں اور حلقے۔

وقلنا اين رحل بعد معن
وقد ذهب النوال فلانوا

ہم نے سمجھ لیا کہ معن کے بعد اب کہاں جائیں گے۔ کیونکہ
وہ سہرا پا جو جاتا رہا۔ تو جو کہاں رہا۔

اس آخری شعر کی بدولت شاعر کو اکثر درباروں کی ذلت و ناکامیابی بھی دیکھنی پڑی
جس کی مدح کا قصیدہ لکھ کر لیجاتا۔ تو وہ کہہ دیتا کہ جب معن کے بعد دنیا میں جو رہی نہیں
رہا تو اب تو ہم سے کیا لینے آیا ہے۔ لیکن چونکہ مروان زبردست شاعر تھا اور محسن کی شکر
گذاری نے اُس کو کھل دینا تھا۔ آخر میں لوگ اُس پر مہربان ہو گئے۔ چنانچہ خلیفہ مہدی
نے بھی جو ایک بار سے زیادہ اسی شعر بلا لیا کیوجہ سے مروان کو دربار سے نکلوا چکا تھا۔ اس کو
ایک لاکھ درہم عنایت کئے تھے۔

مروان کہتا ہے کہ ایک دفعہ جعفر برکی نے مجھ سے مرثیہ معن پڑھوا کر سنا۔ میں پڑھتا جاتا تھا
اور جعفر رو رہا تھا۔ جب مرثیہ ختم ہوا تو جعفر نے پوچھا کہ فرزند ان معن میں سے کسی نے اس
مرثیہ پر تجھے کچھ دیا بھی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ کہا اگر معن خود ان اشعار کو سن لیتا تو تمہارا کیا
خیال ہے کہ وہ کس قدر انعام دیتا۔ میں نے کہا چار سو دینار۔ جعفر نے کہا شاید معن اس رقم کو
دے کر خوش نہ ہوتا۔ اس لئے میں تیرے اندازہ سے دو چنڈ رقم تو معن کی طرف سے اور
اسی کے برابر اپنی طرف سے (۱۶ سو) دینار دیتا ہوں۔ مروان نے اسی بحر و قافیہ میں فی
البدیہ اشعار کہہ کر جعفر کا شکریہ ادا کیا۔ اور چل دیا۔

ایک اور شاعر نے بھی اس کا مرثیہ لکھا جو نہایت مقبول ہوا۔ اُس کے مفسرین یہ ہیں
کہ معن کی قبر پر جا کر کہہ دو کہ باران رحمت سے تو ہمیشہ بہا رہی ہے پھر اس قبر سے یہ بھی
پوچھنا کہ جس سخاوت نے بڑو بڑو سیراب کر رکھا تھا۔ تو نے اُسے کیونکر اپنے اندر چھپا لیا۔
ہاں اے قبر معن سب سے پہلا گڑھا جس میں مکارم نے آکر خواب کیا ہے وہ تو ہی ہے۔ معن کے

بعد بھی اُسکی سخاوتوں کی طفیل لوگ اس طرح پر خوش گزران رہیں گے جسے روکے پھر جانے کے بعد بہت دیر تک میں تر رہتی ہے۔

وزیر ابن عبّاد کے حال میں ہے کہ ایک شاعر نے اُسکی طرح میں قصیدہ لکھا۔ اور اس میں یہ مضمون تھا کہ شہر کے باشندوں اور مسافروں کو ایسے ایسے خلعت ملے ہیں جو اور جگہ دیکھے بھی نہیں گئے حضور کے عمام بھی ریشمی لباس سے ملبس ہیں۔ مگر ان سب میں ایک کین مستثنیٰ ہوں۔

ابن عبّاد نے کہا کہ حسن بن زیادہ سے کسی نے کہا تھا کہ مجھے سواری چاہیے تو اس نے سائل کو ایک ناقہ ایک گھوڑا ایک نچر ایک گدھا ایک لونڈی و لادوی تھمی۔ میں بھی اُسکی نظیوہ حکم دیتا ہوں کہ جراب اور آزار بند سے لیکر تمام اقسام کے پوشیدنی کپڑے تمکو دینے جائیں۔

غرض حسن وہ شخص تھا جسکی سخاوت سے عجاوہ واسطہ اور جسکے قصہ ہائے جود و سخا سے بالواسطہ ہزاروں اشخاص نے لاکھوں روپیہ حاصل کئے۔ لیکن کب اور کس زمانہ میں؟ جب قوم کا ستارہ عروج پر تھا جب اُنکے نصیب جاگتے تھے۔ جب امر میں فضائل و مکارم پائے جاتے تھے۔ جو دولت خداداد کو صرف اپنی تن پروری و ترستی کیلئے نہ سمجھتے تھے۔ جو بخل زر و سیم سے قوم میں قابل و لائق اشخاص کا موجود رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ جو گور نراؤ بادشاہ ہو کر بھی مساوات کے اس سبق کو جو پیاری شریعت نے سکھایا تھا۔ فراموش نہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یہ سب باتیں فراموش ہو گئی ہیں۔ اور سردارانِ قوم نے اپنے افراد کو بھلا دیا ہے اور اپنے آپ کو ایک علیحدہ قوم تصور کر لیا ہے۔ لہذا حال اُسی کے ہے نتیجہ ادا نے واسطے پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔ اور نکتہ و ادب چاروں طرف سے محاصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی شاندار ترقیات کے دائرہ کو تنگ کرتے جاتے ہیں۔

جود و کرم کے معنی تو خیر و سبب ہیں سب سے پہلے انسان کو اپنی ذات سے اہم بخل دور کر دینا چاہیے۔ بخل وہی نہیں ہے جو ہر چیز کو بخل سے خود کھائے نہ اوروں کو کھائے نہ۔ بلکہ وہ شخص بھی بخل کہا جاسکتا ہے جو سینکڑوں روپیہ ایک ایک دن میں اڑا دیتا ہو۔ کیونکہ بخل بخل ہے اس شخص کو بخل کہا ہے جو حقوق و واجب کو ادا نہ کرتا ہو۔ پس اگر کوئی شخص تمام مال و افتخار سے انحراف و تہذیر سے نمائشی کاموں یا خیراتی افعال میں ہزاروں روپیہ برباد کر دے۔

مگزن و فرزند عیال و اطفال - برادری اور قوم - محلہ - شہر - ملک - لڑھکایا اور پادشاہ کے حقوق واجب
ادانہ کرتا ہے۔ تو وہ بخیر ہے۔ اور بخل کی تمام تر مواعید کا مستوجب ہے۔ خداوند کریم لمانو کو
اس سے بچائے۔

شیخ ابو الفیض فیاضی

شیخ فیضی جو اپنی مختلف لیاقتوں اور انواع و اجناس علوم و فنون کی قابلیتوں کے اعتبار
سے فضلاء مند شعراء ایران اور عرب میں گرامی نامور اور ممتاز ہے۔ شیخ مبارک ناگوری کے
گھر ۵۴ کو پیدا ہوا۔

شیخ مبارک ایک آزاد متوکل فقیر تھا جو کسی امیر کے دروازہ پر کبھی نہیں گیا۔ اپنے
زمانہ میں جامع علوم منقول و معقول اور سرمایہ دار دنیا و عقبی اتنا مانا گیا تھا کہ لوگ اسے "خدو
نشائین" کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

یہ عالم کامل کو گوشہ عزلت میں اگر کوئی دلچسپ مشغلہ دے سکتا ہے تو پڑھنے کی تعلیم
بوتر ہے۔ اپنے اس نونہال علم و فضل کو اس زمانہ کے رسمہ علوم بھی سکھائے اور ساتھیوں کی
تعلیم بھی دی۔ ادب - اخلاق - انشاء طبیعیات و الہیات کو تکمیلی طور پر پڑھایا۔
ملا عبد القادر بدایونی لکھتا ہے کہ فیضی شہر مشہور عرض و قافیہ تاریخ و لغت اور انشاء میں
بے نظیر تھا۔

روفتہ الادب میں ہے کہ فیضی صرف شاعر ہی نہ تھا بلکہ اعلیٰ درجہ کا فلسفی اور منطقی بھی
تھا۔ خود فیضی ایک قطعہ میں لکھتا ہے۔

فیضی ام کردل و قیقہ شناس	نقش سر و عنق شناسختہ ام
آنچہ باید شناسختہ دانہ را	بہ یقین نے جو فلن شناسختہ ام
از آہی بہ عقل دورانہ لیش	ملکسا از امر سن شناسختہ ام
در ریاضی چشم چسب رخ نورد	نظم عقہ پر ن شناسختہ ام
زا نچہ پرسی اگر بگویم راست	سخن است ای بکہ من شناسختہ ام

نثر را موبوش گانتہ ام نظم را فن بہ فن شناختہ ام
اعتدال معانی از من پس کہ مزاج سخن شناختہ ام

دیگن

ایا حریف دین بزم گاہ فیضی را گماں مبر کہ زخیل تہی سبویان است
کشیدہ بادہ تحقیق در حدائق علم ز شاخسار خردوستہ دستہ پویان است
بکوبہ و دشت معانی کہ مرغ پر زند بچا بچی تعقل دوا سپہ پویان است

فقیر کے جھونپڑے میں اگرچہ ذبیحی ذخارف کا نشان نہ ملتا تھا۔ مگر گنجینہ سینہ میں بہت سے خوش آب مکنون تھے۔ مبارک نے ان شاہوار موتیوں سے پیارے بیٹے کے سرگردن کو سجا کر اسے شاہ پسند فرمایا۔

فیضی کی شہرت۔ شیخ کی درس گاہ میں آنے جانے والوں معقدوں مریدوں۔ اور شاگردوں کے ذریعہ سے فیضی کے شجر و علوم نظم و نثر۔ ذہن و عود کا کے اوصاف کی خبریں دربار تک متواتر پہنچتی رہیں۔ اکبر قوت بہت بڑا ہنر شناس و قدر دان تھا۔ اور علم و قلم کو ایک ہاتھ میں اٹھا کر چلا کرتا تھا۔ اس جلسہ جلوس کو جب قلعہ چتوڑ کی تسخیر کو نکلا تو راہ میں اسے فیضی یاد آیا۔ فوراً احضار دربار کا حکم صادر ہوا۔

ابوالفضل لکھتا ہے کہ تعمیل کرنے والوں نے طلب عاطفت کو مطالبت عتاب بنا کر حاکم آگرہ کے نام فرمان لکھ بھیجا۔ چار شنبہ ۲۰ ربیع الاول کی صبح کاذب سے پہلے پہلے ترک سواروں نے آگرہ کے گھر کو گھیر لیا۔ اور سب کو محصور کر دیا۔ بھائی صاحب (فیضی) انکے آئیے پہلے صبح کی ہوا خوری کو چلے گئے تھے۔ ادھر سواروں کو یہ سٹھا پڑھا کر بھیجا گیا تھا کہ بوڑھا (شیخ مبارک) اپنے بیٹے کو چھپالیگا۔ اور تمہارے ساتھ کرنے میں بہت کچھ چیل بہانہ کر لیگا۔ مگر تم ایک نہ سننا۔ اب ادھر تو سوار سختی کر رہے ہیں۔ اور ہمیں جھوٹا بنا ہے ہیں۔ او ادھر گھرالے جیران و پریشان ہیں اتنے میں بھائی صاحب واپس آئیے اور جاہل ترکوں پر ہمارا سچ جلد ہی ظاہر ہو گیا۔

اب ایک وقت اور ہوئی کہ سفر کا سامان گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ مگر والد بزرگوار کے مریدوں اور شاگردوں نے ملکر اس مشکل کو حل کر دیا۔ اور بھائی صاحب طلوع آفتاب سے پہلے پہلے گھروالوں سے جدا ہو کر سواروں کے ساتھ ہوئے۔ ہم سب گرداب غم میں ڈوبے جاتے

تھے۔ مگر ایک والد بزرگوار جنہوں نے ہماری تسلی کی اور اطمینان دلایا کہ انجام بخیر ہے۔
 جب فیضی ان سواروں کی مراد میں ایوان اکبری میں داخل ہوا۔ تو اسکو انتظار حکم میں
 چاندی کے کھڑے سے باہر جسکو تقریاً پنجرہ بھی کہا کرتے تھے۔ کھڑا کر دیا گیا۔ فیضی نے
 اسی وقت یہ قطعہ پڑھا۔

بادشاہ درون پنجرہ ام از سر لطف خود مرا جاوہ
 زانکہ من طوطی شکر خواہم جاٹے طوطی درون پنجرہ -

اس قطعہ کو بادشاہ نے بہت پسند کیا اور اسی روز سے فیضی کو تقرب حاصل ہو گیا
 اس وقت فیضی کی عمر اکیس سال کی تھی۔ دربار میں اسکے علم و فضل کے لحاظ سے جو کچھ عزت
 ہوئی اور اسکی فضیلت نے اہل دربار اور خود بادشاہ پر جو کچھ اثر کیا ان سب کا نشان فیضی
 کے اس قصیدہ سے ملتا ہے جو اس نے نثر من حضوری سے تھوڑے دن بعد لکھا تھا۔
 یہ قصیدہ دو سو پچاس شعر کا ہے مگر میں اسکی تکمیل اس شعر میں اس طرح پر کرتا ہوں کہ کوئی
 مطلب نہ بچائے۔

سحر نوید رسال قاصد سلیمانی	رسید بچو سعادت کشادہ پیشانی
بذوق من طلب ناگہاں او بنمود	چو پیر سالک تو فنیق جذب رحمانی
شدم سوار سبک گام تو سن چالاک	کہ کرے از سر دانش سپہر جولانی
نخیر بارگہ شہر بار شد اینک	رسید بر در فردوس مرغ بستانی
اشارہ رفت کہ در پیشگاہ مجلس انس	شکستہ دل بنشین و شوق بنشانی
ہر گونہ گونہ تفقد شہنشاہ بنواخت	کہ پایہ پایہ فرود آمدم نہ حیرانی
چہ زبان سپر شش من رکش و کالے طوطی	ریاض لظن ترا از کہ بود رفتوانی
پس از اولستے زمین بسین کی گفتیم	کہ اے سپہر مطیحت با مراد غانی
امان عہد تو استاد مہربان من است	کہ لوح ایجاد آداب دست طولانی
وگر سبب طلبی استاد من بد است	چہ حق کہ نیست بسین تراں بزرگ صفائی
وگر بگفت کرین ناظمان معنی سنج	بہ پایہ کہ نہاوند جنس رجحانی
لبز من شاہ رسا ندم کہ اے پناہ سخن	حدیث طائفہ شہر نیست پایانی
سخن وراں کہ ازین پیشتر سخن کردند	کہ سر تو از لب شان نکتہ ہائے معانی

ہمہ حکیم مزاجان و پاک دن بودند
 کشیدہ نقش حقائق بہ دور اندیشی
 یکاں یکاں ہمہ بر بستر فنہ نختند
 کنوں ہم از شعراء بیشمار اندولے
 چوکس نمائند بعالم من آنکس امروز
 کنون کلید سخن آسمان سپر دامن
 حدیث من شہنشاہ بندہ پرور بود
 بگفت خیر و قلم از علم بخش کامروز
 رسید حکم کہ از نکتہ سنجی شمع
 زبانویے کہ دگر با تو در سخن بچید
 چو گویم آنکہ ز لطفش چہ طرف برستم
 دو دولت از در اقبال تا بن رو کرد
 یکے معلی شاہزاد ہائے عظام
 نخت حضرت سلطان سلیم دریال
 دگر طراز پرند امید شاہ مراد
 دگر جہان ادب دانیاں کہ شفقت
 دوم سجود ارادت کہ از میا من آل
 بن رسید فیض نوال حضرت شاہ

وجود دادہ طہارت ز لوث عصیانی
 نمودہ درک وقائق بہ تیز ادبانی
 کشیدہ بر سر خود طیلساں کتمانی
 بجا کہ ریختہ صد آبروز بے نانی
 کہ تازہ کرد سخن را بہ تازہ دیوانی
 زد دل کشائیش وار من کلید جنبانی
 چو با خدائے کلام کلیم عمرانی
 مسلم است ترا کشور سخن رانی
 بعرض بارساں آنقدر کہ میدانی
 سر و بدست ادب گردش بہ بیجانی
 زہرچہ لازمہ خانی است و تر خسانی
 کشید طالع انکیم بہ بحیانی
 کہ بر نہال ادب میکند غصانی
 کہ جلوہ خروش موجدہ الیت عمانی
 کہ در من فلکش مے کند گریبانی
 کو اکب شرفش میکند خوانی
 با نخطاط کفیدم قولے حیوانی
 بروح آنچه رسد از شراب ریحانی

ابوالفضل لکھنوی کہ فیضی سحر خیز و مسلح کل تھا۔ ہمت بلند کو کتب عالیہ و مسائل حکیمہ کے مطالع
 پر مبذول رکھتا۔ اور شعر و شاعری کو ہمیشہ نظر حقارت سے دیکھا کرتا۔ جب اس زمین میں اسے
 کچھ لکھنا پڑتا تو مضامین عالیہ کو چھوڑ کر ابنائے جنس کے درخور فہم بہ تکلف اسے کچھ لکھنا پڑتا
 جب فیضی دربار میں داخل ہوا ہے اس وقت مشہد غزالی لقب ملک الشعراء سے مفتخر و ممتاز
 تھا وہ مر گیا تو ۳۹ء میں فیضی کو ملک الشعراء بنایا گیا۔ دولت مغلیہ میں یہ دوسرا ملک الشعراء تھا۔
 صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ شاہان مغلیہ کے دربار میں عہد اکبری میں مشہد غزالی
 اور شیخ فیضی عہد جہانگیری میں طالب علی۔ عہد شاہ جہان میں ابوطالب کلیم بہدانی ملک الشعراء

تھے۔ روضۃ الادباء میں ہے کہ جس وقت فیضی نے مہا بھارت کا منظوم ترجمہ ختم کیا اس وقت اکبر نے ملک الشعراء کا خطاب اسے مرحمت فرمایا۔

مہا بھارت کا نثر فارسی ترجمہ فیضی تو نو لکھنؤ ۱۹۰۰ء میں چھپا مگر منظوم ترجمہ جس حوالہ روضۃ الادباء میں ہے دیکھا نہیں گیا۔ قیسی کچھ اس لئے مشہور نہ تھا کہ وہ ملک الشعراء دربار تھا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ ادیب لبیب تھا۔ فاضل اجل تھا۔ فنون علوم کے علماء اسکے دسترخوان پر بیٹھے اور غزلتے روحانی و جسمانی سے پرورش پاتے تھے۔ عرفی تشریحی اور عبد القادر بدایونی اسی کے دست پروردہ تھے جو بعد میں احسان فراموش نکلے۔

فیضی جیسا کہ ادب عربیہ میں بدعنوانی رکھتا تھا۔ ایسا ہی یونانی مسائل میں فیلسوف کامل تھا۔ سنسکرت نے اپنا پرانا دھیند اسے سپرد کر دیا تھا۔ اور اس زبان کے جو دقائق کہ وہ جانتا تھا۔ کوئی پنڈت بھی مشکل سے ان معلومات کی برابری کر سکتا تھا۔ ان سب کے علاوہ بادشاہ کا ایسا مقرب خاص اور شیر باختصاص تھا۔ کہ بادشاہ کو دم بھر کی جدائی اُسکی شاق و ناگوار تھی۔ بادشاہ کو اُسکی ذات پر اعتبار اور اُسکی لیاقت پر کامل بھروسہ تھا۔ اور پرائیویٹ سکریٹری کے طور پر جملہ خدمات ملکی و مالی میں اُسکا دخل تھا۔ دکن کی نازک سفارت پر نائب السلطنت کے طور پر اُسکو بھیجا گیا اور اُس نے ہنارت خوبصورتی کیساتھ معاملہ کو طے کیا۔

تصنیفات فیضی۔ نظم میں ایک ناممکتل مجنونہ ملتا ہے جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیضی کا ارادہ خمسہ نظامی کا جواب لکھنے کا تھا خود اُسکے شعر ہیں۔

برستہ پائے مرغِ خسامہ دارم بخیال پنج نامہ

زینِ ہفت رباط و چار منزل بندم بہ جوازہ پنج محل

اس خمیس میں سے ندمن زیادہ مشہور ہے۔ نیز درس میں داخل۔ اس کتاب کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ لکھی گئی تو اس پر اساتذہ و شعرائے ہند و ایران کی اتنی مہر میں ثبت کی گئی تھیں کہ تمام کتاب میں سے ایک شعر بھی نہ پڑھا جاتا تھا۔

مرکز ادوار یہ کتاب مکیاب ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے ۱۹۶۳ء کی لکھی ہوئی مل گئی ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ اُسکے نام سے ظاہر ہے۔ مخزن الاسرار نظامی کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
گنج ازل راست طلسم قدیم
گنج ازل چہیت۔ کلام خدا
مہر ابد کرد بت نام خدا۔

نقد و کون است پس پایہ درج چار کتاب است پس آری مزج
حرف بسم اللہ کے معانی بیان کرتے ہوئے الرحمن کے الف لام کی نسبت کہتا ہے
در نگری وحدت کثرت یکیت امام و الف در خطا وحدت یکیت
لام بدل کردہ الف را مقفام کردہ الف نیز بدل جائے لام
چند ہر حرف شوی مختلف یک ولی آموز ز لام و الف

حمد میں کہتا ہے

تخفہ ہستی کہ مشبک نکاشت نقش بدائع عمدہ یک یک نکاشت
روز برافروخت بہ اقبال صبح پائے شب است بخلائال صبح
در رہ دل مشعل توفیق سوخت خانہ تقلید ز تحقیق سوخت
صوفی صفائی مستر خم از و قول حکیم و مشکلم از و
نامینہ از ابر عطایش عجم عاقلہ از لطفہ و رکش عظیم
عقل مقدس بر پیش پایہ گل فکر از دست تحیر بدل
عقل کجا فکرت یزدان کجا پرورد واجب راہ امکان کجا
دانش با چہیت بہ علم علیم فکرہ محبت شہر رسد در قدیم
ملائکہ را حوصلہ بر طاق ماند ناطقہ را سلسلہ بر شاق ماند

توحید میں کہتا ہے

ایں ہمہ در پردہ نہاں را از تو بخیر انجام ز آغاز تو
قدس تو آنجا کہ زندگام را راہ نہ آغاز نہ انجام را
در تو ہم آغاز و انجام ہم ہم ہر دو بشہر قدمت نام ہم
مناجات میں کہتا ہے

خاک عدم با تو خرد سی نقاب آب قدم بے تو چو نقش بر آب
در جسد خاک تہی روح پاک طبلہ عطار کنی جیب خاک
در سرنج از تو نوائے صبوح در تن خاک از تو دوائے آب روح
جویش زگر بخش بہ صہبائے من شود دگر دیز بسودائے من
خون مرا رونق گلزار وہ خاک مرا چشمہ انوار وہ

تقدیر گری، بازار بخشش
بجنس مرا چشم خریدار بخشش

چشمہ دل کو جس گناہ عبور
بوکہ دید ساقی نور شید نور

ایضاً مناجات میں کہتا ہے

کون و مکان پر تو ذات تو اند
ویدہ و دل نحو صفات تو اند

آمدگی سو نہ آوردگی
ذات تو ہم پر دہ و ہم پردگی

ترتیب کتاب میں تمہیداً کچھ شعر لکھ کر گریز مہجہ شاہ کرتا ہے۔ بادشاہ کی تعریف بادشاہ

بنا کر ہی نہیں کرتا بلکہ اپنے دل میں خدا جانتے کیا سمجھا۔ اور کیا کچھ کہا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ شاعرانہ حیثیت سے اپنے لئے لقب سلاجی پسند نہیں کرتا۔ بلکہ جو کچھ مہجہ شاہ میں کہتا ہے

اس کا نام جو ش ارادت رکھنا چاہتا ہے۔ اس خیال کی بنیاد متبوع خیالات اور ایجاد پسند

طبیعت پر ہی نہیں۔ بلکہ اس میں الہکاری کے بہت سے اسرار مخفی ہیں۔

مہجہ میں کہتا ہے۔

سایہ صفت ہر کہ نہ حق جداست
سایہ نہ گویم کہ لور خداست

نام کہ مانند شہان بر سرش
آمدہ طغرائے ہوالا کبرش

از ورق غیب سبق یافتہ
رتبہ ہمنامی حق یافتہ

اسم گوین مسیحا است این
افشا کبر چہ محاسن است این

صورت معنی زہم انگنختہ
کثرت و وحدت ہم آمیختہ

قوت کونین بیازوے او
گنج دو عالم بہ تر ازوے او

بحر ازل را گہرش تر جمہال
علم ابد را شگفتش تو امان

سر جو بیالین موس کم نہاد
یہ سر خود بار دو عالم نہاد

جلوہ دستے و فریدون درد
خبر غمہ جامی و فراطون درد

جن الفاظ پر خط ڈالے گئے ہیں ان پر نظر فرمائیے۔ خطیاتی بادشاہ میں کہتا ہے۔

اے دو جہان عقل مسلم ترا
دور شہنشاہی عالم ترا

ہست و منشور جہاں بانیت
چول سر نینج و خط پیشانیت

درازل از مہجہ تو بستند طرف
دہ قلم و نور ورق و ہفت حرف

مہجہ تو بر فرق ازل خواندہ اند
تخت تو بردوش ابد ماندہ اند

برص کونین و لیسر آندی دیر بیان دیر کہ دیر آمدی

اس کتاب میں یہ بیان ہیں (۱) خلوت در انجمن (۲) ستائش نفس (۳) ستائش سخن
(۴) نیرنگی نامہ (۵) چہرہ کشائی قلم (۶) بہار آفرینش (۷) صفت پر تو دل (۸) فروغ خرد (۹)
صنعت علم (۱۰) گوہ حسن (۱۱) ثنائے نظر (۱۲) جوش عشق (۱۳) نشاط بیداری (۱۴) طلوع صبح
(۱۵) کوس سفر (۱۶) خزان فنا (۱۷) ترانہ واپسین

خواجہ نظامی اور ملا جامی کی طرح ہر ایک بیان کیساتھ حکایت نہیں لکھی۔ صرف تین جگہ
حکایات لکھی ہیں جنکو نمائش کر کے لکھتا ہے۔ پہلی کتاب جو اس طرز میں لکھی گئی یعنی جو واقعات
صحیحہ یا مضامین نفیسہ پر مشتمل اور ان تمام عیوب سے پاک ہو جو عموماً مشرقی لٹریچر میں پائے
جاتے ہیں۔ وہ خاقانی کی تحفۃ العراقرین ہے۔ خواجہ نظامی کی ایجاد پسند طبیعت نے اس طرز
میں تھوڑا سا تغیر دیکر ایک جدت پیدا کی۔ اور مخزن اسرار لکھی۔ یہ طرز ایسی مقبول ہوئی کہ
بڑے بڑے مشہور شعراء نے اسی زمین میں طبع آزمائیاں کیں۔ طبیعت کے جوہر دکھائے۔ امیر
خسرو کی مطلع الانوار ملا جامی کی تحفۃ الاحرار تو داخل درس ہی ہیں۔ عربی شیرازی کی تمام مجمع الافکار
اور زلالی کے کچھ متفرق اشعار بھی متداول ہیں۔

قیضی نے اس کتاب میں شاعرانہ زور دکھانے کے علاوہ یہ بھی مد نظر رکھا ہے کہ کلام محققانہ ہو
اور اس سے شاعر کی وسعت معلومات بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہو۔ تعجب یہ ہے کہ مرکز ادوار
میں نعت رسول کا ایک شعر بھی نہیں یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ شیخ کے ساتھ مخزن الاسرار
مطلع الانوار۔ تحفۃ الاحرار لکھی ہوئی ہوں۔ جن میں متعدد نعتیں ہیں شیخ ان کتابوں کا جواب
لکھنا چاہے اور مسلمان کہلائے۔ تفسیر قرآن لکھے اور بایں ہمہ نعت رسول پاک کا ایک شعر بھی نہ ہو۔
حالانکہ نلدن میں جس بلاغت کیساتھ نعت لکھی ہے۔ اور جا بجا معجزوں کا ذکر کر کے خشک
فلسفیوں کے انکار پر استہزاء کیا ہے۔ وہ ظاہر ہی ہے۔ ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اپنی
تاریخ میں اس کتاب پر کچھ اعتراض نہیں کیا۔ ملا جو اپنی تاریخ کے صفحہ کو قیضی کے کفر و الحاد کا قتل
بنانا چاہتا تھا۔ کب در گذر کرنے والا تھا۔

میرے نزدیک یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ شہزادہ سلیم جو بعد میں نور الدین جہانگیر کے نام سے
تخت ہندوستان پر جلوہ آراہ ہوا۔ قیضی و ابوالفضل کا پو لٹیکل تعلقات کی وجہ سے سخت
دشمن تھا۔ جب بادشاہ ہوا۔ تو اسے انکی شہرت و لیاقت کی داستانیں ناگوار گذرنے لگیں

جہاں گیر وہی راہ چلا جو طریق اُسکے بعد عالمگیر نے داراشکوہ کے ساتھ اختیار کیا تھا یعنی ابوالنفیس
 و فیضی کے منشیانہ و شاعرانہ خیالات کو میزان فقہ و شرح میں تو لا۔ اور کفر و الحاد کا فتویٰ لگا دیا۔
 میرا خیال ہے کہ نعت کے کل اشعار نکال دیے گئے۔ اور باقی کتاب ثبوت ارتداد کے لئے
 چھوڑ دی گئی۔ میرے سامنے عہد شاہ جہان کی لکھی ہوئی کتاب رکھی ہے۔ اگر عہد اکبر کی طبعاتی
 تو اس خیال کی تحقیق و تردید یا تصدیق بخوبی ہو سکتی۔
 اسی کتاب مرکز ادوار کے بیان علم میں لکھتا ہے۔

خیز کہ نالیم ز مردم دروں	وز بن ہر موٹے بگریم خوں
فرض بود ناکہ برافراستن	ما تم علم و علماء داشتن
حیف کہ گردید بصدگردیو	محکمہ شرع بنی جائے دیو
اے شدہ فرمانہ شرع بنی ۲	غز بدہ مستحقا لبی
نسخہ ابلیس سراپائے تو	دفتر تلبیس فتاوائے تو
بر دل شان ہمت ایماں مند	پر ملک بر سر شیطان مند

ان اشعار سے جس طرح پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فیضی علمائے وقت کی توقیر نہیں کرتا۔ اسی طرح
 یہ بھی نکلتا ہے کہ وہ اسلام کی ایسی حالت پر لہنات متاسف ہے اور اس درد کو اس کا
 دل محسوس کر رہا ہے۔ مولانا حالی نے بھی مثنوی تصدیق انصاف میں لکھا ہے۔

شیخ عیار۔ تو زاہد پُر فن	مولوی عقل کے سائے دشمن
پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست	قوم کے دوست مگر نادان دوست

ایسے اشعار سے یہ نتیجہ نکالنا کہ شاعر علماء کو بوجہ تعلیم علوم دین بڑا سمجھتا ہے محض نادانی
 ہے۔ بلکہ شاعر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ علماء بنے ہوئے ہیں وہ علوم دین سے محض نابلد
 و نا آشنا ہیں۔ اور اسی لئے ضلوا و اَضَلُوا کے مصداق ہوئے ہیں۔ خاتمہ کتاب میں
 کہتا ہے

من کہ چنیں گنج بہاں یافتم	از نظر شاہ جہاں یافتم
شد چو فیض ازل انجام او	مبد و فیاض نہسم نام او
شوق کزین نامہ پروبال داشت	عقل کمال چہل سال داشت
دل ز لکا پوٹے قلم سیر شد	خواتمش زود و لے دیر شد

اس کتاب میں جا بجا اپنا تخلص فیاضی لایا ہے۔ اور کہیں کہیں فیضی مبدع فیاض نہیں اور
 میں بھی اپنے تخلص کی جانب کتابتاً اشارہ کرتا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ فیضی
 کو تخلص کا بدلنا اور فیاضی بننا مبارک نہ ہوا۔ یعنی اس سے تین ماہ کے بعد مر گیا۔ لیکن
 یہ لکھنا اور حقیقت قلم ہے۔ کیونکہ فیضی پچاس برس کی عمر میں فوت ہوا ہے اور مر کر ادوا
 لکھنے کی وقت اس کی عمر ہم سال کی تھی۔ جیسا کہ اس نے خود لکھ دیا ہے۔
 شوق کریں نامہ پر ہمال داشت عقل کراہی جملہ سال داشت
 فیضی سے فیاضی تخلص شیخ نے اسی وقت پسند کیا تھا جب ابوالفضل کو علامی کا لقب
 عطا ہوا تھا فیضی کہتا ہے سے

انوں کہ شدم بعشق مرناض
 مشنوی سلیمان بلقیس۔ یہ مشنوی نظامی کی شیریں خسرو کے جواب میں لکھنی شروع کی تھی۔ میرزا تکمیل
 کو نہ پہنچی۔ مناجات کے چند شعر یہ ہیں سے
 الہی پر وہ تقدیس بکشاد
 دریں بت خانہ ناقوس جویاں
 ہمہ ذرات در تقدیس و تہلیل
 چہ سازم یا بتاں بیوند سازم
 فیاضیم از فیض فیاض
 زبانی وہ مرا قدوس گویاں
 مرالب پر زانوں عزازیل
 پری در شہر دول در بند دام
 مشنوی ہفت پیچہ نظامی کی بہشت بہشت کے جواب میں۔ اس مشنوی کے متعدد اشعار
 اکبر نامہ میں ابوالفضل نے درج کئے ہیں۔ مشنوی آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ فخریہ اشعار
 میں سے ایک شعر یہ ہے سے

آمد اینک ز شبستان غیب
 میکہ در دست و گلستان بحیب
 اکبر نامہ سکندر نامہ کے جواب میں۔ یہ کتاب صرف شروع ہی کی گئی تھی کہ موت نے کتاب اور
 مصنف دونوں کا خاتمہ کر دیا۔

دیوان۔ انواع سخن پر مشتمل ہے۔ مغزلیات۔ قطعات۔ رباعیات۔ افراد۔ مصارع۔ قطعات
 و رباعیات بہت آمد ہیں اور اکثر حالات کا ان سے پتہ لگتا ہے۔ فیضی کی طبیعت میں
 عربیت کا جو زور تھا۔ وہ دیوان میں بھی رنگ دکھلا رہا ہے۔ اکثر جگہ فارسی مضرعوں کو عربی
 امثال سے تفسیم دیکر اپنے کلام کے سلسلہ الذہب کو مرصع بنا دیا ہے سے

حَسَنَتِ بِعُشْقٍ مِّنْ جَمْعٍ كَرِيمٍ كَرِيمٍ
لِّلْبَدْرِ الرَّائِحِ وَوَلَمَّشِكِ انْ لِّفَوْحِ

یعنی میرے عشق اور تیرے حسن کی داستانیں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ بیشک چاند کا کام چمکنا اور مشک کا کام خوشبو پھیلانا ہے۔

آزادہ ام زمانہ وقاصد براہ شوق
تَبْيَانُ لَوْعَتِي لَعْنَتِي عَنِ الشَّرْحِ

خط لکھنے اور قاصد بھیجنے کی ضرورت تب ہوتی ہے جب کسی نامعلوم کی خبر دینی ہو میرے سوز و گداز کا حال خود الم شرح ہے۔

ساقی جاں خیز کہ شد صبح عمید
عرب میں اسلام سے پہلے انگریزوں کی طرح سلام کے الفاظ موقت ہوتے تھے۔ صبح اللہ
رگڑ مارنگ کی جگہ بولا کرتے تھے۔

جان من و سلسلہ زلف تو
عَلَقَتِ الرَّوْحُ بِحَبْلِ الْوَرِيدِ

تیری زلف کے ساتھ میری جان اس طرح اٹکی ہوئی ہے جس طرح شاہرگ کیساتھ روح۔ بالکل نیا خیال ہے جس میں جسمانی شے کیساتھ غیر جسمانی کے تعلق کا پورا ثبوت ہے۔

بر دم تیغ تو قضا کردہ نقش
انت حديد لك باس شديد

دوسرا مصرعہ آت و اَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ يَدْرِيْدُ بِاَسِّ شَدِيْدٍ سے اقتباس کیا گیا ہے۔

چشم تو بس کرد ز خو زیز خلق
دوسرا مصرعہ يَوْمَ نَقُوْلُ لِحَبِيْبِهِمْ هَلْ مَثَلْتِ وَنَقُوْلُ هَلْ مِّنْ مِّنِيْدٍ سے اقتباس کیا گیا ہے

دیگر
بادہ در جوش است زنداں منتظر

ساقیا خذ ما صفا دم ما لدر

دیگر
گر دم بشکست خویش عالم کہ دوست

مطمئن بچند قلب منکسر

دیگر
صنمے در دل مایافتہ راہ

لحن لا لعبد الا ایشاہ

دیگر
فیضی ازبت تشکب ہرگز

وہو من امن الا باللہ

دیگر
نوشتہ اند بطاق رواق میخانہ

کتابہ من الملک کل شئی حتی

بعض غزلیات ایک مضمون کی ہیں جو خاص خاص موقع پر لکھی گئی ہیں۔

بیک دور روزمہ روزہ بر دتاب مرا

کہ بر شکست چنیں رنگ آفتاب مرا

وگر میرس سبب دیدہ پر آب مرا

کند فرشتہ بنامت رخم تو آب مرا

ز تشنگی لب اشک بگریسے بہم

مادر روزہ کہ از صدق نیتہ کہ مر است

بعض غزلوں سے قصیدہ کا کام لیتا ہے۔

وے از شوق محرومی ہر از ذوق خالی را
نشاط عید اسفندارند ماہ حسالی را

بادشاہ کی بیماری میں غزل لکھتا ہے۔

خوشید عافیت کن ابرو ہلال مارا
در جلوہ آرد دیگر مشکین غزال مارا
از آنت شفا کن فرخندہ فال مارا
ساق نشاط گرواں درد ملال مارا
مپسندے سعادت دیگر وبال مارا
فیضی کمال صحت خواہد جلال مارا

بارب بنا ز پر و نمازک ہنال مارا
چوں چشم خویش تلک باشد ناتوانی
بر مصحف جمالش بکشتائے دیدہ ما
اے عافیت کجائی زین خانہ سر بکن
آن ماہ را بر آرد از احتراق اشب
در حلقہ ملائک کریت تازہ گوئی

عسل صحت بادشاہ کے بارہ میں کہتا ہے۔

پیدا است اعتدال مزاج زمانہ را
کو تہ کن اے طبیب فسول گرفتار
افروخت آفتاب رخسار صحن خانہ را
ایشاں مقدمت گہر دانہ دانہ را
فرسوخ کن ز بوسہ زدن آستانہ را

تا صحت است عنصر شاہ یگانہ را
در خواب راحت اندوہ بیمار نکشش
گو شمع گوشہ گیر کہ از صبح عافیت
اے عیش گر یہ رفت ز من و تر کردے
اے خوشدلی کہ ماندی زین بزم گاہ دو

کسی شعر میں خصوصیت ملکی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

کہ موج عربہ خیر است آب قیدہ را

ز نام کشتی سے استوار کن فیضی

کہیں واقعات تاریخی کو چھلکا دیتا ہے۔

گجرات فتح کردہ بہ بنگالہ میرود

فیضی بگروش قدح و مہدم کہ شاہ

بعض غزلیں متروک بجز میں ہیں جنکے مضامین وغیرہ سے پایا جاتا ہے کہ حکیم ناصر خسرو

علوی بلخی کا تتبع کرتا ہے۔

ساغر مے وہ بدور اکبر غازی

ساقی دوران گزر ز خریدہ سازی

بچو سپہرا آورد بسفله نوازی

نے مے والنش ربا کہ محتشما ترا۔

یا توہور و مہ بہ معرکہ تازی

نے مے بد شو کہ در دماغ رعونت

نے مے آتش منش کہ در صفت مہتاں
 نے مے بیباک دل کہ بر خرا آرد
 زان مے بکرتنگ کہ تصرف باطن
 زان مے صفائی کہ عاکفان صوامع
 زان مے روشن نظر کہ باز نماید
 زان مے دریاد گہر کہ پاک بشوید
 فیضی اگر و کشتی زان مے بیعش
 شہر بود گمیشن بہ شیشہ گدازی
 ترک موس یا ہوائے دست درازی
 تو بہ دید چرخ راز شعبدہ بازی
 خرقدہ دل را ازو کنت نمازی
 راہ حقیقت بعاشقان مجازی
 از دل عارف خیال نقش طرازی
 دو نباشد کہ پردو کون بنازی

بہاریہ غزل

خاک چمن شد ز آب مشک تباری
 قرصہ کا نور رخت شاخ شکوفہ
 بر سر ہر شاخ جلوہ گر شد گلہا
 از پٹے دو شیرگان جلد گلشن
 دور نظر بازی است و حسن پرستی
 غنچہ و زکس رسیدہ اند فرہم
 جامے لالہ کون و طرہ ساتی
 آتش گل کرو باد بہاری
 سفیل مشکین بسوخت عوتماری
 کردہ جو طفلان با سبب سواری
 آب صفت خاک کرد آئینہ داری
 وقت گل افشانی است باد گسلی
 کوش کہ دل را بدست دیدہ پاری
 فیضی اگر عاقلی ز کف نگذاری

قصائد بہت کم ملتے ہیں جس قدر دستیاب ہوتے ہیں وہ یا تو فخریہ ہیں یا مواعظ و نصلح
 سے پُر۔ مدحیہ قصائد بہت کم لکھے ہیں۔ اور وہ بھی خصوصیات کیساتھ بادشاہ کی مدح میں
 ہیں میرا ارادہ ہے کہ تذکرہ عرفی میں ان دونوں کے ان قصائد کا جو ایک زمین میں لکھے
 گئے ہیں موازنہ و مقابلہ کر کے دکھلاؤں۔ ایک فخریہ قصیدہ کا مطلع ہے۔

خواہم اصلاح نہ کتاب کنم
 ایک ناصحانہ قصیدہ کا مطلع ہے۔
 نسخہ کون انتخاب کنم

اگر بھفرت سلطان رہ سخن داری
 قصائد کے کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فیضی نے دربار میں داخل ہوئے پیشتر جو قصائد
 امر لے دولت کی مدح میں لکھے تھے۔ وہ بالآخر سب کے سب غارت کر دیئے۔ چنانچہ
 فیضی خود کہتا ہے۔
 مباد خا مو شیت بہر خوشین داری

فیضیم شاعر تو نگر و دل
گشتہ در آستین ہمت گم
ایں سواد سخن کہ مے نگر می
آفرینندہ شاہد است کہ ہمت
یروہ ہوش دل نظارگیان
بود در کوچہ ہائے تنگ خیال
باشد اکتوں ز جنس سخن
ہر چه گفتم بمرح اہل و دل
ورنہ مے کشد شکر ف دیوانے

ہمت از خاک بر کشیدہ من
طبع پیر ہن دریدہ من
ہست خونناہ چکیدہ من
معنی خاص آفریدہ من
جلوہ طبع شوخ دیدہ من
جنبش کلک سرزیدہ من
غزل و مثنوی گزیدہ من
عشق بستر و از جریدہ من
از غزلہائے سر قصیدہ من

سیکس

ایا مسافر نظارہ نظم و نثر بیدیں
ہزار گونہ سخن از زبان ما سر زد
با قتاب شود منتهی بوقت نظر
ز بہر تذکرہ اہل دیدہ منتخب است
و گر نہ در عدد از ہمگنان کم نیست

کہ تا کجا بود اندازہ مساعی ما
ہنوز تا بجا کشد دواعی ما
چو امتداد پذیر و خط شعاعی ما
کہ شد قمر زدہ کلک خراعی ما
قصیدہ و غزل و قطعہ و رباعی ما

سواطع الہام و قرآن مجید کی تفسیر عربی زبان اور بے نقطہ الفاظ میں ہے۔ اس تفسیر سے
فیضی کا کمال امتحان دستگاہ ادب و انشاء نجوی عیال ہے۔ حروف مہملہ کا اتنا التزام کیا ہے
کہ نام بھی بدل ڈالے ہیں سر لوح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ لا الہ الا اللہ محمد
رسول اللہ لکھا ہے۔ جس میں کوئی منقوٹ حروف نہیں۔ سورہ اخلاص میں اس تفسیر کی تاریخ
لکھی ہے۔ جاہل لوگوں نے اسی تفسیر کی نسبت مشہور کر رکھا ہے۔ کہ فیضی نے ایک
قرآن بنایا تھا۔ اور اکبر کو رسول الف ثانی قرار دیا تھا۔ یہ تفسیر مطبع نو لکھنؤ میں چھپ
چکی ہے۔

سوار و الکلم علم اخلاق کی کتاب ہے۔ یہ بھی غیر منقوٹ حروف میں لکھی گئی ہے۔ روضۃ الادباء
میں اس کتاب کی چند سطور بھی نقل کی گئی ہیں۔ فیضی نے خود بھی اس کتاب پر فخر کیا ہے۔
طبع مشکل پسند من اکثر مشکلات بدیع ملتزم است

سلک ہائے بلاغت از کلام
 باسالیب خاص منتظم است
 گردیلے بدیں سخن خواہی
 در کتاب مورد الکلم است

ان تصنیفات کے علاوہ آئرنے ترجمہ کا محکمہ قائم کیا۔ تو فیضی اس کا مہتمم اور افسر اعلیٰ قرار دیا گیا۔ رامائن۔ بیتال چھپی۔ بھاگوت۔ تمہا بھارت۔ جوگ بسٹھ و غیرہ کے جو ترجمے ہوئے وہ سب اسکے قلم سے اصلاح لیکر نکلے۔

تعلیم سنسکرت۔ فیضی نے سنسکرت کیونکر پڑھی۔ یہ تمام روایت داستان نمائے مشہور ہے کہ فیضی بنارس پہنچا۔ اور پرہمن بچہ بنکر بنارس کے مشہور مہاودیا شالامیں داخل ہو گیا۔ چونکہ حافظہ تیز تھا۔ ذہن صاف۔ فہم درست اور طبع سلیم۔ دل راغب اور علوم مکتبہ خصوصاً عزیت کی استعداد کی مدد۔ اس لئے تھوڑے سے عرصہ میں انتہائی تعلیم تک پہنچ گیا۔ تمام استاد اسکے عمدہ چال چلن اور اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے نہایت درجہ محبت کیا کرتے تھے جب اس نے وطن کیلئے اپنے شفیق استاد سے اجازت چاہی تو اس نے ایک ہفتہ کے لئے اور ٹھہرایا۔ اور اپنے گھر میں مشورہ کر کے یہ ارادہ کر لیا۔ کہ اپنی اکلوتی کنیا سے شادی کرے۔ جب فیضی کو کہا گیا تو اس وقت اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اس لڑکی کو مال جانی بہن سمجھتا ہوں۔ اور میں خود مسلمان ہوں۔ استاد یہ سکر پیکر تصویر بن گیا اور تمثال بت ہو گیا۔ پھر آہ بھر کر کہا کہ تو نے کل ہندو دھرم کے ساتھ چل کیا۔ مگر اب بتلا کہ میرا حق استاد ہی کیا ادا کریگا۔ فیضی نے عرض کیا۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں میں دل و جان سے آپکی پدرانہ اور استادانہ شفقت و عاطفت کا ممنون و مرہون ہوں۔ اور میری استطاعت سے باہر ہے کہ میں آپکے انعام و احسان کا حق ادا کر سکوں۔ استاد نے کہا تاہم میں ایک خاص عہد لینا چاہتا ہوں۔ کہا جو ارشاد۔ پوچھا کیا تو سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ کرے گا۔ کہا ہاں۔ کہا میں ایک عہد لینا چاہتا ہوں کہ تو گائتری منتر کا ترجمہ نہ کرنا فیضی نے عہد کیا۔ اور میثاق غلیظ کے ساتھ اس عہد کو موٹا کر دیا۔ چنانچہ اس فاضل نے اس منتر کو ایسی طرح لکھ کر ترجمہ کرنے کی یہی وجہ تقرر کر دی۔

فیضی کا مذہب۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ فیضی والو آسن نے دنیا کو دین پر اختیار کیا اور دین کو دنیا پر نثار کر دیا۔ آئرنے جس قدر مذہبی رنگ گرگٹ کی طرح بدلے۔ وہ سب فیضی والو افضل کے اشتراعات کا نتیجہ تھا۔ آئرن کے ہاتھ میں بتلی کی طرح تھا۔ یہ جو کچھ سمجھا دیتے

اکبر دنیا کی سٹیج پر اسی ایگٹ کو دکھلا دیتا۔ مذاہبِ جلالی۔ دینِ الہی کے بانی میانی بھی یہی تھے اور اکبر کو آفتاب پرستی بھی انہوں نے ہی سکھائی تھی۔ جن لوگوں کا یہ بیان ہے وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ قیصری و ابوالفضل کو یہ ٹھکانہ خیالات اپنے باپ شیخ مبارک سے ارث میں ملے تھے۔

ناظرین کسی شخص کے مذاہب پر رائے دینا نہایت مشکل کام ہے۔ اور مردہ شخص کو محدود مدت بنانے کی سچی کرنا تو بے سود بھی ہے اس لئے میں اس روایت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ سچ ہے کہ دونوں بھائی نورتن میں داخل تھے اور بادشاہ کی خلوت و جلوت کے ہمراز تھے۔ لیکن یہ سمجھنا کہ اکبر کے مذہبی خیالات کی مہار الہی کے ہاتھ میں تھی محض غلط ہے۔ اکبر تحقیقاتِ مذہب کا شوق تھا۔ اور پولیٹیکل وجوہ سے وہ ہندوؤں سے زیادہ ترمیل ملاپ کو ضروری سمجھتا تھا۔ اور غالباً ہماری گورنمنٹ برطانیہ کی طرح وہ بھی سمجھتا تھا کہ ہندوستان جیسے ملک کشتِ زار مذاہب میں گورنمنٹ کو اپنا طریق عمل لانا مذہبی رکھنا چاہیے۔ ان سب وجوہ کے ساتھ ہی وہ جاہل تھا۔ اور ہر فرقہ کے منطقی و فلسفی دلائل کا سننا اور ایک دوسرے پر راج و مرجوع سمجھنا اُس کے لئے مشکل تھا۔ اس لئے عمر بھر مذہب کو بھی وہ شاہی رنگ رلیاں سمجھتا رہا۔ لیکن ہم جب اکبر کے انجام کو دیکھتے ہیں تو ہر ایک تاریخ میں لکھا ہوا ملتا ہے کہ مرنے سے تین روز پیشتر اُس نے قاضی اسلام کو بلایا۔ اپنے گزشتہ اعمال و اقوال و افعال سے توبہ کی عمر رفتہ پر اظہارِ ندامت کیا۔ اور کلیہ شہادت پڑھ کر حاضرین کو اپنے تشہد کا گواہ بنایا تو پھر کیونکر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ نورتن کے ان روشن اور قیمتی رنگوں نے دراصل اپنے ضمیر کی راستی اور اپنی لازوال روح کو ظاہر نہ بنا کر دیا تھا۔

یہ مان لینا آسان ہے کہ قیصری ہاں میں ہاں ملائیوں میں ضرور تھا۔ لیکن یہ یقین کرنا نہایت مشکل ہے کہ اُس کے دلی معتقدات بھی اسلام کے خلاف تھے۔ تادمین میں جس بلاغت و فصاحت اور وسعت بیانی و زور کلامی کے ساتھ اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھی ہے اور عام مسلمانوں بلکہ عجاظ کی طرح ایمان بر معجزات کا اظہار کیا ہے اُس کے مقابلہ میں ایسی روایتیں محض فضول معلوم ہوتی ہیں ہاں میں ہاں ملاتے رہنے کا ثبوت اُس کے اکثر اشعار میں سے ملے گا۔

قسمت نگر کہ در خور ہر جوہر عطا است آئینہ باسکند و با اکبر آفتاب

اویںکند معاینہ خود در آئینہ این میکند معائنہ حق در آفتاب

رباعی

نورے کہ زہر عالم آرا پیدا است از جبہ شاہنشہ والا پیدا است
اکبر کہ بافتاب وارد نسبت این نکتہ زبینات اسما پیدا است

ایسے ایسے اشعار کو میران فقہ میں تو لٹا شاعرانہ مذاق سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اشعار میں یہ لوگ دلی معتقدات نہیں بلکہ صرف طبیعت کی شوخی اور فکر کی تیزی دکھلایا کرتے ہیں۔ شیخ سعدی جیسے ثقہ اور محدث ایک جگہ لکھتے ہیں۔ "بازن خویش ہم پہلو بودم۔ خواجوںے کرمانی آمد۔ و در زد۔ گفتم کیستی۔ گفت منم۔ گفتم بازن خویش ہم سختم۔ زخم بر آشفت کہ مردک چہ میگونی۔ گفتم آخر شاعر نیستم بہر تو قافیہ گزارم"

اگر مذکورہ بالا اشعار یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ فیضی نے اکبر کو آفتاب پرستی سکھائی۔ تو عرفی شیرازی کو کیا کہو گے جس کے قصائد میں آفتاب روئی کا پورا قصیدہ ہی موجود ہے اور جہاں تک میر خیال ہے اس قصیدہ کے سوا اور کوئی قصیدہ اس نے بادشاہ کی مدح میں لکھا ہی نہیں۔

ذہانت و طباعی سینکڑوں لطائف ایسے مشہور ہیں جن سے فیضی کی ذہانت و طباعی ظاہر ہوتی ہے۔ اس جگہ صرف دو پر اقتصار کرتا ہوں۔

(۱) سلطنت ایران کا سفیر آیا۔ اور مراسلہ بادشاہ کے ہاتھ میں دیا۔ بادشاہ نے خود ہی کھول لیا۔ سرنامہ نیچے اور پایاں اوپر۔ سفیر کے لبوں پر ذرا سی مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ فیضی جھٹ بول اٹھا۔ در حضرت ماسخن مگوید۔ کہ پیغمبرانیزامی بود

(۲) شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظاہر و حید نے ایک رباعی پڑھی۔ رباعی اس قدر مقبول ہوئی کہ فوراً مراسلہ تیار ہوا اور ایک سفیر نزار و استان اکبر کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ مراسلہ کا دریا بڑے تزک و احتشام سے ہوا۔ رباعی پڑھی گئی۔

زنجی بہ فراوانی لشکر نازد رومی بہ سنان و تیغ و خنجر نازد

اکبر بہ خزانہ پُر از زر نازد عباس بہ ذوالفقار حید نازد ظاہر و حید

عباس صفوی شیعہ تھا۔ یہ رباعی سنتے ہی اکبر نے گوشہ چشم سے فیضی کی جانب دیکھا۔ فیضی کھڑا ہو گیا اور فی البدیہہ یہ رباعی پڑھ دی۔

دریا بہ گہر فلک باختر نازد فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد

عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد کونین بذات پاک اکبر نازد قیسی

سفیر اور عباس کو کھسیانا ہونا پڑا۔ اور شہر اٹلی ایران نے قیسی کی روانی طبیعت کا اقرار کیا۔
وفات۔ اب ہم اس بے نظیر جامع کمالات فاضل کے تذکرہ کو جو شہر و ممتہ۔ عروص و قافیہ
 تاریخ و نخت ادب و انشاء میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ (اور اہلکارانہ قابلیتیں ان سب پر مستتر)
 ختم کرتے ہیں۔ بادشاہ کے تقرب و مصاحبت کو قیسی تو غالباً مساعت نخت۔ یاوری طالع
 بلندی اقبال تصور کرتا ہوگا۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ دربارانہ زلیست سے اس کے
 علم و فضل سے بہت کم فائدہ دنیا کو پہنچا۔ عدیم الفرصت تو تھا ہی۔ عمر نے بھی وقانہ کی پچاس
 سال کی عمر میں شنبہ دہم صفر ۱۰۱۷ ہجری کو چند روز بیمار رہ کر انتقال کیا۔ اکبر بیماری کا
 حال بیکار عیادت کیلئے خود آیا۔ سر بالین بیٹھ گیا۔ اور قیسی کا سر تکیہ سے اٹھا کر اپنے زانو
 پر رکھ لیا۔ اور قیسی کو پکارنا شروع کیا۔ ہنارت عجت اور قلق کے لہجہ میں چند بار کہا قیسی!
 آنکھیں کھولو۔ دیکھو میں تیرے پاس آیا ہوں۔ حکیم علی گیلانی کو ساتھ لایا ہوں مگر قیسی پر
 ایسی گہری بیہوشی طاری تھی کہ نہ اس نے آنکھ کھولنی تھی نہ کھولی۔
 ابوالفضل لکھتا ہے کہ مرنے سے چار روز پیشتر مجھ کو کہا کہ بادشاہ سے ہم یوم کی رخصت لیکر
 میرے پاس ہی بیٹھ رہو۔ مرنے رخصت لیلی۔ چوتھے روز ہی انتقال ہو گیا اور پیشین گوئی صحیح
 نکلی۔ صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ شیخ قیسی اور کمال حید حکیم ہمام کا بہ ترتیب ذکر ایک ماہ
 کے اندر انتقال ہوا۔ "سکندر اشک حسرت رینخت کا فلاطوں ز عالم شد"

عبد الحمید کاتب

عبد الحمید اپنی فصاحت و بلاغت۔ انشاء و کتابت کیلئے وہی شہرت عربی زبان کے
 سحر پردازوں میں رکھتا ہے جو علامہ ابوالفضل فارسی کے انشاء نگاروں میں۔ یا اس سے
 بھی بڑھ کر۔ کیونکہ عبد الحمید کو موجد طرز خاص تسلیم کیا گیا ہے۔
 عبد الحمید ابتدا میں مکتب پڑھایا کرتا تھا۔ لیکن آخر میں مروان بن محمد آخر ملوک ہجرت

کا میر منشی بن گیا تھا۔ اس نے انشاء کی اصلاح سالم مولیٰ مشام بن عبد الملک سے لی تھی۔ علم اور ادب کا نام۔ اور خطوط و رسائل اور فرامین طرز خاص کا موجد تھا۔ طول و طویل لکھتا۔ اور ہر فقہ میں بلاغت و جدت کا ثبوت ہوتا۔ اسکے بعد جتنے انشاء نگار ہوئے سب نے اسکی طرز کو اختیار و پسند کیا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے حمد کے متعلق خطوط میں التزام کیا تھا۔ ایک روز کسی افسر نے ایک حبشی غلام اسکے پاس ہدیہ میں بھیجا۔ چند اجناس بھیجے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ایک مختصر خط میں اس کی رسید لکھو جس سے بھیجنے والے کی مذمت بھی نکلے بعد الحمید نے قلم اٹھا کر لکھ دیا کہ اگر دنیا میں سیاہ رنگ سے بدتر کوئی رنگ اور ایک سے کمتر کوئی عدد ہوتا تو میں بھی بدتر پیش کرتا۔

ایک شخص آیا اور اس نے کسی کسے نام سفارشی خط چاہا۔ عبد الحمید نے اس کے ہاتھ پر لکھ دیا۔ اس نے آپکو امید گاہ اور مجھے شفاعت خواہ سمجھا۔ میں اپنا کام کئے دیتا ہوں امید ہے کہ آپ بھی اسکے خیال کو سچا ثابت کریں گے۔

عبد الحمید کہا کرتا تھا۔ بہترین انشاویہ ہے جسکے الفاظ مردانہ اور معانی معشوقانہ ہوں کہا کرتا تھا۔ قلم وہ شجر ہے جسے الفاظ کے پھل لگتے ہیں اور فکر وہ بکر ہے۔ جس سے دُرِ حکمت نکلتے ہیں۔

عبد الحمید نے صرف ایک ہی گھوڑا اپنی سواری میں رکھ چھوڑا تھا اور ہمیشہ اسی پر سوار ہوا کرتا تھا۔ مروان نے اسکی وجہ پوچھی کہا کھاتا کام ہے اور لہذا زمانہ کمال چکا ہے پوچھا رفتار کا کیا حال ہے کہا۔ صرف چابک اسکا ہر گلاب ہوتا ہے اور صرف جاتے مقصود اس سے آگے۔ جب کبھی مینے اسے چابک لگایا۔ تو اسپر ظلم کیا ہے۔

جب مروان کو بنو عباس کی متواتر فتوحات سے یقین ہو گیا کہ سلطنت نہ رہ سکی تو عبد الحمید کو کہا بہتر ہے کہ تم ظاہر اباعی بنکر دشمن سے چالو رہنا۔ فضل و کمال کی کسے حاجت نہیں۔ وہ جلد تمپر بھروسہ کر لیں گے پھر اگر تم مجھے سینیلج کا نفع پہنچا سکو گے تو بہت خوب ہوگا۔ ورنہ تمہاری عزت و آبرو تو بہر حال بنی رہے گی اور یہ بھی بہتر ہے کہ تم کلمہ اطمینان کا موجب نہ ہوگا۔ عبد الحمید نے کہا کہ میں مقصود سے ارشاد کر سکتا ہوں۔ اس کے ہونوں پہلو شراب ہیں۔ اور مقصود کیلئے دو نو ہوتے ہیں۔ اولیٰ یہ کہ تمہارا کام کر سکتا ہوں۔ اولیٰ یہ کہ تمہاری عزت و آبرو نہ ہوگا۔

چکائے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

أَمْسُرُ دِفْءًا تَمَّ أَظْهُرُ عُنْدَ رَا
فَمَنْ لِي بَعْدَهُ بِوَسْمِعِ النَّاسِ ظَاهِرُ

چند روز کے بعد مروان پڑا گیا۔ اور قتل ہوا۔ تو عبد الحمید بھاگ گیا۔ ایک گائوں میں پہنچا۔ اسکا نام پوچھا۔ تو معلوم ہوا ابو صیر۔ عبد الحمید الی اللہ المصیب پڑھ کر ٹھہر گیا۔ وہیں اسکا دوست ابن المقفع تھا۔ اس کے پاس جا ٹھہرا۔ سوار تعاقب میں تھے۔ وہ سرخ لیتے ہوئے اسی مکہ میں پہنچے۔ جہاں دونوں اجباب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا۔ تم میں سے عبد الحمید کون ہے۔ بھاری دنگوں کے منہ سے آواز آئی۔ میں۔ ابن المقفع نے میں کہتے ہیں اس لئے جلدی کی کہ اٹھی آفت خود جھیل لوں۔ اور عبد الحمید نے اس لئے کہ میری مصیبت کا نشانہ میرا دوست نہیں جاتے۔ سوار حیران تھے۔ کہ کسے گرفتار کریں۔ عبد الحمید نے کہا۔ کہ تم کو صلیہ بھی بتلایا گیا ہو گا۔ دیکھو میرے حلیہ میں یہ اور یہ علامات پائی جاتی ہیں جو تم کو ضرور بتلانی گئی ہوتی۔ اور یہ ایسے نشانات ہیں جو دوسرے شخص میں ہرگز نہ پائے جاتیں گے۔

سواروں نے غور اور تامل کے بعد اسی کو گرفتار کر لیا۔ سفاح عباسی کے سامنے اسے حاضر کیا گیا۔ اس نے عبد الجبار کو توال کے سپرد کر دیا۔ اس سنگدل گرگ طبع نے جس بڑے طریق پر اسکی جان لی ہے اس سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ طشت میں آگ بھر کر اس کے سر پر رکھ دیا جاتا۔ آگ بچھ جاتی تو اور ڈال دیتے۔ دماغ ہنڈیا کی طرح پکا۔ اور اس مستقل مزاج کاتب بلیغ نے تلخ موت کا ذائقہ کشادہ پیشانی سے چکھا۔

یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کا ہے۔ شروع میں عبد الحمید کو ابو الفضل بتلایا گیا تھا۔ سو تلخ

انجامی اور جو المزدی میں بھی دونوں کے اندر وجہ تشبیہ موجود ہے۔

عبد الحمید نے ایک وصیت الہکاران دربار کے نام لکھی تھی۔ ذیل میں اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ یہ آج سے ایک ہزار یا گیارہ صدی پیشتر کے خیالات ہیں ان کے مقابلہ میں جسٹریٹس وغیرہ کے خیالات کا موازنہ کرنا چاہیے۔

اے اے قلم۔ خدا تمہیں آفات سے بچائے۔ تو نیک خیر سے اور راہ ہدایت دکھلائے۔ یاد رکھو کہ انبیاء اور ملوک کے بعد نسل انسانی کی چند صنفیں ہیں (گو بلحاظ نوع وہ سب ایک ہیں) ہر ایک صنف کے اسباب معاش جدا ہیں۔ اور ابواب رزق جدا۔ خدا نے تمکو اہل قلم۔ اہل ادب و اہل علم بتایا۔ اور بہترین صنف میں ٹھہرایا۔ محاسن سلطنت کا انتظام اور امور سیاحت کا

قیام تم لوگوں پر ہی منحصر ہے۔ تمہارا نیک و پیر سلطنت کو مخلوق کی بہبود کا فریضہ بناتا۔ اور آبادی ملک کا سبب بنتا ہے۔ ملک اور ملک کا تمہارے بغیر چارہ نہیں تم مالکان سلطنت کیلئے ان کے سنے ولے کان۔ دیکھنے والی آنکھیں بولنے والی زبان۔ اور کام کرنے والے ہاتھ ہو خدا تمہاری اس برتری کو جو تمہیں دیگر اصناف پر ہے قائم رکھے۔ اور جس دسترخوان پر تمہیں بٹھایا گیا ہے اس سے ذائقہ یاب ہونے کی توفیق دے۔ میں اس تحریر میں ان صفات کا ذکر کر رہا ہوں گا۔ جسکی ضرورت تم کو خود اپنے لئے بھی ہے۔ اور اپنے آقا کا بھروسہ حاصل کرنے کے لئے بھی۔

ایک کار کے لئے ضرور ہے کہ بر د باری کی جگہ جلیم اور جزور سی کے موقع پر فہیم۔ جہاں آگے بڑھنا چاہیے بڑھ جائے۔ اور جہاں ہٹنا چاہیے ہٹ جائے۔ فسق و فجور کا دشمن اور عدل و انصاف سے مزین ہو۔ لازم کا بہت چھپا نیوالا۔ اور سختیوں میں پورا اترنے والا ہو۔ ہر امر و ہر طریق کی مناسبات کا بشناسا ہو۔ فنون علم میں سے ہر فن میں کمال رکھتا ہو۔ اگر کمال نہ رکھتا ہو تو بقدر ضرورت ہر ایک میں اُسے دخل تو ضرور ہو۔ وہ اپنی صواب سائی اور وسیع تجربہ کاری سے ہونے والی صورتوں کو ہونے سے پہلے۔ اور محاملات کے انجام کو خاتمہ سے پیشتر معلوم کر سکتا اور ہر ایک کیلئے تدبیر نکال سکتا ہو۔

ہاں اسے اہل قلم صنوف آداب کے میدان میں آگے بڑھنے کیلئے نکلو۔ اور تفرقہ فی البدین حاصل کرو۔ پہلے قرآن مجید اور فرائض دیکھنے چاہئیں۔ اور پھر عربیت (کیونکہ زبانہ انہی کا معیار رہی ہے) خوش خطی ضروری چیز ہے اور تحریر کا زیور بھی ہے۔ تحریر میں اشعار کا استعمال اور عربی عجم کے واقعات تاریخہ کے حوالہ اور عادات و خصائل اہل ملک سے استدلال بھی ضروری ہے اور اسی سے ہمت بلند کا پتہ چلتا ہے۔ دیکھنا علم حساب سے بے خبر نہ رہنا۔ محاصل و مخارج کی جان اپنی علم سے طمع کسی بڑی چیز کی ہو یا چھوٹی کی۔ بالکل چھوڑ دینی چاہیے۔ اسی سے افسر بگڑتے اور ذلیل ہوا کرتے ہیں۔ تمہیں ملازم ہے کہ اپنے پیشہ کو کینہ پن سے بچاؤ۔ اور اپنے آپ کو غیبت۔ چٹلی۔ دو سخی سے پاک و صاف رکھو۔ تجربہ چھوڑا پن۔ لاف زنی سے قطعاً پرہیز چاہیے۔ ان سے عداوت تو ضرور ہو جاتی ہے۔ اور محبت کبھی کبھی نہیں۔ اہل قلم کے ساتھ لٹری محبت رکھو۔ اور جو پہلے نقل و کمال شاہیاں سے اُسکے لئے باہمی نسبت کرتے رہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخصیں گدوش زبانیاں آجائے

تو اس کے ساتھ ترقی و محبت اور سلوک سے دریغ نہ کرو۔ اور اگر کسی کو پیرانہ سالی و ضعف تو اس نے
 ملنے جلنے سے محذور کرو یا ہو۔ تو خود جا کر اس سے ملتے رہو۔ اور اہم معاملات میں اس سے
 مشورہ لیتے رہو۔ اور اس کی وسعت معلومات اور تجربہ سے فائدہ اٹھانے میں پس و پیش نہ
 کرو۔ اور اپنے آقا کے ساتھ اس کے فرزند و برادر سے بڑھ کر سلوک کر کے دکھاؤ۔ اگر کسی کام
 سے نیک ناپی اور خوبورتی نکلتی ہو تو اسے آقا سے منسوب کرو۔ اور جس سے نقص یا مذمت
 نکلے اس سے دیگر اسباب سے۔ اگر آقا کی حالت میں تغیر آجائے تو اس وقت تک لغزش و
 ذلت سے بچنا چاہیے اور اس کا ساتھ دینے میں غم و اندوہ نہ کرنا چاہیے
 کیونکہ اور وہی بہ نسبت تم بدنام بھی جلد ہو سکتے ہو۔

دیں اسی بات کو پھر نشین کرنا چاہتا ہوں کہ جو تمہاری ضروریات کا مشکل رہا۔ اور
 ہمیشہ تمہاری تربیت کا اس نے خیال رکھا۔ تو اس کے ساتھ سچی و ترشی ناکامی و پستی
 میں بھی اسی طرح رہنا چاہیے۔ جس طرح نعمت و دولت۔ ترقی و احسان کی حالت میں تھے۔ یہ
 خصالت بہت بڑھ کر ہے۔ خدا جسے نصیب کرے۔

جب کوئی شخص تمہارا مخالف ہو جائے۔ یا رعایا کا بڑا معاملہ آپڑے اس وقت اپنے
 دل کو خدا کے عز و جل کی طرف لگا کر مراقبہ کرنا چاہیے۔ اور اس کی طاعت کو اپنے نفس پر
 حاکم کر لینا چاہیے۔

اہلکار کو لازم ہے کہ ضعیف کارفیق ہو۔ اور مظلوم کا انصاف کرے۔ یاد رکھو۔ کہ مخلوق اللہ
 تعالیٰ کا کتبہ ہے اور وہی شخص خدا کو زیادہ پیارا ہوتا ہے جو اس کے کتبہ پر زیادہ مہربان ہے
 لازم ہے کہ حکومت عدل کے ساتھ کرے۔ اشراف کی عزت کرتا ہے۔ آبادی ملک اور
 آمدنی سلطنت کی ترقی میں کوشاں ہے رعایا کیسے ساتھ محبت رکھے۔ اور جس جس چیز سے نہیں
 تکلیف ہوتی ہو۔ اس کا دشمن ہے۔ ملاقات کی وقت پر دباری اور تواضع کا اظہار کرے
 حقوق سلطنت کو پورا کرنے اور محاصل کی تشخیص میں نرم برتاؤ کرے۔ جب کسی نئے
 شخص کے تعلقات تمہارے ساتھ شروع ہوں تو اس کی عادت پر خوب غور و پروا سخت
 کرو۔ پسندیدہ عادات میں ساتھ دو۔ اور ناپسندیدہ کو بہترین تدابیر سے درست بناؤ۔ اس
 چابک سوار کو دیکھو۔ جس کا کام گھوڑے کو سدھانا ہے۔ وہ سب سے پہلے اس کے مزاج سے واقفیت
 حاصل کر لگا۔ اگر گھوڑا اب چلنا چاہے تو سوار ہوتے ہوئے اسے چابک نہیں لگاتا۔ اور اگر

سید کا کھڑا ہونا الٹ ہے تو اسے روکے رکھتا ہے۔ اور جب پکھلتا ہے کہ نہیں رکھتا۔ تو زیر بند لگا دیتا ہے۔ اگر گھوڑا سرکش ہو رہا ہے تو یہ نرمی و آمستگی اسکی طبیعت پر چھوڑ کر سید ہا کر لیتا ہے۔ اور جب شوگر بیونے لگا تو پورا پورا سدھا لیتا ہے۔ اس مثال میں اس شخص کے لئے جس نے بنی آدم پر ریاست کرنی ہو بہت سے دلائل ہیں بلکہ مدبر کا کام اس سے بھی زیادہ نازک ہے۔ کیونکہ چابک سوار کا تعلق ایک حیوان سے ہے جسے فہم و خطاب و معرفت صواب اور قدرت جو اصل نہیں (اور جو تھوڑی سی سمجھتا ہے بھی وہ کبھی خود بخود برخلاف مدبر کے جس کا تعلق اپنے ہی جیسے بنی نوع سے پڑتا ہے پس ضرور ہے کہ نرمی کے ساتھ غور کرے اور کامل فکر و تدبیر کے بعد حکم دے۔

تم ان لوگوں کے ساتھ جن کا سابقہ تم سے پڑتا ہے صلح جوئی و امن خواہی سے چسلو اور علم و برداشت رکھو۔ سب مہربان سے موافق ہو جھڑپیں گے اور برادرانہ محبت و شفقت قائم ہو جائے گی۔

یہ بھی یاد رکھو کہ مکان۔ لباس۔ سواری۔ خور و نوش۔ نوکر چاکر۔ سلاحت و غیرہ میں ضرورت اور آسائش سے بڑھ کر تجا و زنا کرو۔ کیونکہ خواہ تم کیسے ہی اعلیٰ عہدہ پر ہو۔ تاہم ایک خادم ہو۔ جسکی تفصیر خدمت قابل معافی نہیں ہے۔ یا ایک محافظ ہو۔ جسے ضائع کرنیکا کوئی اختیار نہیں۔ میانہ روی کو اپنی پرہیزگاری کا ستیہ بنانا۔ اور فقرہ بالاپرا چھی طرح سے کار بند رہو۔ میں تم کو یہ وہ آرائش پسندی کے برے انجام اور امر اور ان کے خوفناک خاتمہ سے ڈرانا چاہتا ہوں۔ ان دونوں کا لازمی نتیجہ فقر و ذلت ہے۔ جو شخص ان کو پسند کرتے ہیں وہ اپنی کو خوار و ننگوں سا رہناتے ہیں۔

معاملات کی حالت یہ ہے کہ آپس میں ملنے جلتے ہوا کرتے ہیں اس لئے پھلے تجربہ سے سامنے آئے ہوئے معاملہ میں کام لینا چاہیے۔ اور تدبیر کا وہ راہ اختیار کرنا چاہیے جس پر واضح اور سچی دلیل قائم ہو سکے۔ نیز جو انجام بخیر ہو۔

یاد رکھو کہ تدبیر کیساتھ ایک آفت بھی لگی ہوتی ہے یعنی مدبر کی مصروفیت جسکی وجہ سے وہ اپنے علم و تجربہ سے کام نہ لے سکے پس بتایاں یہ ہے کہ اپنی جگہ بیٹھ کر بولنے سے پہلے پورا غور کرے اور سوال و جواب میں مختصر و پر معنی الفاظ استعمال کرے۔ اور دلیل کے ہر ایک پہلو پر نظر دوڑائے۔ اس طریق سے کام اچھا بھی ہو گا اور زیادہ مصروفیت سے آرام بھی ملیگا۔ معہذا

ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و امداد کا بھی ملتجی رہے کہ اسے ایسی غلطی میں جس کا ضرر مادی و عقلی و اخلاقی ہو جا پڑنے سے محفوظ رکھے۔

کسی شخص کو لائق و کارکن دیکھ کر تم ایسا خیال نہ کرو کہ یہ صرف اپنی چالاکی و تدبیر سے ایسا ہو گیا ہے۔ ایسا خیال کرنا تو اللہ تعالیٰ کیساتھ حسن ظن سے تعرض کرنا ہے اور بمنزلہ اس امر کے ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نفس پر ہی چھوڑے۔ جو ہرگز کافی نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی نہ چاہئے کہ تم اپنے آپ کو دیگر شریک الخدمت اہلکاروں سے علم و تجربہ میں بڑھ کر سمجھتے رہو۔ اور دلیلیں کہا کرو کہ شطرنج تدبیر کا کھلاڑی ہمارے برابر کوئی بھی نہیں۔ دو شخصوں میں زیادہ تر عاقل وہ ہے جو غرور کو پس پشت ڈال کر اپنے رفیق کے طریق و تدبیر کو بہتر سمجھتا ہو اور دونوں کو لازم یہ ہے کہ نعمت ہائے ربانی کے فضل کا شناسا ہو۔ مگر نہ اپنی رائے پر اترائے اور نہ اپنے آپ کو بڑا ٹھہرائے اور نہ اپنے بھائی یا مصاحب یا شریک الخدمت کو حقیر سمجھے۔ میں اپنی تحریر کو حمد الہی پر جو سب پر فرض ہے ختم کرتا ہوں۔ کون ہے جسے عظمت الہی کے سامنے تواضع اور عزت الہی کے سامنے ذلت اختیار کرنی نہ چاہئے۔ یا اپنے دل و زبان کو ذکرِ نعمت ہائے ربانی میں تر زبان نہ رکھنا چاہئے؟

ابو بکر محمد بن زکریا رازی

یہ مشہور نامی طبیب عنقوان شباب تک جا بل رہا۔ لڑکپن میں عود بجاتا اور گایا کرتا تھا۔ جب وارٹھی نکل آئی اور گلے کا رسیلا پن جاتا رہا۔ تو کہا کہ جو آواز ریش و برودت میں نکلتی ہے وہ دوسرے کو خوش نہیں کر سکتی۔ الغرض خنیاگری و نغمہ سرائی کو چھوڑ کر پڑھنا شروع کیا اور طب و فلسفہ کی جانب کامل توجہ سے مصروف ہو گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ جب اس نامی طبیب نے پڑھنا شروع کیا۔ اس وقت وہ چہل سالہ تھا طب میں اسکا استاد حکیم ابوالحسن علی بن زین الطبری ہے جو پہلے عیسائی تھا اور پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ فردوس الحکمتہ اسی کی تصنیف ہے۔

محمد بن زکریا اپنے زمانہ میں طب کا امام تھا۔ دور دور سے لوگ اسکے پاس علم پڑھنے اور علاج

کرانے کیلئے آیا کرتے تھے۔ طب میں جس قدر کتابیں اس نے تصنیف کی ہیں وہ سب نافع اور
 فوائد جلید کی جامع ہیں۔ جو مسئلہ اطباء کے نزدیک مختلف فیہ سمجھا جاتا ہے اس میں ابن زکریا
 کا قول محکم تصور کیا جاتا ہے۔ اسکی تصانیف میں سے کتاب الاعصاب۔ کتاب الجامع
 کتاب الحادی بہت بڑی کتابیں ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب تیس ضخیم جلدوں میں ہے۔ کتاب
 المنصوری جسے منصور بن نوح سامانی کے نام سے متنون کیا اسکی تصانیف میں سب سے
 چھوٹی کتاب ہے لیکن مسائل علیہ اور عملیہ اس میں بھی چیدہ چیدہ درج کئے ہیں۔
 آخر عمر میں مشہور فاضل نابینا ہو گیا تھا۔ اور اسکا سید بھی اسکی ایک مصنفہ کتاب تھی جو سعادت نیمیا پر بھی تھی
 اور تیس کیمیا کے صوح ہونیکے دلائل اور چاندی بنانے کے نسخے اور ترکیبیں معتد درج ہیں حکیم اس کتاب کو لیکر بغداد
 سے خراسان پہنچا اور منصور بن نوح بادشاہ کے حضور میں اسے پیش کیا۔ بادشاہ نے کتاب کو تجرب کی ڈکاہوں
 دیکھا اور حکیم کی بہت ہی تعریف کی نیز ایک ہزار ارشرفی صلہ میں عطا فرمائی کچھ دن کے بعد بادشاہ نے کہا کہ
 جو کچھ اس کتاب میں درج ہے میں اسکا تجربہ کرنا چاہتا ہوں حکیم نے کہا اسکے لئے ہزاروں روپیہ چاہئیں
 پھر خاص خاص آلات ہوں اور تمام ادویہ چیدہ اور عمدہ ہوں۔ پھر نہایت محنت کے بعد کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے
 بادشاہ نے کہا یہ سب مجھے منظور ہے اور تمام سامان کا مہیا کر دینا میرا ذمہ ہے۔ ابن زکریا خاموش
 ہو گیا۔ اور بادشاہ نے اپنی بات پر زور دینا شروع کیا آخر حکیم سے بجز اور عجز اور کچھ نہ بن پڑا بادشاہ نہایت
 خفا ہوا۔ کہا میں سمجھتا تھا کہ ایک ایسا شخص جو طب و فلسفہ میں شہرت یافتہ ہے اپنی مصنفہ کتاب میں ہمیشہ
 کیواسطے جھوٹ کا پھیلاتا پسند کر لگا۔ اور خلق خدا کو ایسی مشقت و تعب میں ڈالنا چاہیگا۔ جس میں کچھ
 منفعت ہو۔ خیر تصنیف کتاب میں جو محنت اور وقت تم نے صرف کیا اسکا صلہ تم کو دیا جا چکا۔
 لیکن اب اس جھوٹ پھیلانے کی رنما کو دیا جائیگی اسکے بعد حکم دیا کہ کتاب کو حکیم کے سر پر اتنی دفعہ مارو۔ کہ کتاب
 پارہ پارہ ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اسی ضرب کے صدمہ سے حکیم کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ اور بینائی جاتی ہی
 حکیم نے بھی کچھ علاج نہ کیا۔ کہا دنیا کو دیکھ کر طبیعت زیر ہو گئی ہے اب بینائی کو کیا کروں گا۔
 یہ قصہ ان لوگوں کیلئے سبق عبرت ہے جو کیمیا سازی کی دین میں عمر گراں کو برباد کر دیتے ہیں اور بالآخر
 خانہ خراب ہو جاتے ہیں (اس حکیم کے مقولے یہ ہیں) (۱) جب تک غنہ سے علاج ہو سکتا ہے اس وقت تک دوا نہ دو۔
 (۲) جب تک مفرد دوا سے کام چل سکتا ہے مرکب ادویہ کا استعمال نہ کرو۔ (۳) جب طبیعت عالم ہو اور مرض
 اسکی اطاعت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ مرض جلد جاتا رہیگا (۴) مرض کا علاج ابتدائی میں کرنا چاہیے
 کیونکہ اس وقت تک طاقت بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس مشہور حکیم نے ۳۱۱ عہد کو انتقال کیا تھا۔

قاضی القاضی

قاضی شرح

کیا زنا بعین میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت بھی پایا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو کوثر کا نام بھی مقرر فرمایا۔ ۵ برس برابر قاضی رہے۔ اس عرصہ میں صرف تین سال قضاوت سے باز رہے۔ یہ زمانہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کا تھا۔ آخر میں حجاج بن یوسف نے ان سے استعفاء لے لیا تھا۔ اس کے بعد کبھی دو شخصوں کے جھگڑے میں گفتگو تک نہ کی۔ اسے صائب عقل صحیح ذکا و فطنت، اسم مدثران سے پوری معرفت کی مجموعی شان سے ان میں قضا کی اعلیٰ قابلیت تھی۔ ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ قاضی شرح لہذا ت عہد شاعر تھے۔ اور مساوات امر میں سے ایک تھے۔ جو چار شخص ہیں عبد اللہ بن زبیر، قیس بن سعد بن عبادہ، اجنف بن قیس (جو رومیاری میں ضرب المثل ہیں) طبیعت میں مزاج بھی تھا۔ ایک شخص نے عورت کے رخصت کرانیکا دعویٰ کیا۔ تکمیل مسئل کے بعد مدعی کو کہا کہ میں تیری مال کے بیٹے (یعنی تیرے) حق میں فیصلہ کرتا ہوں، اور اس بارہ میں تیری خال کے بہن کے بیٹے (تو مدعی مراد ہے) کی شہادت کافی سمجھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ حضرت علی کریم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں ان کو محفل کرنا چاہا تھا۔ لیکن لوگوں نے کہا کہ فاروقؓ کے مقرر کردہ قاضی کے سوا دوسرے پر رضامند نہیں۔ اس لئے حضرت رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جامع مسجد میں سب لوگوں کے سامنے انکی لیاقت کا امتحان لیا۔ اور جب انکی قابلیت و چومہر کے اوصاف معلوم ہوئے تو افضل الناس ریا افضل الخبز کا خطاب عطا فرمایا۔

ایک دفعہ انہوں نے اپنی بیوی کو مارا پھر اس حرکت پر ناوم ہوئے تو اشعار ذیل تصنیف کئے۔

أَرَيْتَ رَجُلًا يُضْرِبُ نِسَاءَهُمْ فَشَلَّتْ بِمَكِينِي يَوْمًا ضَرْبُ زَيْنَبَا
أَضْرِبُهَا مِنْ غَيْرِ ذَنْبٍ أَتَتْ بِهِ فَمَا الْعَدْلُ مَعِي ضَرْبُ مَنْ لَيْسَ مَذْنِبَا
فَذَنْبُ نِسَاءٍ وَالنِّسَاءُ كَوَاكِبُ إِذَا مَا طَلَعَتْ لَمْ تَبْقُ مِنْهَا شَيْءٌ كَوَاكِبَا

میں نے دیکھا کہ لوگ اپنی اپنی عورتوں کو مارا کرتے ہیں۔ چنانچہ میرا ہاتھ بھی زینب کو مارنے لگا۔ کیا میں اُسے بلا قصور کے مارتا ہوں۔ بلا قصور کو مارنا تو عدل میں داخل نہیں۔ زینب تو آفتاب ہے اور دیگر عورتیں ستارہ عورتیں اُس کے سامنے یوں چھپ جاتی ہیں۔ جیسے آفتاب کے سامنے کوکب۔

کہتے ہیں زیاد بن سمیہ نے امیر معاویہ کو لکھ بھیجا کہ عراق کا نظم و نسق تو میں نے بخوبی کر دیا۔ اب حجاز کو میرے دستِ راست کا ماتحت بنا دے تاکہ اُسے بھی عمدہ انتظام کے ساتھ تیرے لئے خاص بنا دوں۔ بعد ازیں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے۔ دعاء کی کہ خداوند ہمیں زیاد کے پنجہ سے بچا۔ خدا کی قدرت اُسکے ہاتھ پر طاعون کے آثار نمایاں ہو گئے۔ زیاد نے طبیعوں کو جمع کر کے مشورہ لیا تو سب نے ہاتھ کو کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ پھر قاضی شریح بلائے گئے اور مشورت اطباء کے متعلق ان کی رائے دریافت کی گئی۔ فرمایا تیرے لئے رزق معلوم اور اجل محتوم ہے اور میں پسند نہیں کرتا۔ کہ آپ زندہ رہیں اور دستِ راست آپکے ساتھ نہ ہو۔ یا اگر موت قریب آچکی تو آپ خدا کے حضور میں دست بریدہ پہنچیں۔ اور جب اس بارہ میں سوال کیا جائے تو یہ کہنا پڑا کہ قضا نے آپ سے بھاگنے کیلئے میں نے ایسا کیا تھا۔ خیر زیاد تو طاعون سے اسی روز مر گیا۔ لیکن عام لوگ جن کو زیاد سے بغض دلی تھا۔ شریح کو ملامت کرنے لگے کہ اُس کا ہاتھ کیوں قطع نہ ہونے دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا۔ کہ اُس نے مجھ سے مشورہ لیا تھا۔ اور مشورہ میں امانت کا حکم ہے اگر یہ حکم نہ ہوتا۔ تو میں دل سے تو پسند کرتا تھا کہ ہر روز اس کا ایک ایک عضو قطع کیا جاتا۔

مولانا شبلی نے الفاروق میں قاضی شریح کی تقرری قضا کا واقعہ یوں درج کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کیلئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داعی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اُسے واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا۔ اسپر نزاع ہوئی۔ اور شریح ثالث مقرر کئے گئے انہوں نے کہا کہ اگر گھوڑے کے

مالک سے اجازت لیکر سواری کیلگی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے۔ ورنہ نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اور اسی وقت شریح کو کوڑہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر ایک غیر مذہب نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ حضرت علیؓ اس وقت خود خلیفہ اسلام تھے۔ فریقین طلب ہوئے۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ کو عدالت میں تعظیم دی تو جناب مدوح نے فرمایا کہ قاضی یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ اللہ اکبر جس مبارک زمانہ میں بادشاہ وقت ایک غریب رعایا کی برابر عدالت میں حاضر کیا جاسکتا ہو۔ اُسکی آزادی کا کیا ٹھکانا ہے۔ اور جہاں بادشاہ وقت کو بے موقع تعظیم دینا بھی قابل گرفت حرکت سمجھی جا کر اُس کا ظلم بتایا جاتا ہو وہاں عدالت کرنا کیسا مشکل امر ہے۔

۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ

یعقوب نام ابو یوسف کنیت۔ قاضی القضاة خطاب ۱۱۳ھ کو پیدا ہوئے ہنوز آغوشِ مادر میں شیر خوار تھے کہ باپ نے انتقال کیا۔ بچپن میں چرخہ کات کر اپنی گذران اور اس یتیم یاد دہش کی پرورش کیا کرتی۔ جب کچھ ہوش سنبھالا تو ماں نے ایک ٹھہیرے کی دوکان پر ظروف سی کا بنانا سیکھنے کیلئے بٹھلایا۔ قریب ہی حضرت امام اعظمؒ کا درس تھا۔ یہ دوکان سے اٹھ کر درس میں جا بیٹھتے۔ دکھیا ماں کو جب دوکاندار سے معلوم ہوتا کہ اُس کا بچہ دوکان سے غائب ہے تو وہ حلقہ درسی میں سے اٹھا کر ان کو لیجاتی۔

امام رحمۃ اللہ علیہ نے چند بار اسید طرح ملاحظہ فرمایا۔ اور ابو یوسفؒ بھی چند روز تک درس سے غیر حاضر رہے حتیٰ کہ امام نے خود ان کو طلب فرمایا۔ اور غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ کہا ماں کی اطاعت اور معاش کی ضرورت مجھے غیر حاضر رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ اُس وقت امام رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ ان کو بٹھلائے رکھا۔ جب سب چلے گئے۔ تو سوا روپیہ ان کے حوالے کئے۔ اور فرمایا کہ درس میں آیا کرو۔ جب یہ خرچ ہو لیں تو پھر مجھ سے کہہ دینا۔ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تو زبان سے کبھی نہ کہا کہ آج روپیہ بخشتم ہو گئے لیکن

جس روز وہ ختم ہو جاتے۔ خدا کی قدرت اسی روز امام رحمۃ اللہ علیہ مجھے اور روپیہ دیدیتے
غرض امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی شفقت اور ایسی تربیت کیساتھ انکو روحانی و جسمانی
فوائد و فیوض سے مالا مال بنا دیا۔ کہ خیر کے آخری حصہ میں انہوں نے دین اور دنیا دونوں
سے کافی تمتع اٹھایا۔

ابو یوسف خود ہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ماں مجھے حلقہ درس سے اٹھانے کیواسطے
آئی۔ اور جھنجھلا کر امام رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگی کہ لڑکے کو تو خراب کرتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ یہ
بے پردہ بچہ آنہ دو آنہ کا روزگار سیکھ لے تو اچھا ہے اور تو اسے کتابوں میں لگا لیتا ہے۔ امام
نے فرمایا کہ یہ علم پڑھ کر روغن پستہ کیساتھ فالودہ کھایا کر لگا۔ بڑھیا غصہ میں باہر نکل گئی۔ اور
گلی میں جا کر کہا کہ یہ بوڑھا سٹھیا گیا جو ایسی باتیں کرتا ہے۔

ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں ایک روز قاضی القضاة بن جانے کے بعد ہارون رشید کے
پاس سے اٹھنے لگا۔ اُس نے کہا یعقوب بیٹھ جاؤ۔ آج ہمارے ایک چیز تیار ہوئی ہے جو
ہمیشہ تیار نہیں ہوتی۔ تم بھی کھا کر جانا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہے۔ کہا روغن پستہ والا فالودہ میں
سکر منس پڑا۔ رشید نے وجہ پوچھی میں نے ٹالنا چاہا۔ مگر جب اُس نے نہایت اصرار کیا۔ تو میں نے
تمام قصہ سنا دیا۔ خلیفہ بھی نہایت متعجب ہوا۔ اور بولا بخدا علم میں دینی اور دنیوی فوائد دونوں
ہیں۔ پھر ابو حنیفہ پر رحمت بھیج کر کہتے لگا کہ جو کچھ وہ سر کی آنکھوں سے نہ دیکھ سکتے تھے اُسے
چشم دانش سے دیکھ لیتے تھے۔

تنوخی نے خلیفہ ہارون رشید کے پاس ابو یوسف کی رسائی ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے
کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ابو یوسف کو فہ سے بغداد چلے آئے تھے۔ ایک فوجی
سردار کو حنث مین (قسم کا ٹوٹنا) کے متعلق ایک مسئلہ کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے فتویٰ
دیا کہ قسم نہیں ٹوٹی۔ اُس نے شکرانہ میں بہت سارو پیسے پیش کیا اور اپنی ہمسائیگی میں مکان
بہنے کو دیدیا۔ ایک روز یہی فوجی افسر خلیفہ کے پاس گیا دیکھا منہ موم بیٹھا ہے۔ وجہ دریافت کی
کہا ایک مسئلہ کے متعلق مجھے خلش ہو رہی ہے کسی فقیر کو لاؤ۔ یہ سردار امام ابو یوسف کو لیکر
خود انکا بیان ہے کہ جب میں ایوان کے دروازہ میں داخل ہوا۔ تو ایک مکرہ میں ایک حسین
نوجوان قید دیکھا۔ اُس نے میرے سامنے گر گرتے ہوئے ہاتھ پھیلائے۔ مگر میں اُس کا مدعا
کچھ نہ سمجھا۔ اندر گیا تو خلیفہ نے پوچھا کہ بادشاہ کسی زانی پر اپنے ذاتی معائنہ پر حد شرعی جاری

کرسکتا ہے؛ میں نے کہا نہیں خلیفہ نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ پھر دریافت کیا کہ تم کہاں سے کہتے ہو۔ بتے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَدْرُوا الْحَدَّ وَدَبَّ الشُّبُهَاتِ یعنی جب شبہ ہو جاوے تو ملزم پر سزا شرعی جاری نہ کرو۔ ہاروں رشید نے پوچھا کہ معائنہ کے بعد کیا شبہ رہ سکتا ہے میں نے کہا کہ معائنہ بھی ایک قسم کا علم ہے اور کوئی شخص اپنے ہی علم سے مجرم کو سزا نہیں دے سکتا خلیفہ نے مکرر سجدہ شکر کیا اور مجھے الخام کثیر کے کرخصت کیا۔ خلیفہ نے اُس نوجوان کو آزاد کر دیا۔ اور اُس نے بھی بری ہو کر میرے پاس بہت کچھ بھیجا۔ اور اس واقعہ کے بعد خلیفہ میرے حال پر مہربان ہوتا گیا حتیٰ کہ مجھے قاضی القضاة بنا دیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابو یوسف منور طالب علم ہی تھے کہ سخت مرہض ہو گئے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ انکی عیادت کو گئے ہم بھی ساتھ تھے۔ جب واپس ہو کر ان کے گھر سے نکلے تو امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ جوان مر گیا تو رتے زمین کا عالم ترین شخص مرے گا۔ حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک روز زفر میرے والد امام ابو حنیفہ کے دست چپ اور ابو یوسف دست راست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مسئلہ میں بحث کرنے لگے۔ ابو یوسف کی دلیل کو زفر کاٹ دیتے اور زفر کی دلیل کو ابو یوسف غلط ٹھہرا دیتے تھے۔ یونہی ظہر کا وقت آ گیا۔ جب مؤذن نے اذان دی تو امام اعظم نے دونوں کو خاموش کر دیا۔ اور زفر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس شہر میں ابو یوسف ہو گا وہاں تم سردار نہیں کہلا سکتے۔ مطلب یہ کہ ابو یوسف کو ڈگری دی اور جملہ شاگردان امام میں ابو یوسف کے بعد زفر کا ہی درجہ تھا۔

طاہر بن احمد زبیری کہتے ہیں کہ ایک شخص ابو یوسف کے پاس آیا اور دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ انہوں نے پوچھا کچھ فرمائیے بولا روزہ دار روزہ کب افطار کرے۔ فرمایا آفتاب غروب ہو جائیکے بعد۔ وہ بولا اگر آفتاب آدھی رات تک غروب نہ ہو۔ ابو یوسف مہین پڑے۔ کہا آپ کا خاموش رہنا ہی درست تھا۔ پھر یہ قطعہ پڑھا۔

عَجِبُ لِأَسْرَاءِ الْغَيْبِيِّ بِنَفْسِهِ
وَصَمْتُ الَّذِي قَد كَانَ بِالْقَوْلِ أَعْلَمًا
وَدَبَّ الشُّبُهَاتِ سِرًّا لَخَبِيٍّ وَإِنَّمَا
صَلَفَةُ لِبِ الْمُرِيدِ أَنْ يَتَكَلَّمَ

مجھے بیوقوف کی بیہودہ کوئی اور اپنے آپ کو خود ذلیل کرنے پر اور واقف شخص کے خاموش رہنے پر بہت تعجب آتا ہے۔ حالانکہ بیوقوف کیلئے خاموشی سزا پر وہ ہے اور دانائے کیلئے بولنا ہی سرمایہ دانش ہے۔

شیخ سعدی نے اسی کے حاصل مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔
 دو چیز تیرے عقل است دم فرو بستن بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

دوسرے شعر میں اسی مطلب کو ایک اور پیرایہ میں ادا کیا ہے۔
 کمال است در نفس انسان سخن تو خود را بگفتار ضار یح ممکن

کتاب الجلیس والانیس میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ خط لکھ رہے تھے۔ ایک شخص برابر بیٹھا ہوا
 وز دیدہ نگاہ سے پڑھنے لگا۔ جب خط لکھا جا چکا۔ تو انہوں نے پوچھا۔ کوئی غلطی تو کہیں
 نہیں رہ گئی۔ اُس نے (سادہ لوح سے) کہا نہیں۔ ایک حرف بھی نہیں فرمایا خدا تجھے جزائے
 خیر دے کہ مجھے پڑھنے کی تکلیف سے بچا دیا۔

یحییٰ بن عبد الصمد کہتے ہیں کہ خلیفہ نے ایک باغ کا دعویٰ ابو یوسفؒ کی عدالت میں دائر کیا
 بظاہر خلیفہ سچا معلوم دیتا تھا۔ مگر درحقیقت مدعا علیہ جو ایک غریب شخص تھا۔ حق پر تھا۔
 ایک روز خلیفہ نے کہا کہ آپ نے میرے مقدمہ میں کچھ فیصلہ نہ دیا؟ انہوں نے مصلحتاً کہا کہ مدعی علیہ
 یہ کہتا ہے کہ مدعی حلف اٹھائے کہ اُس کے گواہوں نے صحیح شہادت ادا کی ہے۔ خلیفہ نے کہا
 کیا مدعی سے ایسا حلف لینے کا قاعدہ ہے؟ ابو یوسفؒ نے کہا ہاں۔ امام ابن ابی لیلیٰ کا یہی مذہب
 تھا۔ خلیفہ نے کہا مجھے حلف نہ دلاؤ۔ میں دعویٰ سے دست بردار ہوتا ہوں۔ امام ابو یوسفؒ
 کو معلوم تھا کہ خلیفہ حلف نہ اٹھائے گا اس لیے غریب مدعا علیہ کو بچانے کی واسطے یہ تقریر
 کی تھی۔

ایک کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ ہارون رشید کا گزر شہر مبارک (بغداد اور واسطہ کے درمیان
 لبِ جبلہ پر ایک شہر کا نام ہے) سے ہوا۔ وہاں کے قاضی نے لوگوں کو کہا کہ خلیفہ اور قاضی
 القضاة کے سامنے میری تعریف کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ یہ قاضی خود ہی لباس بدل کر
 سر راہ کھڑا ہو گیا جب خلیفہ کی سواری برآئی تو کہا اے امیر المؤمنین ہمارا قاضی بہت ہی
 اچھا اور بہت ہی سچا ہے۔ وہاں سے آگے بڑھ کر دوسرے راہ پر جا کھڑا ہوا۔ اور اسی طرح
 نعرہ لگایا۔ ہارون رشید نے ابو یوسفؒ کی طرف دیکھ کر کہا کہ جس قاضی کی تعریف ایک شخص کے
 سوا کوئی دوسرا نہیں کرتا وہ بیشک اچھا نہ ہوگا۔ ابو یوسفؒ نے کہا حضور کو تعجب ہوگا کہ قاضی
 خود ہی ہے جو اپنے منہ سے اپنی تعریف کر رہا ہے۔ ہارون رشید ہنس پڑا۔ کہا بیشک اسے
 کبھی مغزول نہ کرنا چاہیے۔ پھر ابو یوسفؒ نے پوچھا کہ کیا تم ایسے لوگوں کو ہی قاضی مقرر کیا

کرتے ہو۔ کہا مدت تک امیدوار رہا۔ اور سخت لاپچار تھا۔ اس لئے یمنے اُسے یہ جگہ دیدی۔

ایک دفعہ ہارون رشید نے پوچھا ہم نے سنا ہے کہ جو لوگ تمہارے سامنے آکر شہادت دیتے ہیں اور تم ان کی شہادت مان بھی لیتے ہو۔ یہ بناوٹی ہوتی ہیں۔ ابو یوسف نے کہا ہاں یہ میرا قول ہے۔ رشید نے پوچھا کیونکر۔ کہا جو لوگ مستور الحال یا امانتدار ہیں وہ تم سے واقف اور نہ ہم ان سے آگاہ۔ اور جن شخصوں کا جھوٹا علمانیہ ظاہر ہو چکا ہے وہ نہ ہمارے سامنے آسکتے ہیں اور نہ ہم انکی شہادت قبول کر سکتے ہیں۔ پس یہ بناوٹی لوگ ہی رہ گئے۔ ہارون بولا سچ ہے اصلیت یہی ہے۔

ہلال بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابو یوسف "تفسیر معازی اور ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ تو ان کے اقل علوم میں سے تھی۔

طلح بن محمد بن جعفر کہتے ہیں ابو یوسف مشہور الامر ظاہر الفضل شخص ہیں۔ ان کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر فقہ اور کوئی نہ تھا۔ علم و حکمت۔ قدر و عظمت میں اعلیٰ درجہ پر پہنچے ہوئے تھے یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفیہ میں اصول تحریر کئے اور مسائل کو لکھ کر پھیلایا۔

عمار بن ابومالک کہتے ہیں کہ اگر ابو یوسف نہ ہوتے تو کوئی شخص ابو حنیفہ اور ابن لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہما کا نام بھی نہ جانتا۔ انہیں نے دونوں کے اقوال کو پھیلایا اور ان کے علم کو شائع کیا۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ابو یوسف فقہ عالم۔ حافظ حافظ سے امتدین کی تصنیفات میں حافظ الحدیث ہوتا ہے) تھے انہوں نے حدیث ابوالسحر شیبانی سلیمان بن یحییٰ بن سعد انصاری۔ اعمش ہشام بن عروہ۔ عطاء بن سائب۔ محمد بن یسار وغیرہ اس طبقہ کے علماء سے سنی تھی یہ پہلے محمد بن ابی لیلیٰ کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ آخر میں ابو حنیفہ کی محبت کو سب پر اختیار کر لیا تھا۔

یہ پہلے شخص ہیں جن کو قاضی القضاة کا خطاب ملا۔ نیز پہلے شخص ہیں جنہوں نے علماء کیلئے مینر لباس تجویز کیا۔ ابن عبدالبر ان کے ذہن کے متعلق لکھتے ہیں کہ پاس ساٹھ حدیثوں کو ایک دوشن کر حفظ کر لیتے تھے۔

طہری کہتے ہیں کہ بعض اہل حدیث نے ان سے روایت کرنے میں پرہیز کیا ہے۔ کیونکہ ان کے مزاج میں رائے کو بہت دخل تھا لیکن یہ بھی متحقق ہے کہ ابن معین اور امام بن حنبل

اور علی بن مدائن کو انکی ثقاہت میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔

ابو یوسف سے بھی روایت ہے کہ ایک دفعہ اعمش نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ میں نے بتلا دیا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے کہاں سے جواب نکالا ہے۔ میں نے وہ حدیث جو انہی سے سنی تھی پر طھی اور وجہ استدلال بیان کی۔ اعمش بولے بخدا یہ حدیث تو مجھے اس وقت سے یاد ہے کہ تو ہنوز پیدا بھی نہیں ہوا ہو گا۔ لیکن یہ آج ہی مجھ میں آیا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے۔ ابن حزم طاہری اور اسی کے قول کے موافق شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ فقہ حنفیہ کے تمام ممالک میں پھیل جائیگی وجہ یہ ہوئی کہ ابو یوسف قاضی القضاة ہو گئے تھے۔ اور قاضیوں کا تقرر ان کے حکم سے ہوتا تھا۔ وہ اسی شخص کو مقرر کرتے جو فقہ حنفیہ کے موافق فیصلے کیا کرتا۔ ابن حزم لکھتا ہے کہ مذہب مالکیہ بھی مصر اور افریقہ میں اسطرح یحییٰ بن یحییٰ اندلسی کے ذریعہ حکومت کی تائید سے پھیلا تھا۔

قاضی ابو یوسف کا سلسلہ نسب تین واسطہ سے سعد بن اجتہ سے جا ملتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور انصاری تھے۔ انکا انتقال ۱۸۲ھ کو شہر بغداد میں ہوا۔ ان کا فرزند یوسف بھی اپنے باپ کی زندگی میں بغداد کے حصہ مشرقی کا قاضی تھا اور علم و فضل میں مسلم شہر انکے حالات سے قوم اور خصوصاً اہل علم کو سبق حاصل کرنا چاہئے کہ ہمارے متقدمین اور آئمہ ہدی نے کبھی مفلسی اور تنگدستی کا مقابلہ کرتے ہوئے کیسے علم کو حاصل کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ اور پھر خداوند کریم انکی محنتوں کا ایک عظیم الشان نتیجہ دیتا تھا کسی نے سچ کہا ہے۔

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی کسب کمال ہیج نیر زد عزیز ما۔

قاضی ابو یوسف محمد بن ابی اؤد

سلسلہ نسب انکے واسطہ سے محمد بن عدنان تک ملتا ہے۔ مروّت اور فتوحات کیلئے مشہور تھا۔ پہلے ماموں رشید کا مصاحب رہا۔ اُسکے بعد معتصم کے عہد میں قاضی القضاة ہو گیا۔ ماموں رشید کے دربار میں پہنچنے کی بابت دو روایتیں ہیں۔

(۱) ایک روز ماموں نے قاضی یحییٰ کو بلا بھیجا کہ تم اسی وقت میرے پاس چلے آؤ۔ اور

جتنے آدمی مہارے پاس بیٹھے ہوئے ہوں۔ ان کو بھی ساتھ لاؤ۔ ابن ابی داؤد بھی جو قاضی یحییٰ کا دوست تھا بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی گیا جب سلسلہ کلام شروع ہوا تو ماموں نے ابن ابی داؤد کے طرز کلام اور خوبی گفتار کو نہایت پسند کیا اور کہا تم آج تک بہار سے کیوں دور رہے ابن ابی داؤد لکھتا ہے کہ میں تو کیا کہتا کہ قاضی یحییٰ نے ہی مجھے پیش نہیں کیا لیکن یہ کہہ دیا کہ ہر ایک امر کیلئے وقت مقرر ہے۔ حکم دیا ہلا روک لو کن ہمیشہ حاضر ہوا کرو۔

(۲) جب ماموں رشید خراسان سے بغداد پہنچا تو قاضی یحییٰ کو کہا کہ میرے لئے مصاحبین پسند کرو۔ قاضی صاحب نے ہمیں شخص انتخاب کئے۔ خلیفہ نے کہا ان میں سے بھی انتخاب کرو۔ قاضی صاحب نے دس رکھے۔ خلیفہ نے کہا ان میں سے بھی انتخاب کرو۔ قاضی صاحب نے پانچ رکھے ابن ابی داؤد ہر ایک انتخاب میں شامل تھا۔

ماموں رشید جب تک زندہ رہا ابن ابی داؤد کی نہایت توقیر کرتا رہا۔ مرتے ہوئے جب اپنے بھائی معتصم کو وصیت کرنے لگا تو یہ بھی کہا کہ ابن ابی داؤد کو ہر ایک مشورہ میں شریک رکھنا کیونکہ اس میں مشورت کی اہلیت پائی جاتی ہے۔

معتصم نے والی بنتے ہی قاضی یحییٰ کو معزول کر کے ابن ابی داؤد کو قضاۃ بنا دیا۔ اور کوئی ملکی راز یا ذاتی کام خلیفہ کا ایسا نہ تھا جس میں ابن ابی داؤد کی رائے شامل نہ ہوتی۔ لاذن بن اسمعیل کا قول ہے کہ میں نے آج تک کوئی شخص نہیں دیکھا جو دوسرے کی ایسی اطاعت کرتا ہو۔ جیسے خلیفہ معتصم قاضی ابن ابی داؤد کی گرتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑی سی رقم کے متعلق خلیفہ سے درخواست کی جاتی ہے اور وہ نامنظور ہوتی ہے۔ مگر ابن ابی داؤد آتا ہے اور لاکھوں روپوں کے مصارف کی منظوری اہل عرب و عراق وغیرہ کیلئے حاصل کر لیتا ہے۔

مرزبان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابن ابی داؤد قفسرین میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ تاجر تھا۔ بیٹے کو سفر میں ساتھ رکھتا اور علم پڑھا تا فقہ اور کلام میں درجہ عالی اس کو نصیب ہوا تھا۔ چونکہ ہیراج بن علاء سلی کے ساتھ یارانہ تھا اس لئے معتزل الذہب ہو گیا تھا۔ ابوالعیناء کا قول ہے کہ ابن ابی داؤد نامی شاعر اور نہایت فصیح و بلیغ ہے اور ہم نے کسی رئیس کو اس سے بڑھ کر فصیح اور بہت زیادہ بولنے والا نہیں دیکھا۔

ابراہیم بن حسن کہتا ہے کہ ہم ماموں رشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ذکر چل پڑا کہ لیلۃ العقیبہ کو انصار میں سے کس کس نے بیعت کی تھی۔ کوئی کسی کا نام لیتا کوئی کسی کا اتنے میں ابن ابی داؤد

بھی آگیا۔ ماموں نے اس سے پوچھا اس نے فوراً سب کے نام اور کنیت محمد ان کے نسب کے بیان کر دیئے۔ ماموں نے کہا اگر کسی فاضل کو پاس بٹھانا ہو تو ابن ابی داؤد جیسا چاہیے۔ ابن ابی داؤد بولا کہ جب کوئی حاکم مجلس علم منعقد کرے تو امیر المؤمنین جیسا چاہیے جو ہمارے قول کو سمجھتے ہیں اور خود ہم سے بڑھ کر علم رکھتے ہیں۔ ابن ابی داؤد کا قول ہے کہ کوئی شخص کامل نہیں کہلا سکتا جب تک اُسے یہ درجہ نصیب نہ ہو کہ بادشاہ اُس کو مفلسانہ حالت میں ہی متبر پر بٹھلائے۔ اور وزیر جیسا عہدہ دار جو اُس کا دشمن ہو وہ نیچے بیٹھا ہوا ہو۔

اسحق بن ابراہیم موصلی کہتا ہے کہ پہلے خلفاء کے دربار میں دستور یہ تھا کہ جب تک خلیفہ کسی کو نہ بلائے کوئی شخص بول نہ سکتا تھا لیکن ابن ابی داؤد ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دربار میں خلیفہ کی اتھ گفٹگو کرنے میں ابتداء کی۔

ابوالعیناء کہتا ہے کہ افشین (حاکم عدالت العالیہ) اور ابوالف قاسم بن عیسیٰ کی آپس میں دشمنی تھی۔ افشین نے اُس پر ایک مقدمہ قائم کیا اور مستوجب قتل ٹھہرا کر قتل کا حکم دے دیا۔ جب قاسم بچڑا گیا اور جلاؤ منگوا لیا گیا۔ تب ابن ابی داؤد کو خیر ہوئی۔ اُس وقت سوار ہو کر افشین کے مکان پر پہنچا اور اپنے اجباب کو ساتھ لیتا گیا۔ کہا میں امیر المؤمنین کا حکم لے کر آیا ہوں فرمایا ہے کہ قاسم کو کوئی زنا نہ دیجائے جب تک ہمارے سامنے پیش نہ ہوئے۔ پھر ساتھ والوں کو کہا کہ تم گواہ رہو۔ میں نے امیر المؤمنین کا حکم پہنچا دیا۔ اور قاسم اب تک زندہ صحیح و سلامت ہے اتنا کہہ کر معتصم کے پاس پہنچا۔ کہا میں حضور کی جانب سے ایک حکم پہنچا ہے جو مجھ کو حضور نے نڈیا تھا۔ لیکن ابجا میری نیت بخیر تھی۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ امیر المؤمنین اُس حکم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ٹھہریں گے۔ پھر سارا قصہ بنا دیا۔ معتصم خلیفہ نے اُسکی رائے کو پسند کیا اور حاکم پر سخت عتاب کیا۔

(الف) ابوالعیناء نے بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ معتصم محمد بن جہم برکی پر نہایت خفا ہوا۔ اور قتل کا حکم دیدیا۔ منہ پر گردنی باندھی گئی تھی۔ اور جلاؤ نے تلوار نکال لی تھی۔ کہ ابن ابی داؤد بھی پہنچ گیا۔ کہا حضور اسے قتل تو کرتے ہیں مگر اسکے مال و دولت پر تصرف نہ کر سکتے۔ حالانکہ یہ مالدار بہت ہے۔ خلیفہ نے کہا کیوں؟ ہم کو کون روک سکتا ہے۔ کہا خدا اور رسول خدا ایسے مصرف کو ناجائز ٹھہراتے ہیں۔ اور امیر المؤمنین کا عدل اس کو ناپسند کرتا ہے۔ کیونکہ قتل کے

کے بعد مال و ایشیا کو ملنا چاہیے۔ حضور کیوں ایسا نہیں کرتے کہ اسکی خیانت کی تحقیقات کیجائے اور پورے ثبوت کے بعد اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا جائے۔ خلیفہ نے کہا بہتر اسے زنداں میں بھیجا جائے اور اسکی تحقیقات شروع ہوں۔ بالآخر آفت مال پر ٹل گئی اور جان بچ گئی۔

جاسط کہتا ہے کہ خلیفہ معتصم ایک شخص پر جو داؤد ابہ وراثت کا باشرہ تھا تھا ہوا۔ اس کو بلایا اس کے قصور سے بتلائے پھر قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ابی داؤد بولا حضور سے تو مغزولی کی تلوار پہلے ہی قتل کر چکی ہے اور یہ بیچارہ محض مظلوم ہے۔ خلیفہ چپ کر گیا۔

ابن ابی داؤد لکھتا ہے کہ مجھے زور کا پیشاب آ رہا تھا جسے میں روک نہ سکتا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ میں اٹھا اور یہ شخص مارا گیا۔ مینے کپڑے کو نیچے رکھ کر پیشاب کر لیا اور جب تک اسکی رگامی کا حکم نہ ہوا بیٹھا رہا پھر جب وہاں سے اٹھ کر آئے لگا۔ تو خلیفہ کی نظر میرے بھگے ہوئے کپڑوں پر پڑی۔ کہا ابو عبید اللہ! جہاں تم بیٹھے تھے کیا یہاں پانی تھا۔ مینے کہا نہیں بلکہ بات یہ ہے سارا قصہ سنا دیا۔ خلیفہ خوب ہنسنا کہا بارگاہ ائدائے تم نے خوب کیا۔ پھر ایک لاکھ درم کے انعام دئے جائیکہ حکم دیا۔

ابوالخینہ لکھتا ہے کہ خلیفہ معتصم خالد بن یزید پر خفا ہوا۔ اور مغزول کر کے اسے بغداد بلا لیا۔ اور سخت عقوبت کا ارادہ کیا ابن ابی داؤد نے اسکی سفارش بھی کی۔ لیکن خلیفہ نے منظور نہ کی اگلے روز دربار ہوا جس میں خالد کی سزا کا حکم جاری ہونا تھا۔ ابن ابی داؤد اپنی نشست کو چھوڑ کر بہت نیچے جا بیٹھا۔ خلیفہ نے کہا تم وہاں کیوں جا بیٹھے۔ کہا ہے یہاں ہی بیٹھنا چاہیے پوچھا کیوں؟ کہا لوگوں کا خیال ہے کہ اب میرا وہ درجہ نہیں رہا کہ اگر میں قریب بیٹھ کر کسی کے بارے میں سفارش کروں تو وہ منظور کیجائے۔ خلیفہ نے کہا اپنی جگہ بیٹھو۔ کہا میری عرض بھی قبول ہوگی یا نہیں۔ کہا ہاں۔ قاضی اٹھ کر اپنی جگہ آ بیٹھا کہا حضور نے خالد کو معاف تو کر ہی دیا۔ جہی مجھے یہاں بٹھلایا ہے۔ لیکن لوگوں کو یہ ثابت ہوگا کہ امیر المؤمنین دراصل بھی اس سے خوشنود ہو گئے ہیں یا نہیں اس لئے بہتر ہے کہ اسے خلعت سے ممتاز کیا جاوے۔ خلیفہ نے خلعت کا حکم دیدیا۔ پھر کہا حضور اسوقت خالد اور اس کے ہمراہیوں کی ایسی حالت ہے کہ چھ ماہ تک اپنی حالت کو درست کرینگے اس لئے اگر ان کے چھ ماہ کے گزارہ کا انتظام ہو جائے تو صلہ بھی ہے اور صدقہ بھی۔ خلیفہ نے یہ بھی منظور کیا۔ خالد دربار سے خلعت و

و مال لے کر نکلا اور لوگ باہر کھڑے ہوئے خیال کرتے تھے کہ اُس کا تن بے سر اور سر بے تن ہی نظر آئے گا۔ ایک شخص یہ حالت دیکھ کر پکار اٹھا کہ اے سردار عرب! تمہاری رہائی پر سب گنڈا ہو رہے ہیں۔ خالد بولا چپ کر سردار عرب تو ابن ابی داؤد ہے۔

الغرض یہ شخص مروت و فتوت۔ پاسداری و وفا صلہ و احسان رسانی میں ضرب المثل ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ تعصب مذہبی کی وجہ سے اسی شخص نے مسئلہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو محنت و مصیبت میں گرفتار کرایا تھا۔ ابن ابی داؤد معتصم اور واثق بافتی کی خلافت میں قاضی القضاة رہا۔ متوکل کے شروع زمانہ خلافت میں اُس پر فوج گرامحرم ۲۲ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

مفتی صدر الدین صدر الصد

صدر الدین صاحب آخرین فضلاء دہلی میں جو غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی کے چشم و چراغ اور ہندوستان کیلئے مایہ فخر و ناز ہو چکے ہیں۔ یہ کشمیری الاصل تھے۔ آباؤ اجداد سے علم گھر کی لونڈی بنا ہوا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ علوم معقول میں مولوی فضل امام صاحب خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ اور علوم منقول میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا تلمذ رکھتے تھے صرف و نحو منطق معانی و بہان۔ ادب و النشار فقہ و حدیث و تفسیر علوم حکمت و ریاضیات میں ید طولی رکھتے تھے اور جہلہ علوم کا درس دیا کرتے۔ دہلی میں جو اعزاز ان کا تھا وہ کم کسی شخص کو حاصل ہوا ہو گا۔ لال قلم کے بادشاہ کے سوا۔ اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کے مکان پر حاضر نہ ہوتا ہو۔ طلباء تحصیل علم کیلئے۔ اہل دنیا اپنے معاملات میں مشورہ و صلاح کے لئے۔ انشانگارا صلاح انشائے اور شعراء مشاعرہ کیلئے اہل دولت بتقریب مقدمات اور اہل علم بحیث اکتساب کمالات۔ غرض ہر طبقہ کے لوگ حاضر باش رہتے تھے۔ شاہی مختلف عہدوں پر ممتاز رہے۔ اور بالآخر مفتی سلطنت اور دہلی و نواح دہلی کیلئے اعلیٰ حاکم دیوانی تھے جسے صدر الصدور کہا کرتے یا وجود اشغال کثیرہ طلبہ کو پڑھانیکا بہانت شوق تھا۔ جامع مسجد دہلی کے نیچے دارالافتاء نام مدرسہ جاری کر رکھا تھا۔ وہاں کے سب طالب علموں کو

لباس و خوراک اپنے ہاں سے دیتے۔ اور بعض کو مزید برآں وظیفہ بھی۔

ایک دفعہ صدر الصدور صاحب کا ارادہ کلکتہ جائیکا ہوا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان کو مولوی امین اللہ کے نام جو ایک مدرسہ کے مہتمم تھے خط لکھ کر دیا۔ اس خط کے چند الفاظ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ شاہ عبدالعزیز جیسے نامور فاضل کے خیالات اپنے نام بردار شاگرد کی نسبت کیا تھے۔

”دیں دلا مولوی صدر الدین صاحب کہ از فضلائے نامدار این بلدہ ماہولہ اند و در اکثر فنون عقلی و نقلی از عربیت و ادب اصول و فقہ و کلام و ہم فنون فارسی مہارت تمام دارند۔ و اکثر مراجعت تحقیقات نفیہ علوم در فقیر خانہ نمودہ اند و معہذا نسبت ارادت و اتحاد با فقیر موروثی دارند و جدا مجد ایشال از فضلائے معتبر و خلص اصحاب و تلامذہ در جناب حضرت والد ماجد فقیر بودہ اند“

الْقَوْمِ إِخْوَانٍ صِدْقٍ بَيْنَهُمْ سَبَبٌ
مِنَ الْمَوَدَّةِ لَمْ يَحْتَمِلْ بِدِ الشَّبَابِ

عازم دارالامارت کلکتہ بتقریبات چند در چند اند۔ الشاہ اللہ تعالیٰ ملاقات سامی خواہند نمود مراعات جہات مذکورہ در حسن تعلق و اعزاز و اکرام ایشال مہما ممکن مد نظر سامی باشد“
نواب صدیق حسن مرحوم جو کثرت تصانیف میں اپنے معاصرین سے بہت بڑھے ہوئے ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ میں دو سال تک انکی خدمت میں حاضر رہا۔ انکی محبت مریمانہ اور عطوفت بزرگانہ اب تک مایہ افتخار ہے۔ زیارات بزرگان دہلی کی وقت میں ہر کاب اور فضلائے عصر کی تشریف آوری کے وقت میں حاضر باش در گاہ ہوتا تھا۔

مفتی صاحب کو شعر و سخن سے کچھ ایسی الفت تھی کہ بایں ہمہ پیرانہ سالی اس مذاق میں ذرا فرق نہ آیا۔ عربی فارسی اردو میں خود بھی شعر و نثر کا شوق فرمایا کرتے اور دیگر شعراء کے کلام سے بھی حظ اٹھایا کرتے تخلص آزرہ تھا۔ اور کلام میں بھی ولولہ محبت اور نوحہ مصیبت اس قدر بھرا تھا کہ تخلص کی موزونی کا بیٹن ثبوت تھا۔ شعر خوانی کا انداز بھی غضب کا دردناک اور موثر تھا۔ اور اسکا اندازہ وہی لوگ بہ خوبی کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے کانوں سے انکے کلام کو سنا ہے۔

آنرہیل سید احمد خاں کے آثار الصنادید میں انکی غزلیات فارسی اور گلشن بخاری میں کلام اردو کے نمونے درج ہیں۔ چند اشعار یہاں بھی درج کرتا ہوں۔

وكنة كعصنة بانة قد تالفنا | ہماری مثال ان دو شاخوں کی سی تھی جو ایک تخت پر لیٹ
 علی دو حجتی استظلالا وایعنا | گئی ہوں اور یا برگ یا رہو گئی ہوں۔
 یغنیہا صدح الحمام مرجعا | جنہیں کبوتر نے پیانے نغموں سے خوش کیا ہو اور سحاب نے
 ویسقیہا کاس السحاب مترعا | چھلکتے ہوئے پیالوں سے مسرور بنایا ہو۔
 سلیمان من خطب انوا اذا سطا | نہ دستبر و زمانہ کا ڈر تھا۔ نہ حاسدوں کی چغل خوری
 خلیین من قول الحسوا اذا سعا | کا غم۔
 ففارق من غیر ذنب جنیتہ | اسی حالت میں بلا کسی قصور کے وہ مجھ سے جدا ہو گیا
 والقی بقلبی حرقة و توجعا | اور مجھے درد و سوزش میں چھوڑ گیا۔
 عفا اللہ عنہ ما جناہ فاننی | خدا اس کے گناہ کو معاف کرے۔ میں تو اپنے عہد پر
 حفظت لہ العہد التقدیم و ضیعا | قائم ہوں۔
 یہ ایسے شعر معلوم ہوتے ہیں کہ وفات زوجہ پر لکھے گئے ہوں۔
 فارسی کی غزل یہ ہے۔

خواہم دم دعا بدعا ناگریستن | شد بس کہ بے اثر بہ دعا ناگریستن
 از اشک ریزی مرہ خالی نشدلم | خواہم چو زخم از ہمہ اجزا ناگریستن
 واعظا اگر بیاد قدے گریہ نارواست | باز از چہ روست نے طوبی ناگریستن
 رشور شدن چو برق بود با طیبیدم | اے ابر باگریستن ناگریستن۔
 در عیش بقرام و در غم بہ تیج و تاب | خندیدم شبیہ بود باگریستن
 دل را ہمیشہ خند من خون چو چشم | بشکافدم جگر قلم آساگریستن
 موج بزن کہ ترکتم ابر بہار را | اے دیدہ تاب کے امدار ناگریستن
 اے دل بیا کہ خاک کلم ابر و برق را | از تو بخول طپیدن و از ناگریستن

یہ غزل عرفی کی مشہور غزل کے جواب میں ہے جسکا مقطع ضرب المثل سے ہے
 عرفی اگر یہ گریہ میر شدے صیال | صیال سے تو ال بہ تمنا ناگریستن
 ایک دفعہ مفتی صاحب محکمہ نزول کے افسر ہو گئے۔ کام کی کثرت تھی۔ طلبہ کے سبق میں ٹانگے ہونے
 لگے ایک شاگرد نے تاریخ لکھی اور مادہ تاریخ میں کمال کر دکھایا۔

آلف بدست چپے بینی فشرہ لفت | بیماری نزول یہ صد الصدور شد

مفتی صاحب صدر الصدور تھے۔ انکی عدالت میں ایک ساہوکار نے مرزا غالب پر رقم قرضہ کا دعویٰ دائر کیا۔ مرزا صاحب کو جواب دعویٰ کیلئے عدالت میں بلایا گیا۔ تو انہوں نے جواب دعویٰ کہو یا اقرار دعویٰ کی جگہ یہ شعر پڑھ کر منیات

مفت کی پیتے تھے مے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہاں بے رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

مفتی صاحب نے مدعی کو ڈگری دیکر مذمت دعویہ خود ادا کر دیا۔

برائے تمام سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں ایسے فاضل جامع کمالات اور مصدر فیوض و احسانات کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ ساکت ہے۔ تمام عمر عیش و رفاہت میں گزری۔ مگر عمر کے آخری بارہ سال بہانت کٹھن تھے۔ غارت ۸۵ء کے بعد انپر جرم لگایا گیا کہ انہوں نے باغیوں کو گورنٹ کیساتھ جنگ کیلئے جواز کا

فتویٰ دیا تھا جس جرم میں تمام گھر بار جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط کر لی گئی اور مفتی صاحب بھی چند ماہ تک قید رہے لیکن پھر نیک اور رحمدل حاکم نے انکو رہا کر دیا۔ اگرچہ معاش کی کوئی صورت نہ رہی تھی لیکن کیا مجال کہ غنیمت میں خدایق آجائے یا حرف شکوہ و گلہ زبان تک آئے الہی ایام میں ایک شاگرد کو خط میں لکھتے ہیں الحمد للہ

ماحال برزشتہ آمد و شد الفاس دست دارم و اوقاف عمر باقی ماندہ (چنانکہ دل مخواست) در گذراست سے بے غم عشق تو صد حیف زعمے کہ گذشت پیش ازین کاش گرفتار غمت مے بودم

اللہ تعالیٰ توفیق طاعت امتثال احکام تشریحی از اوامرو نوای تسلیم احکام ارادی از صبر و سنا و موافقت و فنا از زانی فرماید۔ و مثبت استقامت بران عطا نماید۔ و پائے ہمت ازین جاوہ صواب و طوق مستقیم نہ لغزاند۔ در اوقاف خاصہ از دعائے حسن خاتمت و نکوئی عاقبت مبالغہ نرود۔

ہمت نگر کہ ہر ورق دفتر امید صد پارہ کردہ ایم و بہ خون تاب شستہ ایم شکر و سپاس از وہ بے مثال ہر آن وہر لمحہ مودی میگویم کہ تلمیذ و تاسفے بر زوال زحارف دنیا کہ عبارت از اسباب و سامان تعیش و ساز و برگ نیت حیات فیوی بود اصلاب بخاطرم خطور نمیکند۔ مگر بمقتضای بشریت و اپیر دل پیر ما سے بے رنج و آرام اور اصل کہ برائے سفر حجاز و اقامت آنجا در اوقات باقی حیات مستحار کہ سلعتے بیش نیست کافی و بسند با

دوم دست بہم دلون بعضے کتب دینیہ از تفسیر حدیث و علی کہ نافع در دین است لغو بوعلی و تراژ آوری۔

سال ولادت لفظ پیرانغ اور سال وفات لفظ چرخ دو جہاں سے لکھتا ہے۔ اکاسی سال کی عمر میں ۱۲۸۵ھ کو جس خاک سے نکلے تھے اسی کے پیوند ہو گئے وہی میں مدفون ہیں۔ مرزا غالب و مومن اور نواب

حسرتی وغیرہ نے ان کی مدح میں قصاید تحریر کئے ہیں۔

شعر اور ادب

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

حسان بن ثابت بن منذر بن حرام عرب قحطانیہ میں سے ہیں۔ ابو الولید کنیت تھی ۶۲ھ ۶۷ھ
 ریاست ۱۰ سال قبل از ہجرت یثرب میں پیدا ہوئے اور ابتدا ہی شعر و سخن کی طرف متوجہ ہو گئے
 قبل از اسلام مدینہ اور تمام حجاز کے شاعروں کا طریق یہ تھا کہ عرب متنصرہ بادشاہوں کی (جو
 شام میں آل عسّان تھے اور عراق میں آل منذر) طرح کیا کرتے تھے۔ حضرت حسان شاہان عسّان
 کی طرف متوجہ تھے۔ بصرے میں عمرو بن حارث اور حارث بن ابو شمر اور بلقاء میں جبیل بن الالبکم
 انکے خاص مدوح تھے۔ انکی اور انکے خاندان کی تعریف میں بڑے بڑے پر زور قصیدے لکھا
 کرتے تھے۔

جبیل کے دربار میں ایک دفعہ نابغۃ الذبیانی اور علقمہ بن عبیدہ (جہا بلتیت کے مشہور و مسلم شعراء)
 کے ساتھ مشاعرہ اور مطارحہ کا اتفاق ہوا۔ تو جبیل نے اعتراف کیا کہ حسان بھی ان دونوں سے
 کم نہیں پھر تین سو دینار اور دس پارچہ کا خلعت دیکر حکم دیا کہ ہر سال تم کو اس قدر انعام ملجایا کرتے
 جبیل ملک بلقاء اور حارث (والی بصری) میں باہم کچھ چشک بھی تھی اور قرابت بھی۔ شاعر
 اسکے دربار میں بھی جایا کرتے اور اسکے دربار میں بھی لیکن ایک کا ذکر دوسرے کے دربار میں ہرگز
 نہ کیا کرتے۔

حضرت حسان کہتے ہیں کہ میں حارث کے دربار میں کبھی نہ گیا تھا۔ ایک دفعہ اُسکی طرح میں قصیدہ
 لکھا اور بصری پہنچا دربار میں حاضر ہونے کیلئے گیا تو مجھے سردار ڈیور ہی ملا۔ کہا بادشاہ تمہارے
 آنے سے خوش ہے اور وہ ضرور تمہارے سامنے جبیل کا ذکر چھیڑے گا۔ لیکن دیکھنا تم کہیں اُسے
 برا کہنے لگ جاؤ۔ بلکہ وہ تم کو آزاد دینگا۔ اگر تم نے اُسکی برائی کی تو تم سے نفرت کرنے لگیگا۔ اور اگر

تم نے اسکی تعریف بھی چوڑی کی تو اسے ناگوار گذرے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم اس ذکر کو
 ٹال دینا۔ اور اگر تمہاری موجودگی میں کھانا آجائے تو تم کھانے پر نہ بیٹھنا۔ کیونکہ بادشاہ کا مزاج
 ایسا ہے کہ اسے درہم و دینار کا خرچ کر دینا تو ناگوار نہیں ہوتا۔ مگر کھانا کھلانا بہت شاق
 گذرتا ہے۔ غرض جب تک خصوصیت سے تم کو حکم نہ دے اسوقت تک دسترخوان پر نہ بیٹھنا
 اور اگر حکم بھی اُس نے دیدیا تو تب بھی برائے نام ہی کھاتے رہنا حضرت حسان کہتے ہیں کہ میں
 اُس سردار کا شکر یہ ادا کر کے اندر پہنچا۔ بادشاہ نے مجھے وطن و اہل وطن اور معیشت وغیرہ کے متعلق
 سوالات کئے۔ جن کے میں جواب دیتا رہا۔ اسی سلسلہ میں جبکہ کا بھی ذکر کیا۔ کہا تو نے ہم کو تو چھوڑ
 ہی رکھا ہے۔ اور جبکہ کا ہی ہو رہا ہے۔ بتلاؤ کہ وہ کیسا ہے۔ میں نے کہا جبکہ اور آپ ایک ہی
 ہیں یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ پھر کھانا آیا۔ اور بادشاہ نے بڑے بڑے لقمہ اٹھا کر کھانا شروع کیا۔
 تھوڑی دیر کے بعد مجھے اشارہ کیا کہ شریک طعام ہو جاؤ۔ میں بھی ساتھ بیٹھ گیا۔ اور برائے نام
 کھاتا رہا۔ اس کے بعد گونا گوں شراب لائی گئی اور روم کے مطرب اپنے اپنے ساز لیکر حاضر ہو
 دو۔ شراب شروع ہوا۔ بادشاہ نے مجھے بھی جام لینے کیلئے کہا۔ میں نے انکار کر دیا۔ اُس نے مکرر کہا
 تو میں نے جام لے لیا۔ اور جب کچھ سرور ہو گیا۔ تو اپنے اشارتاً شروع کیئے جو حارث کو بہت
 ہی پسند آئے۔ اسطرح میں چند روز وہاں ٹھہرا رہا۔ ایک روز سردار ڈیوڑھی نے مجھے اطلاع
 دی کہ تاجہ آگیا ہے بادشاہ اس کے سامنے کسی شاعر کی عزت نہیں کرتا۔ اس لئے یہ مناسب
 ہے کہ تم اجازت حاصل کر لو۔ میں نے اجازت حاصل کی۔ حارث نے ۵۰ دینار ایک خلعت
 دو گھوڑے مجھے عطا فرمائے۔ اور میں وہاں سے چلا آیا۔

غرض اسلام سے پہلے انکا یہی حال تھا کہ بلقاء اور حوران اور عراق میں گشت لگایا کرتے
 اور ملک و امراء سے بڑے بڑے صلہ و انعام حاصل کیا کرتے تھے۔ اور ان انعامات کی وجہ سے
 ایسے متمول ہو گئے تھے کہ چاندی برتنوں میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جب رسول خدا صلی اللہ
 علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لینگے۔ تو حضرت حسان بھی مسلمان ہو گئے اور تمام بادشاہ
 دنیا کو چھوڑ کر اس بادشاہ صدوی و معنوی کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔

ابوالفرج اصفہانی کہتا ہے کہ مکہ میں تین شخص رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو کیا کرتے
 تھے۔ عبد اللہ زبیری۔ ابوسفیان بنیر عبد المطلب عمرو بن العاص۔ ایک شخص نے سیدنا علی رضی
 سے کہا کہ آپ بھی ان لوگوں کی ہجو کیا کریں۔ فرمایا اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ارشاد فرمائیں گے۔

تو میں تمہیں کرونگا۔ ورنہ نہیں۔ اس شخص نے آنحضرتؐ سے جا کر عرض کیا کہ علیؑ کو ان لوگوں کی ہجو کہنے کی اجازت فرمائی جائے۔ فرمایا وہ اس کام کا نہیں اور اس سے یہ نہیں ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جس قوم نے رسول خدا کی تلوار سے نصرت کی ہے وہ کیا زبان سے نصرت نہیں کر سکتی۔ (اس کے مراد انصار مدینہ تھے) حسان چونکہ انصاری ہیں۔ کہا میں یہ خدمت بجا لاؤنگا۔ چنانچہ انصار کی طرف سے بھی میں شخص اہل مکہ کی ہجو کہنے لگے۔ حسان بن ثابت۔ کعب بن مالک۔ عبد اللہ بن رواحہ۔ حسان اور کعبؓ تو اپنے اشعار میں گزشتہ واقعات اور ایام و ماثر کا ذکر کرتے اور مخاطبین کو عار و غیرت دلایا کرتے۔ اور عبد اللہ بن رواحہ انہی بت پرستی اور کفر و شرک کی نجاست میں آلودگی کا مضمون اپنے اشعار میں باندھتے۔ جب تک اہل مکہ مسلمان نہ ہوئے تھے تب تک تو ان کو حسان اور کعب کے اشعار ناگوار گذرتے تھے اور جب وہ مسلمان ہو گئے تب عبد اللہ کے اشعار سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی جگر خراش چیز نہ تھی۔

مدارج النبوة میں ہے کہ جب حسانؓ جو اب کوئی اہل مکہ کیلئے مستعد ہو گئے تو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اہل مکہ کی ہجو کرنا اور ان کے نسب و قوم کی نسبت کچھ لکھنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ میں بھی اسی قوم میں سے ہوں۔ اس لئے جو کچھ لکھا کرو۔ پہلے ابو بکر صدیقؓ کو دکھلایا کرو جو تجھ سے بڑھ کر نسب عرب کو جانتے ہیں۔ ابو بکر صدیقؓ نسب کے متعلق تمام پہلو حسان کو سمجھا دیتے تھے۔ چنانچہ جب اہل مکہ نے یہ اشعار سنے تو فوراً کہہ اٹھے کہ ابو بکر صدیقؓ کی اصلاح لئے ہوئے ہیں۔

مروی ہے کہ ان کے لئے ممبر بچھایا جانا۔ اور پھر ممبر اشعار مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جواب مشرکین پر طعہ کرنا یا کرتے۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حسان کے شعراء کیلئے تیر سے زیادہ سخت ہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ جب تک حسان مدح رسول میں لگا رہتا ہے روح القدس اُسکی تائید کرتا ہے۔

ایک دفعہ بنی تمیم کے شاعر اسی آدمی اپنی قوم کا ایک خطیب (لیکچرار) اور ایک شاعر لیکر مدینہ میں آئے اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے خطیب و شاعر کا اپنے خطیب و شاعر سے مقابلہ کر لیتے (ان کے نزدیک صداقت کی یہی اعلیٰ دلیل تھی) انہوں نے زبرقان بن بدر کو پیش کیا اور اُس نے اپنی قوم کے فخریہ اشعار پڑھے۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان کو اشارہ فرمایا۔ انہوں نے اسی وقت اسی وزن اور اسی قافیہ میں اس کے اشعار کا جواب دیا۔ اس کے اکثر

الفاظ کو بھی اسی پر اٹھا دیتا تھا۔ ان اشعار میں آنحضرت کے خاندان اور ذاتی اوصاف بہ نسبت
 شاندار الفاظ میں ذکر کیے۔ بنی تمیم میں سے ایک اور شاعر عطار دین حاجب اٹھا۔ اور اس نے
 ایک قطعہ پڑھا۔ حسان رضی اللہ عنہ اسی وقت اسی بحر وقافیہ میں اس کا بھی جواب دیا۔ تب
 وہ مان گئے اور بول اٹھے کہ یہ صرف سید العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ کہ حسان ہمارے
 شاعروں پر غالب آ گیا۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ان کے پر دادا حرام اور دادا منذر اور باپ ثابت اور ان کی عمر
 برابر تھی۔ یعنی یہ سب ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔ حسان نے سائٹھ سال جاہلیت کے اور
 ساٹھ سال اسلام کے پائے اسلام لانے کی وقت ان کی والدہ ذریعہ بنت خالد جو قبیلہ خزرج
 سے ہیں، ابھی زندہ تھیں۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ عبد الرحمن بن حسان جب اپنے
 اجداد کی عمروں کا ذکر کیا کرتے تو بہ نسبت خوش ہوا کرتے اور سمجھا کرتے تھے کہ میں بھی اسی عمر تک
 پہنچوں گا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ انہوں نے صرف ۸۴ سال کی ہی عمر پائی۔

ابو عبیدہ کا قول ہے کہ حسان کے محاسن میں سے یہ ہے کہ وہ ایام جاہلیت میں انصار
 کے شاعر تھے اور آغاز اسلام میں خاص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مدح گو۔ اور اپنے کل
 زمانہ اسلام میں اہل یمن کے وصف طراز۔ ابو عبیدہ ہی کا قول ہے کہ اہل عرب کے نزدیک
 اہل بدر میں شاعر ترین اہل یثرب ہیں اور اہل یثرب میں شاعر ترین حسان بن ثابت۔
 اصمعی نے ان کو فحول شعرا میں شمار کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو نمکی نے ان کے
 اشعار جاہلیت میں پائی جاتی ہے وہ اشعار اسلام میں نہیں۔

وجہ صاف ظاہر ہے کہ جب اسلام دل اور زبان پر قابو پا لیتا ہے تو کذب و مبالغہ سے
 روک دیتا ہے۔ اور شعر کا کام کذب یا مبالغہ کے بغیر چلنا دشوار ہے۔

۵۴۵ یا ۵۴۶ ہجری میں ایک سو بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایو فرس ہمام فروق

اسلام کے نہایت مشہور اور اعلیٰ درجے کے بلیغ شاعر دل میں سے ہیں۔ ان کے باپ کا نام غالب تھا جو ایک مشہور قوم بنی تمیم کا سردار تھا۔ اسکے واقعات مشہور ہیں سے یہ ہے کہ ایک دفعہ کوفہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگ بھوک کے مارے شہر چھوڑ کر چلے گئے۔ غالب (سردار بنی تمیم) اور سحیم بن وائل (سردار بنو ربیع بھی) کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر جنگل میں جا رہے۔ غالب نے اگلے روز ایک ناقہ فرج کی اور اپنی کل قوم کو مدعو کیا۔ کچھ گوشت سحیم کے پاس بھی بھیجا۔ سحیم دیکھ کر جل گیا۔ کہ میں کیا غالب کا مدعو ہوں۔ میں خود قوم کی مہمانی کرونگا۔ چنانچہ اس روز سحیم نے بھی ایک ناقہ فرج کی اور اپنی قوم کو مدعو کیا۔ دوسرا دن ہوا غالب نے دو اونٹ ذبح کئے۔ اور سحیم نے بھی۔ دونوں نے دعوت عام کی۔ تیسرے روز غالب نے تین اونٹ قربانی کئے اور سحیم نے بھی چوتھے روز غالب نے سوا اونٹ ذبح کر ڈالے اور سحیم نے ایک بھی نہ کیا۔ کہو نکہ اس کے پاس کوئی اونٹ نہ رہا تھا۔ جب قحط ختم ہوا۔ اور سب لوگ شہر میں واپس آئے تو بنو ربیع نے سحیم کو کہا کہ تم نے ہمیشہ کیلئے اپنی قوم کو ذلیل کر دیا۔ ہم ایک اونٹ کے بدلے تینے دو اونٹ دیدیتے۔ مگر لازم تھا کہ تو غالب کے سامنے دب کر رہتا۔ سحیم نے کہا مجبوری تھی میرا گلہ دور گیا ہوا تھا۔ اور اس وقت کوئی اونٹ موجود نہ تھا۔ اگلے روز سحیم نے تین سوا اونٹ ذبح کر ڈالے اور ہر ایک کوچہ و برزن میں گوشت رکھوا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ مبارک تھا فتویٰ لیا گیا کہ یہ گوشت جائز ہے یا نہیں مفتی نے فتویٰ دیا کہ یہ اونٹ کھانے کی نیت سے مذبوح نہیں ہوئے۔ بلکہ محض فخر و مباهات اور ریا و ملود کیلئے کاٹے گئے ہیں۔ اس لئے ان کا گوشت کھانا جائز نہیں

فرزوق اپنے باپ کی اعلیٰ درجہ کی تعظیم کیا کرتا تھا۔ اور مرنے کے بعد سخی قبر کی بھی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دو چار دن قبر غالب کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تو خود اس کا حامی بن جاتا۔ ایک دن ایک بڑھیا آئی کہا میں مدتوں تیرے باپ کی قبر پر بیٹھا کئے ہوں اب مجھے ایک مشکل درپیش ہے۔ بولا۔ کیا۔ کہا میرے بیٹے کو حجاج بن یوسف نے فوج میں بھرتی کر لیا ہے فوج کل کربلا تک کیلئے بھیجی جائیگی وہ میرا کلو تہ بچہ ہے۔ فرزوق نے سکر تمیم بن زید اور فرج کے نام اشاذیل لکھ دیئے

تمیہ بن زید لا تکتون حاجتی یظہر فلا یجیا علیٰ جوابہا
 فہب لی خنیسا واحتسب فیہ منہ لعلہ امالیسوع شرابہا
 اتنی فعادت یا تمیہ غالب وبالخصۃ الساقی علیہا تراہا
 وقد علمہ الا قوام انک واحد ولیت اذا ما الحرب شبت شہابہا

مطلب یہ کہ آپ کی شرف و فضیلت اور جرأت و شجاعت اقوام کے نزدیک مسلم ہے۔ آپ خنیس کو پھوڑ دیں اور مجھے ممنون بنائیں۔

جب یہ اشعار پڑھے گئے تو خنیس کا نام صحیح نہ پڑا گیا۔ جنیس جنیس خنیس وغیرہ پڑا جاتا تھا۔ سردار نے حکم دیا کہ اس تجنیس کے جتنے اسماء کے اشخاص فوج میں داخل ہیں سب کو فزوق کے پاس بھیجا جائے اور خدمت فوجی سے سبکدوش کر دیا جائے۔

فزوق اور جریر شاعر کی باہم جھگڑی تھی۔ ایک دوسرے کی ہجو کیا کرتا۔ اور ایک دوسرے کے کلام پر نقص پکڑا کرتا تھا۔ فزوق مدینہ منورہ میں تھا۔ جریر کی ہجو میں فحش الفاظ استعمال کیا کرتا اور وہ اشعار بہت جلد عوام میں شہر ہو جاتے تھے۔ شرفاء مدینہ نے مروان بن الحکم حاکم مدینہ کے پاس اس امر کی شکایت کی۔ حاکم نے اخراج شہر کا حکم دیدیا۔ فزوق سعید بن العاص کے پاس آیا۔ یہاں امام حسن و حسین و عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ اس نے آکر سنایا کہ حاکم ثہر نے مجھے شہر سے نکال دیا ہے ہر ایک نے سوکو وینار اور ایک ناقہ سواری کیلئے اسے عطا فرمائی اور مروان کو کہلا بھیجا کہ ایسے بد زبان شاعر کے حق میں یہ فیصلہ دینے سے آپ نے خودخواہ اپنی عزت کو خراب کیا۔ یہ سنکر مروان نے بھی اس کے پاس سو وینار بھیج دیئے مگر حکم منسوخ نہ کیا۔

ایک دفعہ امام حسن بصری اور فزوق ایک میث کی نماز پر جمع ہوئے۔ فزوق نے کہا آج لوگ کہہ رہے ہیں کہ ایک ہی جنازہ پر سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ بد شخص کا اکٹھا ہونا تعجب سے خالی نہیں۔ امام حسن نے فرمایا کہ نہیں سب سے زیادہ نیک ہوں اور نہ تم سب سے زیادہ بد لیکن عمرت من بیرون سب کیلئے کھڑے تم نے اس کے لئے بھی کچھ تیار کر رکھا ہے۔ بولا ہاں۔ کلمہ طیب کو ساٹھ سال سے اسی دن کیلئے زادراہ سمجھتا ہوں۔ کہتے ہیں مرنے کے بعد فزوق کو خواب میں دیکھا گیا۔ کہا مجھے اللہ پاک نے اس کو اب پر بخش دیا جو میں نے حسن بصری کو دیا تھا۔ اسکی بیوی کا نام نوار تھا جو اسکے چچا کی بیٹی تھی۔ نکاح بھی عجیب طور سے ہوا۔ نوار نے

اسے بلایا کہ میں کسی جگہ نکاح کرنے والی ہوں تم میرے ولی ہو جاؤ۔ فرزوق نے کہا اقربائیں اور لوگ بھی تو ہیں جو ولی بن سکتے ہیں تم اور کسی کو ولایت دور عورت نے کہا نہیں میں ولایت کیلئے تم کو ہی پسندتی ہوں کہا اچھا چند معتبرین کے سامنے کہہ دو تاکہ پیچھے سے کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔ نوار نے چار شخصوں کے سامنے کہہ دیا کہ اسے میرے نکاح کی ولایت حاصل ہے فرزوق نے کہا تم عورت کے اس قول پر گواہ رہو اور اس پر بھی گواہ رہو کہ میں نوار کو اپنی زوجہ بناتا ہوں نوار کو یہ ناکوار گزارا مقدمہ حضرت عبدالعزیز بن زبیر کے سامنے پیش ہوا جنہوں نے عورت کے حق میں فیصلہ دیا۔ لیکن بعد میں دونوں رضامند ہو گئے اور اس سے فرزوق کی اولاد پیدا ہوئی۔

حالانکہ فرزوق کی زبان درازی و خشکونی سے تمام خلق خدا بیزار تھی۔ لیکن اسکی ساری عمر کے اعمال میں سے بہترین عمل جو شمار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہشام بن عبدالملک اپنی ولیعهدی کے زمانہ میں حج کیلئے آیا۔ طواف بیت اللہ میں چاہا کہ استلام حجر کرے لیکن ہجوم اور انبوه اتنا تھا کہ جانہ سکا علیحدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ سردارانِ شام بھی ساتھ تھے۔ ہشام منتظر تھا کہ انبوه کم ہو جاوے تو میں فارغ ہو کر واپس جاؤں۔ اتنے میں امام زین العابدین آئے۔ طواف کیا اور استلام کے لئے حجر اسود کی جانب جھکے۔ حضرت کے ملکوتی جمال نورانی چہرہ پر ہیبت و وقار کے ایسے انوار آشکار تھے کہ لوگ دیکھتے ہی ٹھٹک گئے۔ راتہ کھل گیا اور آنجناب فرغت و سہولت کیساتھ حجر تک پہنچ گئے۔ سردارانِ شام نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ ہشام نے دانستہ تجاہل کیا۔ کہا میں نہیں جانتا اُسے دل میں کھٹکا پڑا کہ کہیں شام کے سردار آنجناب کی جانب مائل نہ ہوں۔ فرزوق حاضر تھا۔ کہا اگر ولیعهد نہیں جانتے تو میں اسے خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے کہا تم ہی بتلاؤ۔ فرزوق فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

هَذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءَ وَطَائِفَهُ
يَهُ وَهُوَ شَخْصٌ بِسْمِ جِبَلِي جَاهٍ وَمَنْزِلَتُهُ كَوَيْلِطَاءٍ أَوْ رِبِيَّتِ الْاِخْتِ حَرَمِ

وَالْبَيْتِ يَعْرِفُهُ وَالْحَلِّ وَالْحَرَمِ
خِدا اور روئے زمین جانتی ہے۔

هَذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللَّهِ كَلْهَمِ
يَهُ اس کا بیٹا ہے جو جملہ خلق خدا سے بہتر تھا یہ تقی و تقی

هَذَا التَّقِيُّ التَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمِ
طاہر و علم (مشہور آفاق) ہے۔

اِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَتْ قَاتِلُهَا
اہل قریش اسے دیکھ کر یکاریا اٹھتے ہیں کہ فضائل و مکارم

الْمَكَارِمِ هَذَا يَنْتَهَى لِكْرَمِ
کو اسی کے دہر ٹھکانا ملتا ہے۔

یعنی الی ذرۃ العنالیٰ قصرت

عن نیلہا عرب الاسلام والعجم

فی کفہ خیزان ریحہ عبق

من کف اروع فی عنیبہ شم

لیغضی حیاء ویغضی من مہابتہ

فما یکلہ الا حین یتسم

اس وقت ہو سکتی ہے حضرت جب مگر آپ سے ہوں۔

ینشق نور الہدی عن نور عزتہ

کالشمس یجاب عن اشراقہ الظلم

منشقتہ من رسول اللہ تبعثہ

طابت عناصرہ والحیم والشیم

ہذا انزقا طمۃ ان کنت جاہلہ

بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا

اللہ شرفہ قد ما وعظمتہ

جرى بذاتک لہ فی لوحہ القلم

فلیس قولک من ہذا ایضا ثرہ

العرب تعرف من انکرت والعجم

حمال الثقال قوام اذا قد حوا

حلو الشائل تحلو عندہ نعم

ما قال لاقط الافی تشہدہ

لولا التشہد کانت لاءہ نعم

عم البریۃ بالاحسان فانقشعت

عنا الغیابۃ والاملاق والعدام

ان عدلہل المتقی کانا ائمہ ہم

او قیل من خیر اهل الارض قیل ہم

عزت کے جس کنگرہ تک عرب و عجم کے مسلمان نہیں پہنچ

سکتے یہ اسپر قدم فرسانی کرتا ہے۔

ان کے ہاتھ میں جو چھری ہے اُسکی خوشبو عطر میں

دوبی ہوئی محشوقہ کی ہتھیلی سے بڑھ کر ہے۔

آپ تو حیا کی وجہ سے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اور لوگوں کی

آنکھیں بیت کے مارے جھکی رہتی ہیں۔ گفتگو صرف

پیشانی سے نور ہدایت اسطرح نمایاں ہے جیسے آفتاب کی

کرنیں جسکے نکلنے ہی اندھیرا اٹھ جاتا ہے۔

یہ وہ شاخ ہے جو شجر رسالت سے نکلی ہے۔ آپ کا

وجود آپکی عادات و خصائل پاک و طیب ہیں۔

اگر تم نہیں جانتے تو اب جان لو۔ کہ یہ بتوں زہرا کا بیٹا ہے

ان کا نانا وہ ہے جو شجر رسالت ختم ہو گئی (صلی اللہ علیہ وسلم)

اللہ تعالیٰ نے ان کو ازل سے شرافت و عظمت دی ہے

اور انکے اوصاف و فضائل قلم نے لوح محفوظ پر لکھے رکھے تھے۔

میرے اس قول سے کہ میں نہیں جانتا اسکا کچھ نہیں بگڑتا کیونکہ

جسے تو نہیں جانتا عرب و عجم اُس سے بخوبی واقف ہے۔

یہ قرص دارونکا بار خود اٹھا لینے والے ہیں اور شیریں شمائل

میں اٹکے پاس آ کر سب نعمتیں شیریں بن جاتی ہیں۔

تشہد کے سوا آپ نے کبھی کبھی زبان سے نہیں کہا اگرچہ

لا تشہد میں مذکور زبان مبارک کبھی نعم کے معنی میں مستعمل ہو کر آیا

اہل دنیا پر احسان عمیم فرما کر دنیا سے فقر و فاقہ اور تہمتی

کو نکال کر پھینک دیا ہے۔

اگر اہل تقویٰ کا شمار کیا جائے تو یہ اہل بیت (ع) کے امام ہونگے

اور اگر روئے زمین کے لوگوں میں افضل شخص دریافت کیا جائے تو یہ

لايستطيع جواد بعد غايتهم
 ولا يدان به قوم وان كرموا
 مقدم بعد ذكر الله ذكرهم
 في كل بدو فمختم بذكر الكلم
 من معشر جهم دين وبعضهم
 كفور قهيموا المنى ومعتصم
 من يعرف الله يعرف اوليته
 والدین من هذا قاله الامم

کوئی شخص کیسا ہی جواد کیوں نہ ہو۔ اور کوئی قوم کیسی ہی صاحب
 کریم کیوں نہ ہو مگر حضرت کے جو ذکر کم کو نہیں پہنچ سکتے۔
 ہر ایک کلام کی ابتدا میں اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے
 اور انہیں ذکر پر کلام کا اختتام ہوتا ہے۔
 انکی محبت ہی دین ہے اور ان کا بغض کفر ہے اور ان کا قرب
 پناہ دہندہ و نجات بخشندہ ہے۔
 جو خدا کو جانتا ہے وہ اپنی اولیت کو بھی جانتا ہے تمام خلق
 خدا کو اسی گھرانے سے دین آئی ہے۔

ہشام یہ اشعار سنتے ہی پھر اک اٹھا اور فرزوق کو مجلس میں بھجوا دیا۔ امام زین العابدین نے
 دس ہزار درہم اسکے پاس بھیجے فرزوق نے واپس کر ڈیٹے۔ اور کہہ لیا بھجھا کہ میں نے حضرت کی طرح
 محض حب اللہ کی وجہ سے کی ہے۔ نہ امید صلہ و عطا کیلئے۔ امام زین العابدین نے فرمایا
 کہ اہل بیت نبوی کی عادت یہ ہے کہ ہبہ کو واپس نہیں لیتے۔ تب فرزوق نے درہم رکھ لیتے۔
 فرزوق کا ایک چھوٹا بچہ مر گیا جب اسکی نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے لوگوں کو
 مخاطب ہو کر پیشتر پڑھا۔

وَمَا نَحْنُ إِلَّا أَهْلُهُمْ غَيْرَ أَنَّنَا
 أَقْمِنَا قَلِيلٌ بَعْدَهُمْ ثُمَّ نَرْحَلُ

ہم بھی ان (مرووں) جیسے ہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر چل دیں گے۔
 اس سے چند روز بعد ہی فرزوق کا انتقال ہو گیا۔
 جب حجر نے سنا کہ فرزوق کا انتقال ہو گیا ہے۔ بولا میں سمجھتا ہوں کہ اب میری بھی
 موت قریب ہی ہے کیونکہ اعداد میں سے جب ایک کم ہو جاتی ہے تو دوسرے کی بھی
 ضرورت نہیں رہتی۔ کہتے ہیں چالیس یوم کے بعد وہ بھی مر گیا۔
 فرزوق کی وفات سالہ کو بھر میں ہوئی۔ عمر سو سال کے قریب تھی۔

ہمشہم بن علی بحسری مشہلی

خلیفہ منصور اور مہدی اور ہادی اور رشید کا مصاحب تھا۔ اور عرب کے اشعار و لغات علوم

واجبار کا نامی راوی۔

ایک دفعہ مہدی نے کہا کہ میں عرب کی تواضع اور سخاوت کی خلق اور نیکل کے متعلق متفہم و
 حکایتیں سنتا رہا ہوں ہمیشہ تمہاری کیا لائے ہے۔ کہا حضور میں چشم دید عرض کروں گا۔
 میں ایک دوست کی ملاقات کی عرض سے سفر کو چلا۔ ناقہ پر سوار تھا۔ دن بھر کی مسافت کے
 بعد مجھے جنگل میں ہی رات پڑ گئی۔ میں ادھر ادھر نظر ڈالی تو ایک خیمہ نظر آیا۔ میں وہیں چلا گیا
 خیمہ میں ایک عورت تھی اس نے پوچھا تو کون ہے۔ میں نے کہا مہمان۔ بولی مہمان کا یہاں کیا
 کام ہے۔ تمام جنگل کھلا موجود ہے۔ اس کے بعد اٹھی۔ آٹا گوند ہاروٹی پکائی۔ خود ہی کھا کر
 بیٹھ رہی۔ اور میری بات تک نہ پوچھی۔ تھوڑی دیر کے بعد تازہ دودھ کا بھرا سوا برتن لے کر
 اس کا شور آپہنچا۔ پہلے سلام کیا۔ پھر مجھ سے دریافت کیا کہ کون ہو۔ میں نے کہا مہمان۔ کہا مہمان
 خوب تشریف لائے۔ پھر بیوی کو پوچھا کہ مہمان کو بھی کھانا کھلایا یا نہیں۔ بولی نہیں اتنا
 سن کر مرد خیمہ میں گیا اور دودھ کا بھرا ہوا گلاس میرے لئے لے آیا۔ پھر خیمہ میں جا کر عورت کے
 ساتھ لڑنے لگا کہ تو نے خود تو روٹی کھالی اور مہمان کو بھوکا رکھا۔ آپس میں خوب تکرار ہوئی
 مرد نے عورت کو مارا پیٹا۔ پھر اندر سے چھرا لیکر باہر نکلا۔ اور میری سواری کی ناقہ کو فوج کر ڈالا
 میں نے نرمی سے کہا بھائی صاحب اپنے یہ کیا کیا۔ کہا بخدا یہ نہیں ہو سکتا کہ میرے گھر میں آ کر
 مہمان بھوکا رہے۔ عرض گوشت صاف کیا۔ لکڑیاں جمع کر لایا۔ بھونتا جاتا تھا۔ اور ادھر ادھر
 کی مزید باتیں سناتا جاتا تھا۔ گوشت مجھے بھی کھلاتا تھا اور خود بھی کھاتا تھا۔ ہم کھا چکے
 تو تھوڑے سے کہا ب عورت کے پاس لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو چمکے سے اٹھ کر چل دیا۔
 میں نہانت حیران تھا کہ اب سواری کے بغیر کیا ہوگا۔ تھوڑا سا دن چڑھ آیا تھا کہ ایک تیز
 رفتار اونٹ لیکر وہی شخص آگیا۔ اور کہا کہ ناقہ کے عوض یہ اونٹ قبول فرمائیے۔ پھر مجھے سوار
 کر دیا۔ اور کچھ گوشت زاد راہ کے لئے میرے ساتھ کر دیا۔ چلتے چلتے رات پھر جنگل میں ہی
 ہو گئی۔ مجھے ایک خیمہ نظر آگیا۔ جس میں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا اس نے

پوچھا۔ کون۔ مینے کہا مہمان۔ بولی مر جہا تشریف لائے۔ پھر اٹھ کر آٹا گوندھا۔ سمندر جھاگ ڈال کر
اُسے خمیر بنایا روٹی اور دودھ کا برتن سامنے لاکر رکھا اور عذر بھی کیا۔ اتنے میں ایک بدو
اعرابی آیا۔ سلام علیک کے بعد مجھ سے پوچھا۔ تم کون۔ مینے کہا۔ مہمان۔ کہا ہمارے ہاں
مہمان کا کیا کام ہے۔ پھر عورت کے پاس گیا۔ اُس سے روٹی مانگی۔ بولی مینے مہمان کو
کھلا دی ہے۔ مرد نکر بہانت تھا ہوا۔ اور آپس میں خوب جھگڑا ہوتا رہا۔ وہ اندر جھگڑتے
تھے اور میں باہر ہنستے ہنستے بیخود ہوا جاتا تھا۔ مرد باہر نکلا۔ مجھے ہنسنے کا سبب پوچھا مینے
کہا کچھ نہیں۔ کہا نہیں تمہیں خدا کی قسم ضرور بتلاؤ۔ مینے اُسے کہا کہ کل میں ایک بادیہ
نشین کے خمیر میں مہمان ہوا تھا۔ وہاں مرد متواضع ملا تھا۔ یہاں عورت مہمان نواز ہے
اور میاں بیوی میں دونوں جگہ لڑائی ہوتی ہے۔ کہا میری عورت اس مرد کی بہن ہے
اور اُسکی عورت میری بہن ہے۔ میں تمام شب اس حسن اتفاق پر تعجب کرتا رہا۔
پھر کہا امیر المؤمنین قدیم زمانہ کی حکایت ہے کہ ایک شخص مرغ کا گوشت بیٹھا کھا رہا
تھا۔ ایک سائل آیا جس کو اس شخص نے سختی اور بد مزاجی کیسا تھہ مخروم بھیج دیا۔ کچھ عرصہ
کے بعد یہ شخص تنگ ہو گیا اور بیوی کو بھی چھوڑ دیا۔ عورت نے اور جگہ شادی کر لی ایک
روز ایک سائل آیا۔ یہ شخص مرغ کا گوشت کھا رہا تھا۔ عورت کو کہا کہ سائل کو روٹی دیدے
عورت روٹی دینے لگی تو اُس نے سائل کو پہچان لیا۔ کہ اُسکا پہلا شوہر ہے خاوند کے
پاس آکر تاسفانہ ہجہ میں ذکر کیا۔ حالیہ خاوند بولا کہ میں وہی سائل ہوں جسے اس شخص نے
مدت ہوئی سختی کیسا تھہ جواب دیا تھا۔

مروج الذہب میں ہے کہ جب عبدالملک بن علی عباس نے جو خلیفہ منصور کا چچا تھا
خلفائے بنی امیہ کی قبور کو کھودا اور ان کی لاشوں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دیا۔ اُس وقت
معمربن ہانی عبدالملک کے ساتھ تھا۔ ہمیشہ لکھتا ہے کہ سمر نے مجھے سنایا کہ جب ہشام بن عبدالملک
کی قبر کھودی گئی تو اُسکی لاش صحیح سالم تھی۔ صرف ناک کی ہڈی تھوڑی سی گری ہوئی تھی
عبدالملک نے اشی کوڑے اُسے لگوائے اور پھر جلا دیا۔ اُسکے بعد سلیمان بن عبدالملک کی قبر
ارض وابق میں جا کر نکالی۔ قبر میں سے صرف ریڑھ کی ہڈی چند پسلیاں اور سر برآمد ہوا
ان سب کو جلا دیا گیا۔ پھر دمشق جا کر ولید بن عبدالملک کی قبر کھودی اُس کی قبر میں سے
کچھ بھی نکلا۔ پھر عبدالملک کی قبر کھودی اس میں سے صرف سر کی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ پھر

یزید پلید کی قبر کو کھودا گیا۔ اس میں سے صرف ایک ہڈی برآمد ہوئی اور ایک لمبا خط لحد میں نظر آیا۔ گویا سیاہ راکھ کی لکیر ہے۔

عبداللہ نے بنی امیہ کے ساتھ اس لئے ایسا کیا تھا کہ جب زید ابن امام زین العابدین کو بغاوت سلطنت کے جرم میں ہشام نے گرفتار کیا۔ تو پھانسی دے کر ان کی لاش کو پہلے تو چند سال تک پھانسی پر ہی لٹکائے رکھا۔ اور پھر آگ میں جلا کر راکھ کو پانی میں بہا دیا تھا۔ عبداللہ نے اپنے چہرے بھائی کا بدلہ لینے کیلئے اسی قبور کو ایسا کیا تھا۔

راقم کہتا ہے کہ عبداللہ کو ایسا کرنے کیلئے ہشام کا فعل کوئی دلیل نہیں ہو سکتا تھا۔ قرآن پاک کی تعلیم تو یہ ہے کہ کسی قوم کی دشمنی و عداوت کی وجہ سے تم بے انصافی نہ کرو۔ دشمنوں کے ساتھ بھی کامل انصاف کرنا اور عدل مرغی رکھنا تقویٰ میں داخل ہے۔ انیسویں سلطنت کیلئے انسان کیا کچھ کر گذرتا ہے۔ خلفائے بنی عباس نے جب بنو امیہ کے خلاف علم کھڑا کیا تھا اس وقت وہ اپنے آپ کو بنی ہاشم کے نام و مددگار ظاہر کیا کرتے تھے۔ لیکن جب ملک پر انکا تسلط کامل ہو گیا اور قرابت رسول کے مفتخر دعویٰ کا دعویٰ ہاشم بن ہاشم کے سوا انکی لگا ہوں میں اور کوئی نہ رہا۔ اور نہ کوئی ان کے سوا ایسا خاندان نظر آیا۔ جنکی افضیلت ہر ملک کے میدان طبع کا اندیشہ ہو سکے۔ تب انہوں نے بنی ہاشم کے ساتھ بھی معاندانہ رویوں کو اختیار کر لیا اور وقتاً فوقتاً بنی ہاشم کے اقتدار و شمار کم کرنے کیلئے مختلف ذرائع و تدابیر کام میں لاتے رہے۔ شاید ماموں رشید کی پالیسی سب خلفائے بنی عباسیہ میں سب سے بہتر تھی۔ جس نے امام رضا کو اپنی بیٹی دیکر جملہ مخالفتوں اور منافرتوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ گو بنی عباس اس رشتہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور اس تدبیر کی طفیل قریب تھا کہ خود ماموں کا تحت خلافت بھی جاتا ہے۔ لیکن ماموں اپنے عزم پر قائم رہا اور حضرت امام رضا کو اپنا ولیہد بھی مستہر کر دیا۔ مگر تقدیر سے کیا چارہ ہو سکتا تھا۔ امام رضا کا ماموں کے سامنے ہی انتقال ہو گیا۔ اور اس کے بعد پھر کسی خلیفہ نے اس پالیسی پر کار بند ہونے کی جرأت و ہمت نہ کی۔

بحری شہ کو پیدا اور غزہ محرم ۲۰۶ھ کو مر گیا۔ ثعل جبکی نسبت بحری ثعلی کہلاتا ہے۔ ایک مشہور قبیلہ جاری ہوا۔ عمرو بن مسیح اسی قبیلہ کا شخص تھا جو عرب میں اول درجہ کا تیر انداز گناہا تھا۔ اس شخص نے ۵۰ برس کی عمر میں آنحضرت کی زیارت مشرف ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔

بحتری کی تصانیف میں سے کتاب المثلث، کتاب المعمرین، کتاب بیوتات الحرب، کتاب
بیوتات قریش، کتاب مبوط آدم علیہ السلام، کتاب افراق العرب، جس میں ان کے منازل و
نزول کا بیان تھا، کتاب نزول الحرب، مخرسان و سودان، کتاب نسب طے، کتاب مدیح
اہل الشام، تاریخ العجم، تاریخ بنو امیہ، کتاب الوفود، کتاب خطط الکوفہ، کتاب ولایة الکوفہ،
تاریخ الاشراف، کتاب طبقات الفقہاء والمحدثین، کتاب کنی الاشراف، کتاب خواتم الخلفاء،
کتاب قضاء الکوفہ والبصرہ، کتاب المواہم، کتاب الخوارج، کتاب النوادر، کتاب التاریخ
علی السین، کتاب اخبار الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما، کتاب اخبار الفرس
وغیرہ میں جس سے واضح ہوتا ہے کہ بحتری علم تاریخ کا بہت بڑا عالم و ماہر تھا۔

ابو دلامہ

سلطنت جہانگیر کا ملا و پیاڑہ۔ حبشی غلام تھا۔ خلیفہ منصور کی بیوی مرگئی۔ قبرستان
میں اُسے دفنانے لیگئے۔ قبر کھدی تھی۔ جنازہ رکھا ہوا تھا۔ منصور رنجیدہ و متفکر قریب
بیٹھا ہوا تھا۔ ابو دلامہ آیا اور خلیفہ کو دھکیلا ہوا بیٹھ گیا۔ منصور نے کہا۔ کہنت چہت یہ بھی
خیال نہیں کہ ہم کہاں بیٹھے ہیں؟ بولا ہاں یہاں حضور کے چچا کی بیٹی قریب ہی تھی۔ معاف
فرمائیے۔ منصور ہنس پڑا۔

سید بن و علیج حاکم بصرہ کے پاس ایک خوشتر لکھ کر بھیجے

اِذَا جِئْتَ الْاَمِيرَ فَقُلْ سَلَامٌ
وَمَا بَعْدُ ذَاكَ فَلَ عَسْرِيْمٌ
لَهُ اَلْفٌ عَلَيَّ وَالتَّصِفُ اُخْرَى
عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ الرَّحِيْمِ
مِنَ الْاَعْرَابِ قَدِيْمٌ غَرِيْمٌ
وَلِصْفِ التَّصِفِ فَمِنْكَ قَدِيْمٌ

جب تو امیر کے پاس پہنچے تو سلام مسنون کرنا۔ اور اس کے بعد کہتا کہ ایک امیر اقرضتوا ہے
جو خود قرض سے بھی بڑا ہے۔ یعنی اُس کے قدیم سگھ کے ہزار اور اس کا نصف اور اُس کا
نصف روپے دینے میں۔ یعنی ۱۷۵۰

سید بن و علیج نے ۱۷۵۰ روپے اُسے پاس بھیج دیئے۔

ابودلامہ کا نام فوج میں تھا۔ روح بن حاتم۔ فوج کو لیکر امر خسرو اسان کے مقابلہ کو چلا۔ لڑائی ہوئی۔ جاہنن کے کچھ آدمی مارے گئے۔ روح نے ابودلامہ کو میدان میں جانے کا حکم دیا کہ مجھے معاف فرماویں۔ اُس نے پھر حکم دیا۔ تو ابودلامہ نے یہ شعر پڑھا۔

إِنِّي أَعُوذُ بِرُوحٍ أَنْ يَقْدُمَنِي
إِلَى الْقِتَالِ فَيُخْرِجَنِي بِنَاصِيَةٍ
إِنَّ الْمَهْلَبَ حُبٌّ لِمَوْتٍ وَرَتْبُهُ
وَمَا دَرْتِ أُنَاحِيَةَ الْمَوْتِ مِنْ أَحَدٍ
إِنَّ الدُّنْيَا لِي لَأَعْدَاءُ أَعْلَمَاءُ
رَحْمًا يَفْرِقُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ

میں روح سے معافی مانگتا ہوں کہ مجھے میدان جنگ میں نہ بھیجے اور بنی اسد کو رسوا نہ کرے تم کو تو موت کی محبت مہلَب سے ورثہ میں ملی ہے مگر مجھ کو کسی سے ایسا ورثہ نہیں ملا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ دشمن کے قریب جانا جسم اور روح کی جدائی کا نام ہے۔

افسر نے کہا تو آج تک تنخواہ کس بات کی کھاتا رہا۔ کہا اڑنے کی۔ کہا پھر تو لڑائی کیلئے کیوں میدان میں نہیں جاتا۔ کہا میں نے اس امر کا حلف تو کیا تھا کہ سلطنت کی طرف سے جنگ کر دوں گا۔ لیکن یہ اقرار نہیں کہ سر بھی کٹاؤں گا۔ اب تم بتلاؤ کہ اگر میں مارا گیا تب کیا ہوگا۔ افسر نے کہا باتوں سے کچھ حاصل نہیں تم کو میدان میں جانا ہوگا۔ ابودلامہ نے کہا اچھا میں جاؤں گا۔ مگر حضور جانتے ہیں کہ یہ دن میرے لئے دنیا کا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے۔ آپ مجھے جنگ میں بھیجتے ہیں تو کچھ کھانے پینے کو بھی دلا دیجئے۔ کہا جو چاہئے مطبخ سے لے لو۔

ابودلامہ نے پراٹھے۔ کہا اب عمدہ قسم کے شربت کچھ میوہ اور نقل لے کر خورجی میں ڈالے پھر سوار ہو کر نیزہ کو چکر دیتا ہوا۔ گھوڑے کو اڑا لگاتا ہوا میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ گردو غبار سے میدان تیرہ و تار ہو گیا تھا۔ ابودلامہ اسکی تاریکی میں اپنی تلوار کو چمکاتا تھا۔ سامنے میا رز پہلے سے موجود تھا۔ ابودلامہ نے جاتے ہی سلام علیک کیا۔ کہا میں اپنے کام آیا ہوں مجھ سے اڑنے کے لئے جلدی نہ کرنا۔ اُس نے پوچھا کیا کام۔ کہا تم مجھ کو جانتے بھی ہو۔ وہ بولا نہیں کہا میں ایو کا لہد ہوں۔ وہ بولا ہاں نام تو میں نے بھی سنتا ہے مگر تم میدان جنگ میں کیونکر آگئے۔ کہا میں نے اڑنے آیا ہوں نہ مرنے۔ میں نے جب تمہاری قوت اور عظمت جو انزوی اور پردلی کا اندازہ کیا تو بہتر سمجھا کہ ایسے شخص کے ساتھ دوستی کر لی جائے اب میں تم کو وہ بات بتاتا ہوں جو جنگ کی نسبت ہمارے لئے بہتر ہو۔ میں سمجھتا ہوں

کہ تم تھک گئے ہو۔ اور بھوکے بھی ہو۔ وہ بولا ہاں! کہا ہم نے نہ تیرا سان کے تحت پر بیٹھنا
 ہے اور نہ عراق کی حکومت کو سنبھالنا۔ میرے پاس ایک قسم کا عہدہ کھانا موجود ہے اور یہاں
 قریب ہی پانی بھی ہے۔ چلو وہاں چل کر کھانا کھا لیں گے۔ اور میں تم کو کانا بھی سناؤں گا
 وہ بولا اس سے بہتر اور کیا ہو گا۔ ابو دلامہ نے کہا میں تمہارے سامنے سے چلتا ہوں
 گویا بھاگ رہا ہوں۔ تم میرا پیچھا دباتے ہوئے چلے آؤ۔ اسی طرح میدان جنگ سے نکل چلیں
 گے۔ غرض اسی طرح دونوں نکل گئے۔ اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے سوار کو دیکھ رہی
 تھیں۔ کہیں نظر نہ آئے۔ یہ غدیر پر جا بیٹھے۔ کھانا کھایا۔ آسودہ ہو کر باتیں کرنے لگے
 ابو دلامہ نے کہا کہ ہمارا سپہ سالار روح سخی ابن سخی ہے اور سخاوت کے ثبوت میں تو یہی کافی
 ہے کہ وہ ابن مہلب ہے۔ اگر تم اُسکے پاس چلو تو عہدہ و خلعت۔ اسلحہ و سلاح۔ زن و غلام
 کا فوراً انتظام کرے گا۔ اور تجھے یہاں کر دیگا۔ تمہاری مرضی ہے مانو یا نہ مانو۔ مجھے صرف یہی بات
 تم سے کہنی تھی۔ وہ بولا۔ بیوقوف میں اپنے اہل و عیال کو کیا کروں۔ کہا بھائی صاحب! اللہ
 تعالیٰ سے خیر مانگو۔ اور اسی پر بھروسہ کر کے میرے ساتھ چلو۔ وہ بھی تم کو مل رہیں گے۔ اُس
 نے کہا اچھا۔ غرض وہاں سے دونوں ملکر لشکر کی پھلی طرف سے ہو کر آئے۔ ابو دلامہ آگے
 بڑھ کر پہ سالار کے سامنے گیا۔ اُس نے پوچھا۔ ابو دلامہ! تم کہاں تھے۔ کہا حضور کے
 کام میں لگا ہوا تھا۔ مقابل کا قتل کر دینا میرا حوصلہ نہ تھا۔ اور خود قتل ہو جانا میرا جی نہ
 چاہتا تھا۔ رہا ناکا میاب واپس آنا سے میں پسند نہ کرتا تھا۔ اس لئے میں نے باقوں باقوں
 میں دشمن کو نرم کیا۔ اور حضور کا اسیر کر کے اُسے یہاں تک لے آیا۔ میں نے اُس سے ان
 ان چیزوں کے وعدے کئے ہیں۔ یہ سالار نے کہا سب کچھ دیا جاویگا۔ بشرطیکہ وہ قابل
 اعتماد ثابت ہو جائے۔ سوار نے کہا کہ حضور کو اعتماد کیونکر آسکتا ہے۔ کہا اپنے سب بال بچے
 کو ہماری طرف لے آؤ۔ اُس نے کہا اہل و عیال تو یہاں سے دور ہیں اور ہر دست ان کا
 لانا دشوار ہے۔ مگر میں قسم کھاتا ہوں کہ اُسکی جو رو پر طلاق جو آپ سے بیوفائی کرے۔ اُس
 قسم کے بعد حضور سمجھ سکتے ہیں کہ حضور سے بیوفائی کرنے کے بعد میں اپنی بیوی سے محروم ہو جاؤں گا
 اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ گھوڑے بیچ کر بیوفائی کر سکوں۔ یہ سالار نے یہ شکر وہ تمام چیزیں
 جنکا ابو دلامہ نے اُس سے وعدہ کیا تھا عطا فرمادیں بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر دیا۔ سوار
 لوٹ کر چلا گیا۔ اور اُس نے اپنے ہی لشکر تراسانی کو تباہ کر دیا۔ غرض اس جنگ میں روح کے

اباب ظفر میں سے ابو دلامہ کی یہ تجویز تھی۔

ایک دفعہ خلیفہ مہدی نے اُسے حملہ آور فوج کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ کہا حضور! مجھے نہ بھیجتے۔ میں آج تک ۹ فوجوں کے ساتھ گیا ہوں۔ سب کو شکست ہی ہوتی رہی۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ میری نحوست کی وجہ سے حضور کی مظفر و منصور فوج دسویں شمار کی جاوے مہدی، ہنس پڑا اور اُسے معاف کر دیا۔

ایک دفعہ مہدی نے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ کہا حضور! مجھے ایک شکاری کتا چاہیے مہدی خفا ہوا کہ ہم اُلو سے اسکی بڑی سے بڑی آرزو پوچھتے ہیں۔ وہ کتا مانگتا ہے۔ کہا امیر المؤمنین! آرزو میری یا آپکی؟ بولا نہیں تیری۔ کہا بس مجھے تو شکاری کتا چاہیے خلیفہ نے حکم دیدیا۔ کہا حضور! میں کتے کو شکار کے لئے لیکر جاؤنگا تو کیا پیدل ہی جاؤنگا۔ خلیفہ نے کہا ایک گھوڑا دلا دو۔ کہا حضور! مجھے سائیسی بھی اس گھوڑے کی کرنی پڑے گی۔ خلیفہ نے کہا ایک غلام دلا دو۔ کہا حضور! میں تو شکار سے تھک کر آؤنگا اور غلام گھوڑے کو سنبھال لیگا۔ پھر کون شکار پکا بیگا۔ کون مجھے روٹی دیگا۔ حکم دیا کہ ایک لونڈی دلا دو۔ کہا حضور! اتنے جاندار رہیں گے کہاں؟ کیا سب کے سب جنگل میں ہی ڈیرہ لگائیں گے؟ خلیفہ نے کہا کہ ایک حویلی بھی اسے دیدو۔ کہا حضور نے احسانات تو بہت کئے۔ مگر مجھے اتنے بڑے کنبہ کا زیر بار کر دیا۔ کہ میری گردن بھی کبھی سیدھی نہ ہوگی۔ حکم دیا کہ ہزار جریب اراضی عامرہ اور ہزار جریب عامرہ کا پٹہ اس کو دیدیا جائے۔ کہا حضور! میں عامرہ کے مہنے تو جانتا ہوں۔ مگر عامرہ کے نہیں۔ خلیفہ نے کہا عامرہ ویران کو کہتے ہیں۔ کہا میں حضور کو ایک لاکھ جریب ویران اراضی کا پتہ بتا دیتا ہوں۔ حضور خیال تو فرماویں کہ میں ویران کو لیکر کیا کرونگا۔ حضور مجھے ایک ہزار جریب اور دلا دو۔ کہا حضور! جب مال کا نقصان ہوا تو وہ عامرہ کیسی؟ خود ہی عامرہ بن گئی خلیفہ ہنس پڑا۔ کہا کچھ اور بھی آرزو ہے۔ کہا ہاں! مجھے اجازت دیجئے کہ حضور کے ہاتھ پر بوسہ دے لوں۔ خلیفہ نے کہا یہ تیرا منصب نہیں۔ کہا خیر! مجھے جواب بھی ایسی چیز سے ہی ملا ہے جس سے میرا کچھ حرج نہیں۔

ایک مہدی نے سے بعد آیا تو ابو دلامہ نے یہ قطعہ پڑھ کر سنایا

اِنِّیْ حَلَفْتُ لَنْزُرَ اَیْنُکَ سَالِمًا
بِقُرْبَى الْعِرَاقِ وَاَنْتَ ذُو ذُرِّیِّیْ
لَتَصْلِحَ لَیْسَ عَلَی النَّبِیِّ حَمْدٌ
وَلَتَمْلَأَنَّ دَرَاهِمًا حَبْسَیْیَ

میں نے حلف کیا ہے کہ جب آپ کو عراق میں صحیح سلامتی کے ساتھ خورسند و کامیاب دیکھ لوں۔ تو اسوقت آپ بنی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں گے اور میری گود کو روپوں سے بھر دینگے۔

خلیفہ نے کہا پہلی بات یعنی درود کا پڑھنا مجھے منظور ہے۔ مگر دوسری بات منظور نہیں۔ کہا حضور! ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں کھیلنے کیساں حلف کیا گیا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیدیا کہ اسکی گود روپوں سے بھر دیجامے۔ تھیلیاں اسکے پتے میں الٹ الٹ کر پٹنے لگیں۔ اور ابو دلامہ اپنے ہاتھوں کو پھیلائے لگا غرض جب گود بالکل بھر گئی۔ تو اسے کہا گیا اٹھو۔ کہا وہ میرا کرتہ بھی پھٹ جائے۔ روپیہ کو اسی طرح تھیلیوں میں ڈال دو تب اٹھو لگا۔

ابن المنجم کہتا ہے کہ خلیفہ مہدی اور علی بن سلیمان شکار کو چلے۔ مہدی نے تیر چلایا۔ آپہو کے لگا۔ علی نے تیر چلایا تو خطا گیا اور کتے کے جا لگا۔ مہدی اس پر اڑا۔ ابو دلامہ کو کہا کہ اسپر شعر کہو۔ اس نے فی البدیہہ کہا ہے

قَدَّمِي الْمَهْدِي ظَبِيًّا
وَعَلِيُّ بْنُ سُلَيْمَانَ
فَهَبْنَا لَكُمَا كُلُّ
شَكَتْ بِالسَّهْمِ فَوَادَةً
رَحِي كَلْبًا فَصَادَةً
أَمْرِي يَا كَلْبُ زَادَةً

مہدی نے ہرن پر تیر چلایا اور اسکا کلیجہ چیر ڈالا۔ علی نے کتے پر چلایا۔ اور اسے شکار کر لیا۔ دونوں کو مبارک ہو۔ کیونکہ ہر ایک اپنا اپنا زاد کھا۔ خلیفہ نے ۳ ہزار درہم انعام دیئے۔

ابو دلامہ کا بیٹا بیمار ہو گیا۔ طبیب سے علاج شروع کرایا اور وعدہ کیا کہ صحت کے بعد رقم کثیر دوں گا لڑکا اچھا ہو گیا تو کہا بخدا میرے پاس دینے کو کچھ نہیں۔ البتہ تم فلاں یہودی سوداگر پر رقم کثیر کی بخش کر دو۔ میں اور میرا بیٹا شہادت ادا کر دیں گے۔ طبیب نے ایسا ہی کیا۔ قاضی نے دیکھا کہ مثل میں نبوت بہت کمزور ہے۔ دعویٰ کو خارج کرتا ہوں تو ابو دلامہ کی زبان سے رہائی محال ہے۔ ڈگری دیتا ہوں تو صریح ظلم ہے۔ آخر طبیب کو اپنے پاس سے کچھ روپیہ دیکر راہنی نامہ کرا دیا۔ اسوقت قاضی محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیل تھے۔

ابو دلامہ کا سن وفات ۱۱۱ھ ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہو جاوے گا کہ یہ شخص صرف ظریف ہی نہ تھا۔ بلکہ ایک کارآمد شخص بھی تھا۔ اور ایک عمدہ شاعر بھی۔

تصانیف رضی محمد سلیمان بن علی بن ابی طالب

وہ کتاب جسے منجانب اللہ
رحمۃ للعالمین تعالیٰ قبولیت خاصہ حاصل
 ہوئی جسے عامۃ الخلق نے حیرجان اور ورد زبان بنایا
 جس نے سارے ہندوستان کے مصنفین و ^{مفکر} ^{مفکر} کو سیر
 نبویہ کی تحریر و تقریر اور مطالعہ پر آمادہ کرایا وہ کتاب
 جو جامع عثمانیہ دکن اور جامعہ عتباتیہ بھاو پور اور
 دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فضلا
 میں داخل ہے اور تمام اسلامیہ مائی سکولوں میں پڑھائی
 جاتی ہے محدثین و مورخین و فلاسفہ کی صحت و برتری
 کے متعین وہ کتاب جو **سیدنا محمد بن ابی طالب** صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن
 کر دیتی ہے جسے ہر ایک غیر مسلم کو تحفہ دیا جا سکتا ہے
 قیمت جلد اول **۱۰** جلد دوم **۱۰** سوم زیر طبع
تفسیر یوسف یہ اردو زبان اور علی انداز میں لہلی
 کتاب جو سورہ یوسف کی محققہ
 تفسیر ہے لکھی گئی ہے جو نکات اور فوائد قابل مصلحت
 اس میں بیان فرمائے ہیں شاید یہی کہیں اپنی نظر سے گذرے
 ہوں کتاب کا نام **الجمال والکمال** ہے تفسیر مجموعی
 سے نہایت دلچسپ اور قابل دید ہے قیمت صرف **۱۰**
سلسلہ الرشاد یا سفرنامہ حجاز عربین پاک کے تاریخی و
 مذہبی روایات کا ذخیرہ صحیح ترین
 معلومات کا خزانہ مناسک حج پر وئے احادیث صحیحہ
 اور اقوام عرب کی تاریخی اور جغرافیہ حالت قیمت **۱۰**

۱۰۰ **الصلوۃ والسلام** درود بر نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم کے جملہ مسائل
 درود نماز کی تفسیر الفاظ کی لغوی و شرعی حقیقت کا بیان
 جملہ درود ہائے ماثورہ کی جامع و دقیق بحثیں عمیق فوائد
 امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا ترجمہ قیمت **۱۰**
معراج المؤمنین نماز باجماعت پڑھنے
 کے مسائل امام عالی مقام
 احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے رسالہ کا ترجمہ قیمت **۱۰**
سیرت نبویہ سیرت نبویہ کی چھوٹی سی کتاب
 چھوٹے چھوٹے جملے سادہ زبان
 احادیث صحیحہ کا عطر ۲۸ سال سے متواتر چھپ رہی
 ہے اسلام کی ہر ایک بیٹی اور فرزند کو ابتدا میں پڑھانی
 لانی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے قیمت **۱۰**
شمس السلام ایک لیکچر ۱۸۹۹ء میں انجمن
 نجاتیہ لاہور میں دیا گیا تھا۔
 صداقت اسلام کے دلائل رشد و ہدایت کا بیان
 جبر و اکراہ فی الدین کا بطلان اشاعت اسلام کی
 وجوہ تاریخ کے نکات قیمت **۱۰**
ہدایت ایک عیسائی بننے والے مسلمان کے شکوک
استقامت کا ازالہ بشارات انبیاء کا ایجنہ طبعی
 دینی دلائل نہایت یارکت رسالہ جس سے بہت
 لوگ راہ یاب ہوئے قیمت **۱۰**

کتاب گزشتہ

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

غانت المرام کے دعویٰ پر سب سے پہلی کتاب کا
مسائل کی غانت تحقیق معلوم معقول و منقول کے برائے
علم و بیان و حدیث پاک کے شواہد لاجواب کتاب
۱۸۹۴ء سے اس موضوع پر لاجواب ثابت ہو رہی
ہے اور بار بار چھپ چکی ہے قیمت .. ۸ -

غانت المرام کا حصہ دوم اس
تائید الاسلام موضوع میں نادر المثال قیمت ۸ -

توراة و انجیل و قرآن پاک کی تعلیم کا فرق
برہان سیدنا موسیٰ و عیسیٰ و محمد صلی اللہ علیہم
و سلم کے مراتب کی توضیح کتب ماضیہ کی اصلیت کا
آئینہ ایک پادری کے جواب میں۔ قیمت ۲ -

ایک عرض کا جواب

بلوچستان کے پادری کا جواب اور شکوک کا ازالہ قیمت ۱ -

تبلیغ الاسلام

جملہ مذاہب عالم میں سے صرف اسلام کا تبلیغی ہونا جملہ ادیان
مروجہ کی تعلیم کا موازنہ اسلام کی اصول و عملاً برتری
عجیب ترین کتاب ہے قیمت .. ۱۵ -

تبیان الاسلام

مبتلین کا راہبر مسلمانوں کا ہادی علمی و تمدنی و اقتصادی
مسائل اصلاح حال کے طریقے قیمت .. ۶ -

لفظ خدا کا بیٹا کی تحقیق مؤرد
اے بیٹا کا بیٹا انا جیسا اور اُس کے معانی سب
پہلے کس نے یہ لفظ استعمال کیا وغیرہ قیمت .. ۲ -

اسماء الحسنی اسمائے الہی کی تفصیل و تشریح عام فہم نہایت
مفید اور قابل دید چیز ہے جو حال ہی میں زیور
طبع سے مرتب ہوئی ہے قیمت صرف .. ۱ -

یہ تاریخ اسلام جلد اول و دوم
جو ہندوستان میں شائع ہوئی ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام
سے لیکر تائیم المرسلین مسلمہ اسلام کا پورا نقشہ دکھایا گیا ہے اور
اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا وہ طریقہ جو انبیاء کرام کا دستور
اعمال اور جاننا زان اسلام کا مطمح نظر رہا ہے پیش کیا گیا ہے
اس کتاب کے مطالعہ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ مبلغ بن سکتا ہے
اور اس تبلیغ کے علاوہ تبلیغ کا صحیح طریقہ بھی معلوم ہو سکتا ہے ۱۲ -

قومی نظریں

اس رسالے میں قدامت قوم مولانا اب میر
صدر الدین حسین خان صاحب مرحوم نے
کی وہ تمام قومی نظریں جو یاد حق یاد رسول یاد شد یاد اسلام و
اسلام شمع وحدت تھے صد تالیف صد وغیرہ ناموں سے مشہور
ہو کر در خواص عام ہو چکی ہیں جمع کر دی گئی ہیں اور علاوہ ان
نوعہ قوم ترانہ قوم حالت قوم خطابت قوم فضائل علم نقائے
قرض اتفاق افلاس اسرار کوشش ہمت بھلائی وغیرہ عنوان
پر بیسیوں نظریں اور قومی نثر لیس بھی دیج ہیں۔ پس اگر آپ
شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں تو یہ کتاب ضرور منگالیں
جو حال ہی میں مسلمان کمپنی لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہے
لکھائی چھپائی عمدہ ہے اور قیمت صرف .. ۶ -

انتخاب کلام اکبر الہادی

مرحوم کی چیدہ چیدہ نظموں کا انتخاب جو اعداد لکھنؤ اور
قابل دید ہے۔ مولانا اکبر مرحوم کی سوانح بھی ساتھ شامل ہے ۸ -

انکشاف جہد

اس کتاب میں حضرت امام
ابو حنیفہ کے سوا میں اور انھیں
نامی اماموں کے حالات لکھے گئے ہیں اور مستند تقلید
بھی خوب روشنی ڈالی گئی ہے الغرض اپنی نوعیت پر
یہ ایک خاص کتاب ہے جس کا مطالعہ ہر مقلد اور غیور
کھیلنے نہایت ضروری ہے قیمت مجلد .. ۱ -

طب کی نیا کتابیں

مخبرات طب جدید

کثیر المخبرات

یہ طب کی وہ نیا درو نیا کتاب ہے جس میں تین سو (۳۰۰) حکیموں کے درہندری اور تجربہ المجرّب نسخے جمع کئے گئے ہیں جو انجمن خادم الحکمت نے بارہ سال متواتر تجربہ کر کے پاس کئے ہیں اور انہیں بے خطا قرار دیا ہے اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے تمام نسخے سہل الجھول نہایت آسان اور مختصر ہیں اور بلا مبالغہ ایک ایک نسخہ سے ہزار ہزار روپیہ کمایا جاسکتا ہے یہ کتاب طبیوں کے مطب کو چکا دینے والی اور عوام کو طبیوں کے پنجہ سے چھڑا دینے والی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں ہر مرض کے نسخے درج ہیں اور تمام طبی اخبار اس پر مبسوط ریو یو لکھکر اسے پسند فرما چکے ہیں لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت اعلیٰ ہے۔ قیمت رعایتی۔

یہ وہی مولوی حکیم محمد عبدالقدیر صاحب روڑوی مصنف خواص پھٹکڑی کی مشہور و معروف تصنیف ہے جسکی چار وائیک عالم میں دھوم مچ چکی ہے کہ بیشک مختلف خاندانوں کے صدی تجربات کی ایسی جامع کتاب آج تک کہیں شائع نہیں ہوئی صاحب مصنف نے مختلف علاقوں میں پیشہ رکھنے والے پاس جا جا کر طرح طرح کے مصائب اٹھا کھا کر اور اپنے تجربات بتا کر انکے خاندانی نسخے حاصل کئے آج تک اپنے ایک ہی خاندان کے صدی تجربات کے مجموعے تو بہت دیکھے ہوئے مگر بیسیوں نہیں سینکڑوں حکیموں کے صدی نسخے جنہیں سینوں کے راز سے تشبیہ دیجاسکتی ہے ایک ہی جگہ کبھی نہ دیکھے ہوئے پس اگر آپ تمام انسانی بیماریوں کے سارے پانچ سو صدی تجربات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو فوراً یہ کتاب منگالیں ایسا نہ ہو کہ پھر ختم ہو جائے اور پچھتا نا پڑے قیمت مجلد

خواص پھٹکڑی

یہ ایک نہایت مفید کتاب ہے جس میں طبی طور پر پھٹکڑی کے خواص بیان کرنے کے علاوہ پیشہ نسخے لکھے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ پھٹکڑی کن کن امراض کے لئے اکیسر ثابت ہوتی ہے اطبا کا بیان ہے کہ ہر گھر میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس کتاب میں قریناً ایک سو بیماریوں کی تشریح اور ان کا علاج پھٹکڑی کو مختلف طریق پر استعمال کر کے بتلایا گیا ہے قیمت ۱۲ احوال لکھنا ۲ کوک شائستہ بالقوہ

پاک ڈاکٹری حکیم

یہ مسلمان کنی کی وہ شہر آفاق کتاب ہے جس نے طبی دنیا میں ایک تہلکہ ڈال دیا ہے ایسی مختصر مگر جامع طبی کتاب جو سر سے پاؤں تک کے تمام امراض پر حاوی ہو۔ اور جس میں جملہ امراض کے اسباب انہی علامات اور تشخص پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی ہو اور پانچ سو عنوانات کے ماتحت ہر بیماری کے تجربے سے مجرب یونانی اور ڈاکٹری نسخے لکھے گئے ہوں آج تک آپ کی نظر سے نہ گذری ہوگی جیلی حکیم کا ایک ایک نسخہ یقیناً پورا پورا کامیاب ہوگا لہذا سال کے تجربہ کے بعد درج کیا گیا ہے جیسی حکیم کہہ سگے گویا دریا کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے جو آپ کے لئے یقیناً ایک نئے غیر سرسبز عالم اور ہر درد و خوال اس سے مستفید ہو کر بے بہا فائدہ اٹھا سکتا ہے کتاب نہایت اعلیٰ مجلد اور ویدہ زیب ہے جو ہر وقت باسانی جیب میں رکھی جاسکتی ہے لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت اور صفحہ اور قیمت مجلد

یہ کتاب مسلمان کنی کی ہے اور اس میں طبی خواص اور علاج کے بارے میں مفید معلومات دی گئی ہیں۔

ملا پتہ - پینجری مسلمان کنی - لاہور

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

17395

17395

۱۹۵۹

۱۹۵۹

تاریخ المشائخ

از
علامہ قاضی محمد سلیمان صاحب سلیمان منصوری

پشاور ریاست پٹیالہ و صنف حرمہ للعالمین

PAUNJAB
UNIVERSITY
LIBRARY,
ARABIC SECTION

Dated

مکتبہ سلیمان صاحب
پٹیالہ

قیمت بے جلد غیر مجلد عا